رسالہ اردو جلد ۵ حصہ ۲

بابتہ اکتوبر ۱۹۲۵

فہرست مضامین



فہرست مضامین



عالیجناب ڈاکٹر نواب عمادالملک بہادر مد ظلہ

سی-ایس-آئی، ال-ال-ڈی

نواب عمادالملک بہادر ہماری قوم کے اُن بزرگوں میں سے ہیں جن پر ہمیں بجا فخر ہے - باوجود خاندانی وجاہت اور ہر قسم کے وسائل کے انہوں نے تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد سر رشتۂ تعلیم ہی کو پسند کیا اور آخیر ملازمت تک اسی پر قائم رہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس سے بڑھ کر ملک کی کوئی خدمت نہیں ہو سکتی - اگرچہ ابتدا اس کی لکھنؤ میں ہوئی لیکن تھوڑے ہی عرصے بعد وہ حیدرآباد بلا لئے گئے جہاں وہ چند سال بعد سر رشتۂ تعلیم کے اعلیٰ افسر مقرر ہوے اور گو بیچ بیچ میں وہ اس سے اعلیٰ مناصب پر فائز ہوے لیکن تعلیمی خدمت کو انہوں نے کبھی نہیں چھوڑا - آج جو تعلیم کا چرچا ہم حیدرآباد میں دیکھتے ہیں وہ انہیں کا طفیل ہے —

کتب خانۂ آصفیہ جس میں نادر اور بیش بہا قلمی کتابوں کا بہت اچھا ذخیرہ ہے آپ ہی کا قائم کیا ہوا ہے اور اِن کتابوں کے بہم پہنچانے میں جو مشکلات پیش آئیں اس کے متحمل صرف نواب صاحب ہی ہو سکتے تھے - دائرۃالمعارف جس میں عربی زبان کی ایسی نادر اور کمیاب علمی کتابوں کی طبع و اشاعت کا انتظام کیا جاتا ہے جو اب تک نہیں چھپیں، وہ آپ ہی کی سعی و توجہ کا نتیجہ ہے - یہ دونوں اب تک آپ ہی کی زیر نگرانی ہیں - قدیم دارالعلوم کی ترقی بہت کچھ آپ ہی کی ذات سے ہوئی - حرفت و صنعت

کے مدارس اس ملک میں آپ ہی نے قائم کئے۔ اس کا آپ کو ہمیشہ خیال رہا اور اب تک ہے۔ غرض ریاست حیدرآباد کی جدید و قدیم تعلیم کی بانی آپ ہی کی ذات گرامی ہے۔ حال میں جب جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد کا جلسۂ تقسیم اسناد ہوا تو امیر جامعہ نے ایل۔ایل۔ڈی کی ڈگری عطا کرتے وقت جو الفاظ آپ کی نسبت فرمائے تھے وہ نہایت صحیح اور موزوں تھے جنھیں ہم یہاں نقل کرتے ہیں —

"...... اس سلسلے میں سب سے پہلے جو نام میں لیتا ہوں وہ جامع علوم مشرقی و مغربی نواب عمادالملک بہادر کا اسم گرامی ہے جنھیں میں قلبی مسرت کے ساتھہ جامعۂ عثمانیہ کی طرف سے ایل۔ایل۔ڈی کی اعزازی سند دیتا ہوں۔ اس نامور فاضل اور دیرینہ سال ماہر تعلیم سے آپ کا تعارف کرانا تحصیل حاصل ہے کہ اس بزرگ کے اوصاف اور کارناموں سے ملک کا ہر باخبر شخص آگاہ ہے اور یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اس ریاست میں تعلیم جدید کی ساخت و پرداخت بہت کچھہ صاحب موصوف ہی کے ہاتھوں ہوئی جو تیس برس تک ناظم تعلیمات سرکار عالی کے فرائض ادا کرتے رہے۔ آج جب کہ ہم اپنے ملک میں جدید تعلیم کے فروغ و ارتقا کا مشاہدہ اس جلسۂ تقسیم اسناد میں کر رہے ہیں عین مناسب ہے کہ مذکورۂ بالا ڈگری کے پیرائے میں ہم نواب عمادالملک کی تراسویں سالگرہ منائیں" —

نواب صاحب ممدوح کے علم و فضل اور ذوق سلیم سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا اور جامعۂ عثمانیہ نے اپنے پہلے جلسۂ اسناد میں ایل۔ایل۔ڈی کی ڈگری عطا کر کے اپنا حق ادا کیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اُن سے بڑھ کر اس کا کوئی مستحق نہ تھا۔ یہ گویا اعتراف ہے اُن تعلیمی اور علمی خدمات کا جو انھوں نے اس ملک میں انجام دی ہیں —

علم و فضل سے قطع نظر کر کے جو بات آپ میں سب سے قابل قدر ہے وہ آپ کی سیرت ہے۔ آپ کی طالب علمانہ اور بے لاگ زندگی، آپ کی صاف

گوئی اور راست گفتاری، آپ کی تہذیب اور نفاست ذوق یہ ایسے جوہر ہیں جو بہت کم لوگوں میں پائے جاتے ہیں۔ حیدرآباد ایک ایسا مقام ہے جہاں اچھوں اچھوں کو لغزش ہو جاتی ہے۔ لیکن نواب عمادالملک کا دامن اُن تمام باتوں سے پاک رہا جن کے لئے حیدرآباد بد نام ہے ـــ

آپ ہمیشہ طالب علم رہے اور اب بھی طالب علم ہیں۔ اس وقت بھی جب کہ آپ علالت کی وجہ سے (جو ٹانگ کے سبب سے لاحق ہو گئی ہے) آپ بہت ضعیف ہو گئے ہیں، آپ مطالعہ فرماتے رہتے ہیں اور اپنے ہاتھ سے تمام خطوں کا جواب دیتے ہیں۔ اُن کی صحبت میں اب بھی ادب و مذہب کی گفتگو ہوتی رہتی ہے اور اُن لوگوں سے بڑی خوشی اور بے تکلفی سے ملتے ہیں جو علمی اور ادبی ذوق رکھتے ہیں۔ اگرچہ آپ کچھ زیادہ دولت مند نہیں ہیں تاہم طالب علموں کی دستگیری فرماتے رہتے ہیں۔ اورنگ آباد کالج جو آپ ہی کے اشارے اور تحریک سے قائم ہوا، وہاں کے نادار طلبہ کی امداد آپ ابتدا سے اب تک برابر کرتے ہیں۔ علمی اور ادبی کاموں میں مدد دینے سے کبھی دریغ نہیں کرتے۔ انجمن ترقی اُردو پر اُن کی خاص عنایت ہے اور اس کے علمی کاموں میں جو قابل قدر امداد آپ نے فرمائی ہے اس کا شکریہ ادا نہیں ہو سکتا ـــ

آپ کے قویٰ بہت اچھے تھے۔ ہمیشہ صحت اور عافیت کے ساتھ بسر کی۔ اگر یہ پاؤں کا صدمہ نہ ہوتا جس کی وجہ سے آپ کو تکلیف رہتی ہے اور چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے ہیں، تو آپ کی صحت بہت اچھی رہتی اور اس قدر ضعف نہ ہونے پاتا جیسا اب نظر آتا ہے۔ تاہم اب بھی اُن کی صحبت مغتنمات میں سے ہے اور اس کی قدر وہی جانتے ہیں جن کو اس سے مستفید ہونے کا موقع ملا ہے۔ ان کے مزاج میں خاص نفاست ہے اور وہی نفاست اُن کے کھانے پینے، رہنے سہنے، بات چیت اور علم و ادب میں ہے۔ مولانا عبدالحلیم صاحب شرر نے اس پر ایسا اچھا اور پاکیزہ مضمون لکھا ہے (جو اس کے بعد

آپ کی نظر سے گزرے گا) کہ مجھے اس پر لکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہی--

ہم اُس فیض و فلاح کی شکر گزاری میں جو ملک کو آپ کی ذات سے پہنچی ہے اُردو کا یہ نمبر آپ کی تراسویں سالگرہ کی تقریب میں شایع کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ آپ دیر تک صحت و عافیت کے ساتھ زندہ و سلامت رہیں--

عبدالحق

نواب عماد الملک مولوی سید حسین خان صاحب بہادر بلگرامی

از

(جناب مولانا عبدالحلیم صاحب شرر لکھنوی)

اُنیسویں صدی عیسوی کے آغاز میں ہندوستان ایک عجیب عالم کون و فساد بنا ہوا تھا-اس لئے کہ پرانی ریاستوں کے ساتھہ پرانے مذاق کے صاحبان علم و فضل بھی فنا ہو رہے تھے اور نئی حکومت و تعلیم نے جدید کمالات علمی کے نمونے اور نئی شان کے علما و فضلا پیدا کرنا شروع کر دیے تھے-ان دونوں متضاد زمانوں کو ربط دینے والی کڑی فقط وھی اھل علم ھو سکتے تھے جو دونوں قدیم و جدید مذاقوں سے آشنا ھوں—

اسی قسم کے ذی علم و اھل کمال میں سے اضلاع اودہ کا ایک بہت پرانا فاطمی النسل علمی خاندان تھا جو مشہور مرکز علماے عظام یعنی قصبہ بلگرام کو چھوڑ کر بنگالے پہونچا اور پھر اُس کے ھونہار فرزندوں کی طالبعلمانہ سرگرمی سے پرانا علمی کمال جدید علوم کے لباس میں نئے اقبال کی عالم افروز آب و تاب کے ساتھہ چمکنے لگا—

بلگرام اودہ کا بہت پرانا قصبہ ھے جس میں پانچویں صدی ھجری کے آغاز سے اسلام کے شریف و وضیع اور صاحب علم و کمال عربی خاندان آکے آباد ھونا شروع ھو گئے اور اس سر زمین کو اپنا وطن مالوف بنا لیا-انھیں

اولوالعزم آنے والوں میں ایک فاطمی نژاد ذی علم بزرگ تھے جنھوں نے سنہ ۵۹۴ هجری میں وارد بلگرام هو کر وهاں کے هندو راجہ کو شکست دی اور اُس کی قلمرو پر متصرف هو کر اس علاقے کے حاکم بن گئے- یہ بزرگ چونکہ علوم معقول و منقول میں کمال رکھتے تھے لہذا اطراف و جوانب کے مسلمانوں کی پیشوائی اور مقتدائی کا عمامہ بھی اُنھیں کے سر پر تھا—

اس کے بعد یہ خاندان اپنی اُسی محدود حکومت پر قناعت کر کے علم و فضل میں ترقی و ناموری حاصل کرتا رہا اور تاریخ بتا رهی هے کہ هر دور میں اس کے ارکان بڑے متبحر عالم اور فاضلانہ وقار کے مصنف تھے جن کی علمی عظمت کے آگے بڑے بڑے اسلامی درباروں کے سر جھکے رهتے تھے اور غالباً اسی علمی فضیلت و مرجعیت نے اس خاندان کے نسب نامے کو همیشہ محفوظ رکھا- اودھ کے تمام قصبات کے شرفا اپنے پرانے نسب نامے پیش کر رهے هیں مگر جس قدر مستند اور قابل وثوق نسب نامہ شرفا و فضلاے بلگرام کا هے شاید اور کسی خاندان کا نہ هو گا اور پھر سب سے زیادہ حیرت کی یہ بات هے کہ اس خاندان نے اپنی شرافت کے ساتھہ اپنی آبائی و موروثی دولت علم کو بھی همیشہ محفوظ رکھا —

اسی خاندان کے ایک رکن رکین وہ بزرگ تھے جنھوں نے مذکورہ زمانہ کون و فساد یعنی انگریزی دور کے ابتدائی عہد میں زمانہ کی نبض پہچان کر دولت برطانیہ کی ملازمت اختیار کر لی-اسی ملازمت کی کشش سے وطن کو خیر باد کہہ کر کلکتے پہونچے اور مغربی اقبالمندوں کے صحیفۂ اقبال کو مطالعہ کر کے اپنی قسمت انھیں سے وابستہ کر دی-اُن کا قیام اکثر کلکتہ میں رہا اور وهیں اُن کے فرزند پیدا هوے—

ان کے دو فرزندوں نے جو مولوی سید حسین بلگرامی کے والد اور چچا تھے خاندانی علوم عربی و فارسی میں کافی دستگاہ حاصل کرنے کے بعد

"اورنٹل کالج آف لرننگ" میں تعلیم پانا شروع کی اور یہی پہلے عالی خاندان مسلمان شریف زادے تھے جنھوں نے باقاعدہ طور پر انگریزی اسکول میں تعلیم پائی—

ان دونوں بھائیوں میں سے ایک یعنی مولوی سید حسین صاحب کے چچا نے دولت برطانیہ کے ارکان سلطنت میں اعتماد حاصل کر کے بڑا عروج پایا اور بڑی ذمہ داری کی سیاسی و اعزازی خدمتوں پر مامور ہوتے رہے۔ مگر ان کے پدر بزرگوار نے اکزیکیو تیو محکمے میں ملازمت اختیار کی۔ سنہ ۱۸۴۰ع میں وہ ڈپٹی کلکٹر اور ڈپٹی مجسٹریٹ مقرر ہوے اور ایک مدت دراز تک ان خدمات کو اضلاع بنگالہ و بہار میں بکمال نیکنامی و اعلیٰ قابلیت انجام دے کر سنہ ۱۸۷۵ع میں وظیفہ یاب ہوے—

سنہ ۱۸۴۴ع میں جب کہ وہ ضلع گیا میں ڈپٹی کلکٹر تھے مولوی سید حسین صاحب پیدا ہوے جن کی جوبلی کے موقع پر ان کے مختصر حالات کو قلمبند کر کے ہم معترف کمال پبلک کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ پہلے ہم ان کی زندگی کے واقعات بیان کرتے ہیں اور اس کے بعد اُن کے اخلاق و عادات اور دیگر ذاتی و صفاتی خصوصیات سے بحث کریں گے—

مولوی سید حسین صاحب کا یہ بھی ایک نمایاں شرف ہے کہ جس خاک سے "بدھا" کا ایسا عدیم المثال دانائے روزگار پیدا ہوا تھا وہی خاک اُن کو بھی عالم وجود میں لائی۔ چودہ پندرہ سال کی عمر تک خانگی مکتب میں خاندانی علوم عربی و فارسی کی تحصیل کی اور مشرقی علوم سے فارغ ہونے کے بعد انگریزی زبان اور اُس کے علوم کی طرف متوجہ ہوے۔ چنانچہ پہلے بھاگل پور میں پھر پٹنے میں اور بعد ازاں کلکتے کے انگریزی مدارس میں تعلیم پا کر سنہ ۱۸۶۱ع میں میٹری کیولیشن کی سند حاصل کی بعد ازاں سنہ ۱۸۶۶ع میں فرسٹ گریڈ میں آنر کے ساتھ گریجویٹ ہوے—

اب بہ ظاہر تعلیم تکمیل کو پہونچ گئی تھی۔ پدر بزرگوار نے چاہا کہ اپنے ہی محکمے میں کسی معزز خدمت پر مقرر کرادیں مگر سید حسین ابھی تک اپنے تئیں طالب علم سمجھتے تھے۔ انہیں دنیا میں بہت کچھ سیکھنا تھا۔ اسلئے گوارا نہ ہوا کہ کوئی ایسی ملازمت اختیار کرلیں جو ان کو اپنا پابند بناکر علمی ترقی سے روک دے۔ چنانچہ محکمہ تعلیمات کو پسند کیا اور کیننگ کالج لکھنؤ میں عربی کے پروفیسر مقرر ہوگئے۔ یوں اودھ کی شریف نسل کے اِس ہونہار فرزند نے جوگیا میں پیدا ہوا تھا پھر خاک وطن پر قدم رکھا اور کالج کے طلبہ کو تعلیم دینے کے ساتھ ساتھ لکھنؤ کے تمدنی اسکول میں معاشرتی آداب و اخلاق سے بہرہ اندوز ہونے لگا—

سنہ ۱۸۷۲ ع میں مدارلمہام دولت آصفیۂ نظام نواب سر سالار جنگ بہادر اعظم سیاحت کرتے ہوے وارد لکھنو ہوئے تو جنرل بارو نے اس عجیب و غریب مجموعۂ علوم مشرق و مغرب یعنی نوجوان پروفیسر سید حسین کو ان سے ملایا۔ اور ان کی ذاتی و علمی خوبیاں بیان کیں۔ نواب سالار جنگ بہادر کی مردم شناسی مشہور ہے۔ پہلی ہی ملاقات میں پہچان گئے کہ یہ نوجوان کیا سے کیا ہونے والا ہے۔ چنانچہ مولوی سید حسین کے کمالات کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ اُنہیں دولت نظام کی ملازمت کا شوق دلایا اور فرمایا جب میں حیدرآباد میں پہونچ لوں تو آپ وہاں آکر مجھ سے ملیں—

مولوی سید حسین کی نظر میں علمی ترقی کے سوا اورکسی چیز کی وقعت نہ تھی اور ایسا مربی کمال بھی پھر ملنا دشوار تھا۔ زبانی وعدہ تو کرلیا مگر دکن کا سفر دور دراز اختیار کرنے میں دل پس و پیش کررہا تھا۔ یہاں تک کہ نواب سرسالار جنگ بہادر نے حیدرآباد پہونچ کر خود ہی خط بھیج کر انہیں بتاکید بلایا۔ یہاں ذوق علم نے اس درجہ مستغنی بنا رکھا تھا کہ اب بھی کئی مہینے لیت و لعل میں گزر گئے۔ آخر سنہ ۱۸۷۳ ع میں دکن کا سفر کرنا ہی

پڑا اور حیدرآباد پہونچے—

سر سالار جنگ بہادر نے صورت دیکھتے ھی اپنا پرسنل اسٹنٹ مقرر کرلیا۔ سنہ ۱۸۷۶ ع تک اسی خدمت پر مامور رھے تھے کہ سالار جنگ بہادر سفر یورپ سے واپس آئے اور آپ کو اپنا پرایوٹ سکرٹری اور معتمد صیغہ متفرقات بنادیا۔جس میں سر رشتہ تعلیم اور متعدد چھوٹے چھوٹے محکمے شامل تھے—

بعد ازاں جب حضور پرنور نواب میر محبوب علی خاں بہادر اریکہ آرا ے سلطنت ھوئے تو مولوی سید حسین کو خاص اپنا پرایوٹ سکرٹری مقرر فرماکر "علی یار خاں موتمن جنگ بہادر" کے خطاب سے ممتاز فرمایا اور چند سال بعد اُنھیں "عماد الدولہ" اور پھر "عماد الملک" کے خطاب عطا ھوئے۔ تھوڑے زمانے کے بعد آپ ناظم تعلیمات مقرر کئے گئے جس خدمت کو آپ نے مدت دراز تک انجام دیا اور اگر غور سے دیکھئے تو قلمرو نظام کی ساری تعلیمی ترقی اور حیدرآباد کے تمام تعلیم یافتہ لوگوں کی قابلیت اور دماغی روشن خیالی آپ ھی کی ھمیشہ بر قرار رھنے والی برکت اور بہترین یادگار ھے—

اس عرصہ میں سلطنت برطانیہ کے اعلیٰ احکام کو نواب عماد الملک بہادر کی سیاسی اور تعلیمی معاملات میں قابل قدر بصیرت سے بخوبی شناسائی ھو گئی تھی۔سنہ ۱۹۰۳ ع میں آپ کو مجلس وضع قوانیں کا رکن نامزد کیا گیا۔پھر چند سال کے بعد "اصلاحات مارلے" نافذ ھوئیں تو نواب عماد الملک پہلے ھندوستانی تھی جنھیں وزیر ھند کی مجلس کا رکن منتخب کیا گیا اور وہ سنہ ۱۹۰۷ ع سے سنہ ۱۹۰۹ ع تک اس معزز منصب پر سرفراز رھے۔اسی دوران میں آپ کو سی۔ایس۔آئی کا خطاب اور تمغہ عطا ھوا—

مجلس مذکور کی رکنیت سے بوجہ علالت دست بردار ھو کر نواب عماد الملک واپس تشریف لائے تو آپ کو نوجوان مدار المہام نواب سالار جنگ ثالث کی مدد کے واسطے مشیر المہام مقرر کیا گیا اور گو کچھ عرصہ کے بعد اس

عہد سے علیحدہ ہو کر پھر آپ نے کوئی سرکاری خدمت لینی قبول نہ فرمائی بایں ہمہ اعلحضرت شہریار دکن آپ کی اب تک نہایت عزت و توقیر فرماتے ہیں کہ شاید حیدرآباد میں دوسروں کو کم نصیب ہوئی ہوگی۔ زمانۂ مشیرالمہامی میں آپ نے ملکی حرفت وصنعت اور اردو زبان کی ترقی کی تجویزیں نافذ فرمائیں —

یہ تو نواب عمادالملک بہادر کے حالات زندگی تھے اب یہ بتانا ہے کہ علمی استناد اعتبار اور دینوی عزت و وقار حاصل کرنے کے بعد اِن کا کیرکٹر کیا رہا اور ان کی کیا شان نمودار ہوئی - جن لوگوں نے ان کے صفحۂ زندگی پرغائر نظر ڈالی ہے وہ بالاتفاق مقر ہیں کہ اس سے زیادہ مہذب و شائستہ ہستی موجودہ ہندوستان میں نہیں نظر آسکتی —

باوجود اعلیٰ دولتمندی اور عالمانہ فضل وکمال کے آپ نہایت ہی سادی طبیعت رکھتے ہیں- حد سے زیادہ منکسرالمزاج واقع ہوے ہیں، اسوقت تک طالب علم ہیں - اور ہمیشہ رہینگے - حیدرآباد کے سیاسی میدان میں بہت سے نامور لوگ آئے چلے گئے اور سب اپنے اپنے مقام پراپنے خصوصیات دکھا کے اور انقلابات کے فہو نہ بن کے رخصت ہوگئے مگر عمادالملک بہادر جو آج سے پچاس سال پیشتر تھے وہی آج ہیں اور جو سچی شائستگی اور فاضلانہ بے پروائی و یکرنگی آپ میں ہے کسی میں نہیں دیکھی گئی —

مشرقی اور مغربی دونو علوم ادبوں میں اعلیٰ کمال رکھنے کے باعث آپ اپنے جد امجد اور بزرگوار کی طرح آج بھی وہ کڑی ہیں جسنے یورپ و ایشیا کی خوبیوں کو باہم ملایا اور ہندوستاں کے اگلے اور پچھلے غیر مربوط دوروں کو جوڑ کے ایک کر دیا —

عربی و فارسی علم و فضل میں اعلیٰ درجہ رکھنے کی وجہ سے آپ علما و فضلااور صاحب علم اتقیاے زمانہ کے ایسے قدردان ہیں کہ اس زمانے میں اور

کوئی نہیں - پھر اس کے ساتھ انگریزی ادب اور جدید معلومات میں کامل بصیرت رکھنے کے باعث دانایان یورپ اور اس نئی روشنی کے ماہروں میں بھی ایسی مقبولیت رکھتے ہیں کہ علماے زمیں انھیں آنکھوں پر بٹھاتے اور اُن کی دو گھڑی کی صحبت کو اپنی زندگی کا یادگار حصہ تصور کرتے ہیں—

مجھے ایک مدت تک بالذات اُن کی روزانہ صحبتوں میں شریک ہونے کی عزت حاصل رہی ہے اور ان کے طالبعلمانہ مشاغل میں شریک ہو کر میں نے ان کے علم و فضل سے فائدہ اُٹھایا ہے - اسی سلسلے میں مجھے اُن کی واقفیت عامہ، اُن کے مذاق، اور اُن کے اسلوب زندگی کے اندازہ کرنے کا بخوبی موقع ملا - شعراے کے کلام کا مطالعہ کرنے میں چند روز میں اُن کے ساتھ شریک رہا - اور نظر آیا کہ جیسی محققانہ و مبصرانہ نظر کلام عرب پر اُن کی پڑتی ہے بہت کم کسی کی پڑتی ہے - سچ یہ ہے کہ میں نے اُنھیں ادب عربی میں یکتاے روزگار پایا - جاہیلت عرب کے سادے اور خالص عربی مذاق سخن کے دلدادہ ہیں - شعراے جاہلیت کے اشعار پر سر دھنتے ہیں اور مولدین کے کلام کو بالکل نہیں پسند کرتے—

یہی حال انگریزی ادب و انشا میں ہے - جیسی خوبصورت، سادی اور سہل ممتنع انگریزی عبارت وہ لکھتے ہیں اہل زبان ادیبوں میں سے بھی شاذ و نادر ہی کوئی لکھ سکتا ہے - اس سادے ادبی مذاق انگریزی نے انھیں انگریزی کا ایک سحر آفریں شاعر بنا دیا - ان کی انگریزی نظمیں شایع ہو چکی ہیں جو انگلستان کے سخن فہموں میں مزے لے لے کر پڑھی گئیں - ان میں بھی وہی سادگی بے تکلفی اور جدت طرازی نمایاں ہے جو ان کی سرشت میں داخل ہے |

آپ کو انگریزی زبان پر جو قدرت حاصل ہے اس کا اندازہ آپ کے ترجمہ قرآن سے ہو سکتا ہے - بہت دن ہوئے آپ نے کوشش شروع کی تھی کہ قران مجید کا ترجمہ انگریزی زبان میں کریں - جس کے لئے آپ نے بہت بڑا اہتمام کیا تھا اور تفسیروں کا بڑا بھاری ذخیرہ جمع کر لیا تھا - تقریباً سولہ پاروں کا ترجمہ کر کے پروف کی حیثیت سے چھپوایا تھا کہ ضعف بصارت و علالت کی وجہ سے وہ مقدس کام پڑا

رہ گیا۔میں نے وہ ترجمہ پڑھا ہے۔بالکل انگریزی بائیبل کی زبان اختیار کی ہے۔یورپ والوں کو توراۃ و انجیل میں خدا کے کلام کی جو شان نظر آتی ہے وھی شان نواب عماد الملک بہادر نے اپنی قادرالکلامی سے ایسی خوبی کے ساتھ قرآن کے ترجمہ میں دکھادی ہے کہ پڑھنے والے کو متحیر ہوکر ان کے اعلیٰ ترین کمال انگریزی دانی کا معترف ہوجانا پڑتا ہے—

انگریزی کے علاوہ نواب عماد الملک بہادر فرانسیسی زبان میں بھی کامل دستگاہ رکھتے ھیں۔اگرچہ ان کی کوئی فرانسیسی تحریر شایع نہیں ھوئی۔مگر جس زمانے میں مجھے ان کے طالبعلمانہ مشاغل میں شرکت کا فخر حاصل تھا انھوں نے میرے شوق دلانے سے ڈوزی کی ھسٹری آف اسلام کا ترجمہ فرانسیسی سے اردو میں اس طرح شروع کیا تھا کہ وہ بتاتے جاتے تھے اور میں لکھتا جاتا تھا۔ میں نے دیکھا کہ وہ بغیر کسی لغت کی مدد کے نہایت ھی صفائی سے بے تکلف فصیح اردو ترجمہ بتاتے چلے جاتے ھیں۔اُن کی وجہ سے مجھے کبھی نہیں رکنا پڑتا بلکہ میری وجہ سے وہ بار بار رکتے ھیں۔اور یہ ایسی بات ھے جو بغیر کسی زبان میں اعلیٰ مہارت و قدرت ھونے کے غیر ممکن ھے—

بنگالے میں نشو و نما ھونے کے باعث بنگالی زبان بھی بے تکلف بولتے ھیں اور بعض اوقات میں نے دیکھا کہ بنگالی ملنے والوں کو اُن کے بنگالی زبان میں گفتگو کرنے پر حیرت ھوگئی—

اردو میں بھی اُن کا مذاق سخن بہت ھی سادہ ھے۔سادی عام فہم زبان کو پسند کرتے ھیں اور عربی و انگریزی الفاظ استعمال کرنے کے سخت خلاف ھیں۔شعراے اردو میں سے دھلی والوں کے مذاق کو فوقیت دیتے بلکہ اسی کو اصلی مذاق شاعری جانتے ھیں۔کلام میں عربی دقیق الفاظ اور شعراے فارسی کے دقیق خیالات سے جو رفعت و شوکت پیدا کی جاتی ھے اس کو بالکل نہیں پسند کرتے۔چنانچہ ناسخ کی شاعری کو نہیں تسلیم کرتے اور کئی بار مجھہ سے فرمایا

کہ " اُس کو شاعر کس نے کہا ہے ؟" —

لکھنؤ کے سادگی پسند شعراء بھی جو اکثر اوقات معشوق کے زیور و لباس اور چوٹی کنگی کی تعریف کرجاتے ھیں اس کو ناگوار ابتذال تصور کرتے اور سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ھیں اور اسی کا نتیجہ ہے کہ وہ لکھنؤ کی عام شاعری کو ناپسند کرتے ھیں —

ان ھی مغربي و مشرقی کمالات کے اجتماع نے اُن میں یہ مذاق پیدا کردیا ھے کہ کسی عالم یا طالب علم کی صحبت میں چاھے وہ کیسا ھی بے پایہ اور کم حیثیت ھو بڑا لطف آتا ہے اور جاھل دولت مند سے چاھے کیسا ھی با وقعت اور مشین ھو اُنھیں سخت نفرت ھے-غریب صاحب علم کی باتوں میں اپنے ضروری کاموں کو بھول جاتے ھیں اور نمایشي بڑہ بڑہ کے باتیں بنانے والے دولت مندوں کی فضول گوئی سے بھاگتے ھیں-میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ایک غریب ذی علم شخص سے بیٹھے باتیں کر رھے ھیں اوراس اثنا میں کوئی عالی مرتبہ امیر آکے بیٹھ گیا تو اُنھیں خبر بھی نہ ھوئی کہ کون آیا ھے اور کیوں آیا ھے —

اس کے ساتھ غالباً اودہ کے قصباتی خاندانی رئیس ھونے کی ایک یہ جھلک بھی اُن کے اخلاق میں موجود ھے کہ شریف النسل لوگوں کی قدر کرتے ھیں اور فرومایہ رزیلوں کی صحبت سے جہاں تک بنتا ھے احتراز کرتے ھیں-ایک آدھ دفعہ میں نے یہ تماشا دیکھا کہ ایک فرومایہ دولت مند بے تکلف آکر اُن کے ڈرائنگ روم میں برابر بیٹھ گیا-ان کی نظر پڑی تو چہرہ سرخ ھوگیا-اُٹھ کھڑے ھوئے اور اس کو کھڑے کھڑے نکال دیا-اُن کا یھی اخلاق اور برتاؤ میں نے بعض ایسے لوگوں کے ساتھ بھی دیکھا جن کی بد اخلاقی طشت از بام ھو رھی تھی —

طالبعلمانہ ھم صحبتي کے زمانے میں مجھے اُن کی اصلی معاشرت کے دیکھنے

کا بھی موقع ملا اور میں نے اُن کی اور اُن قدیم علما کی وضع و حالت میں سر مو فرق نہ پایا جن کی نسبت کہا جاتا ھے کہ دنیاوی تکلفات سے بھاگتے اور کمال سادگی کے ساتھ جویاے علم رھتے ھیں-عہدے یا درباری تعلقات کے باعث نواب عمادالملک بہادر کی ظاھری صورت تو یہ ھے کہ نہایت شاندار کوٹھی میں رھتے ھیں-اچھا پہنتے اور اچھا کھاتے ھیں-مکان اعلی درجے کے فرنیچر سے آراستہ ھے-عمدہ پیچواں سامنے لگا ھے اور لکھنؤ کے بہترین خمیرے کے معطر دھوئیں سے سارا کمرہ مہک رھا ھے-لیکن جب مخلا بالطبع ھوتے ھیں تو یہ شان نظر آتی ھے کہ زمین پر ایک بوریا یا دری بچھی ھے چاروں طرف کتابوں کا ڈھیر لگا ھے-جس میں عربی فارسی انگریزی فرانسیسی سب طرح کی کتابیں ملی ھوئی ھیں اور اس عالمانہ طومار علوم کے درمیان سادے کپڑے پہنے کمال بے تکلفی سے بیٹھے کسی مسئلے کی تحقیق یا کسی تاریخی واقعے کی گفتگو کر رھے ھیں-مجھ سے کئی بار فرمایا کہ "مجھے اس زندگی میں جو لطف آتا ھے وہ تکلف کی درباری زندگی میں کبھی نہیں آیا"—

اسی وضع و مذاق نے ان کو حد سے زیادہ مستغنی اور بے پروا بنا دیا ھے-حضور نواب میر محبوب علی خان بہادر کے عہد حکومت میں جب نواب فتح نواز جنگ بہادر کا مقدمہ چل رھا تھا-سرور جنگ بہادر کا زور تھا اور کوشش ھو رھی تھی کہ عمادالملک بہادر بھی فتنہ جو جماعت میں سمیٹ لئے جائیں اور ان پر حملے ھو رھے تھے-مگر اُن کی وضع و حالت میں ادنی تغیر بھی نہیں ھوا-اُسی زمانے میں حضور مغفور چاھتے تھے کہ عمادالملک حاضر ھو کر اپنی پرائیویٹ سکرٹری کی خدمت انجام دیں-مگر چونکہ ایوان خسروی سازشوں سے بھرا تھا اور وھاں کسی کے اوقات باقاعدہ اور منتظم نہیں رہ سکتے تھے وہ کسی طرح نہ جاتے تھے-ان کے بہت سے احباب نے سمجھایا-میں نے بھی کئی بار عرض کیا مگر اُنہوں نے اپنے علمی مشاغل کو

نہ چھوڑنا تھا نہ چھوڑا اور نہ جانا تھا نہ گئے اور اُس پرفتن زمانے میں اپنی اُسی وضع سے نباہ دی اور یہ بات بجز اُن کے اور کسی سے نہ ہو سکتی تھی—

اُن کی سب سے بڑی خصوصیت تو یہ ہے کہ کذب و دروغ سے سخت متنفر ہیں- نہ کبھی ایک لفظ جھوٹ بولتے ہیں اور نہ جھوٹے کو منہ لگانے کے قابل تصور کرتے ہیں- اسی طرح کیادی و مکاری کی کارروائیوں اور دغل فصل کی باتوں سے بھاگتے ہیں- ان کی عہدہ داری اور درباداری کی طولانی زندگی میں حیدرآباد کے اندر بیسیوں پارٹیاں قائم ہوئیں- بڑی بڑی سازشیں ہوئیں- جن میں بڑے بڑے عہدہ داران ریاست شریک تھے مگر عماد الملک کا دامن اُن نجاستوں سے ہمیشہ پاک رہا- لوگوں نے ہزار چاہا کہ اُنہیں اپنے گروہ میں لیں مگر اُنھوں نے اس کو کبھی گوارا نہ کیا- حیدرآباد میں اعلیٰ خدمت پر ممتاز رہنے کے ساتھ اُن کا ایسا بے داغ رہنا حیرت کے قابل ہے اور یہ اُنہیں کے ساتھ خاص ہے کہ کبھی کسی سیاسی یا سازشی پارٹی میں نہیں شریک ہوتے اور ان کی اس استقامت کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف تو اُن کی نسبت بعض لوگوں کا یہ خیال قائم ہو گیا کہ استیٹسمین ہونے کے قابل اور ڈپلومیسی کے اہل نہیں ہیں اور دوسری طرف ہر شخص کو اعتراف کرنا پڑا کہ اُن کے پایے کا سچا اور راست باز کوئی نہیں ہے اور مخالف پارٹیوں اور بڑوں ہمسروں سب طرح کے لوگوں میں بالاتفاق وہ بے عیب اور واجب الاحترام تسلیم کر لئے گئے—

سر وقارالامرا بہادر مرحوم کی مدارالمہامی کے آغاز میں عماد نواز جنگ حسن بن عبداللہ نے جو اپنے آپ کو ایک بہت بڑا استیٹسمین جانتے تھے مجھ سے کہا کہ نواب مدارالمہام کی خواہش ہے کہ فتح نواز جنگ اور اُن کی بیوی کے شرمناک واقعات کا ایک ناول آپ لکھ دیں- مجھے اس میں

تامل تھا بہانہ کیا کہ میرے پاس ایسے ناول کے لئے مواد واقعات نہیں موجود ھے اور نہ اُن کے حالات سے آگاہ ھوں - حسن صاحب نے کہا "اس کے تمام واقعات آپ کو نواب عمادالملک بہادر سے ملیں گے" اُن کا نام سن کر مجھے حیرت ھوئی اور اُن سے وعدہ کر لیا کہ اگر اُنھوں نے مدد دی تو میں یہ ناول لکھ دوں گا - دوسرے دن میں نے نواب عمادالملک بہادر سے اس کا تذکرہ کیا تو اُن کے غصے کی کوئی انتہا نہ تھی اور کمال بوڑھی سے فرمانے لگے "میں ایسی بیہودہ باتوں میں نہیں پڑتا" چنانچہ حسن صاحب کو پھر نہ کچھ کہنے کی جرأت ھوئی اور نہ وہ شرمناک ناول لکھا گیا —

غرض میں نے اپنے تجربہ سے ان کو ھر موقع پر راست باز اور نہایت ھی شریف النفس پایا اور اس اصول پر وہ ایسی استقامت کے ساتھ قائم ھیں کہ دولت - حکومت - عزت اور کسی چیز کا لالچ یا شوق ان کے قدم کو لغزش نہیں دے سکتا - کذب و دروغ میں نہیں وہ ھر قسم کی بداخلاقیوں اور بد وصفیوں سے سخت متنفر ھیں اور جن لوگوں میں ایسی خرابیاں سنیں اپنی صحبت کو ان سے بچایا —

غور سے دیکھئے تو اُن کی زندگی اعلیٰ درجے کے حکیموں اور فلسفیوں کی ھے - ھر نیک نفس اور خوش اطوار شخص چاھے کتنا ھی غیر ھو اُن کا عزیز قریب اور دوست ھے اور ھر بد کار و بد نفس آدمی چاھے اُن کا کتنا ھی قریب کا عزیز ھو غیر ھے - یہ وہ اُصول ھے جس کو اگر ان کی زندگی کا ماٹو کہا جائے تو غلط نہیں ھو سکتا —

اپنے چھوٹے بھائی مولوی سید علی مرحوم کو اُنھوں نے بیٹوں کی طرح پالا - سکھایا پڑھایا اور علم و فضل میں سرآمد روزگار بنا دیا مگر چونکہ اُنھوں نے بعض سیاسی پارٹیوں میں شریک ھوکر سازش اور انٹریگ کو گوارا کر لیا تھا لہذا اُن سے ملنا چھوڑ دیا - اور اُن کی نظر میں وہ غیروں سے

بھی بدتر تھے- میرے سامنے کا ذکر ہے کہ ایک بار مولوی سیدعلی مرحوم سخت بیمار ہوے مگر نواب عمادالملک بہادر باوجود یکہ میں نے اور اُن کے کئی احباب نے بار بار اصرار کیا ان کی عیادت کو نہ جانا تھا نہ گئے—

مذهباً نواب عمادالملک بہادر ایک آزاد خیال مسلمان هیں- دینی احکام و عقائد کو تقلیداً نہیں بلکہ فلسفیانہ توجیہ و استدلال کے ساتھہ مانتے هیں- اور گوکہ عبادات میں پابند دین نہیں نظر آتے مگر اعتقاداً اسلام کو سچا اور برگزیدہ دین مانتے هیں- اُنہیں سب سے زیادہ وثوق مسئلہ وحدت وجود پرهے میں نے ایک بار اُن سے اس مسئلے میں بحث کی تو فرمایا ""اور کسی حیثیت سے میں خدا کو مان هی نہیں سکتا""—

مگر یہ اعتقادات و خیالات فقط اُن کے دل ودماغ تک محدود هیں- اس کو بالکل پسند نہیں کرتے کہ مختلف فیہ مسائل میں کسی سے بحث کریں یا اعتقاد کے اختلاف کی بنا پر کسی سے نفرت یا مخالفت کریں- ان کے اعتقادی مسائل کا کوئی اثر باهمی تعلقات پر نہیں پڑتا- اُن کی بے توجہی کی یہ شان ہے کہ اگرچہ راسخ العقیدہ مسلمان هیں مگر انگریزوں اور مسیحوں کی بہت سی اخلاقی باتوں کو پسند کرتے هیں- بلکہ اُن کو اخلاقاً سب سے زیادہ شائستہ مانتے هیں- هندوں پر نہایت مہربان هیں- اور اُن کے قدیم روحانی فلسفہ کا بہت زیادہ احترام کرتے هیں—

اگرچہ شیعہ هیں مگر سنی علما اور حنفی فضلا کا ویسا هی ادب و احترام کرتے هیں جیسا شیعہ مجتہدین کا- مولوی شبلی نعمانی مرحوم مجھہ سے کہتے تھے کہ ""میں نے الفاروق کو شایع کیا تو اس کا ایک نسخہ نواب عمادالملک بہادر کی خدمت میں بھیجا اور خواهش کی کہ اس کی نسبت آپ اپنے خیالات ظاهر فرمائیں- اس کے جواب میں انھوں نے تحریر فرمایا کہ گزشتہ تیرہ سو برس میں صرف ایک شخص پیدا هوا جس کا نام عمر بن الخطاب ہے لہذا اُن کی لائف

لکھنا اسلام کی خدمت تھی جس کو آپ نے ادا کیا ،، مگر خود مجھ سے اُن سے جب گفتگو ہوتی تو میں نے اُن کا یہ خیال پایا کہ حضرت عمر میں سختی اور درشتی زیادہ تھی - اور اگرچہ میں نے اُن کو وہ درشتی خلیفہ ہونے کے بعد نرمی سے بدل گئی تھی مگر اس کو انھوں نے نہیں مانا —

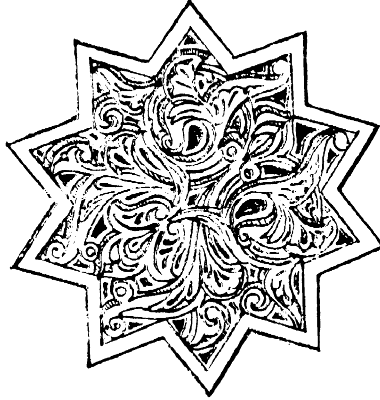
حیدر آباد کے مدرسہ دارالعلوم کی اعلی مدرسی و مہتممی کی جگہ خالی ہوئی تو اُس پر نواب عماد الملک نے مولوی محمد الہی بخش صاحب کو مقرر کیا معین المہام تعلیمات نواب فخر الملک بہادر نے اس سے اختلاف کر کے ایک شیعہ عالم کو اس جگہ کے لیے نامزد کیا - اور مدار المہام بہادر نے بھی اس سے اتفاق کر لیا - جب یہ حکم تعمیل کے لیے عماد الملک بہادر کے پاس آیا تو اُنھوں نے اس سے سختی کے ساتھ اختلاف کیا - اور کہا کہ یہ مدرسہ مدت سے خاص اہل سنت کے زیر انتظام و تعلیم چلا آتا ہے جس میں اہل سنت کے دینیات کی تعلیم ہوتی ہے لہذا اس خدمت پر کسی شیعہ کا تقرر نہیں ہوسکتا - نواب فخر الملک بہادر نے پھر اپنی رائے پر اصرار کیا اور تحریر فرمایا کہ اس بے تعصبی کے عہد میں ایسی تفریق نہ ہونی چاہئے - مگر نواب مدار المہام پر وقار الامرا بہادر نے اپنی پہلی رائے بدل کے عماد الملک بہادر کی رائے سے اتفاق کر لیا - اور مولوی الہی بخش صاحب مقرر ہو گئے —

یہی بے تعصبی اُن سے ہمیشہ ظاہر ہوتی رہی - اور سب جانتے ہیں کہ محکمہ تعلیمات دولت آصفیہ ایک مدت دراز تک اُن کے ہاتھ میں رہا - لیکن کبھی کسی شخص کو محسوس بھی نہ ہوسکا کہ ناظم تعلیمات ایک شیعہ شخص ہے - اُنھوں نے ہمیشہ غیر جانب داری سے کام لیا - اور وطنی و غیر وطنی سنیوں کو ویسا ہی خوش اور مطمئن رکھا جیسا کہ شیعوں کو —

الغرض نواب عماد الملک بہادر کی ذات غیر معمولی صفات سے آراستہ اور خدا کی ایک بے نظیر نعمت و برکت ہے اور وہ رعایائے نظام و ہندوستان کے عام

لوگوں کے هر گروہ اور هر طبقے میں هر دلعزیز اور واجب الاحترام هیں—

لهذا مسلمان بلکہ تمام اهل هند اگر اُن کی درازی عمر پر خوشیاں منائیں اور ایک دوسرے کو مبارک باد دیں تو نهایت هی مناسب بالکہ اپنے ایک ضروری فرض کا بجالانا هے—



عرب کی شاعری

از

(جناب مولانا وحیدالدین سلیم پروفیسر عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن)

تمہـــــــید

ایک مشہور مقولہ ھے کہ "الشعر دیوان العرب" یعنی عرب کی شاعری عرب کا دفتر ھے۔ دفتر کے لفظ سے یہ مراد ھے کہ اُس میں عرب کا جغرافیہ۔ عرب کی تاریخ۔ عرب کا تمدن۔ عرب کا طریقۂ معاشرت۔ عرب کے خیالات و توھمات۔ عرب کی ملکی اور قومی خصوصیات سب کچھہ ھے۔ اگر کوئی شخص عرب کی شاعری کا مطالعہ کرے تو کوئی بات عرب اور اھل عرب کے متعلق ایسی نہیں ھے جو اس میں نہ مل سکے۔ میں عرب کی شاعری کو اسی نقطۂ نظر سے دیکھنا چاھتا ھوں۔ اس کے ساتھہ ھی یہ بتا دینا چاھتا ھوں کہ اداے خیالات کے کیا طریقے عربی شاعری میں تھے—

میں نے اس غرض کے لئے ایام جاھلیت کی شاعری پر نظر ڈالی ھے۔ ظہور اسلام کے بعد اوایل بنی اُمیہ کی شاعری کو بھی شامل کر لیا ھے۔ ایام جاھلیت کی شاعری کا خالص عربی رنگ ھے اور وہ فی الواقع عرب کے تمام حالات و خیالات کا آئینہ ھے۔ اوایل عہد بنی اُمیہ تک بھی کچھہ اصلی خصایص عربی شاعری کے باقی رھے۔ مگر دولت عباسیہ کے زمانے میں اُس پر عجمیت غالب آگئی اور شاعری کا خالص عربی رنگ نہیں رھا۔ اگرچہ اس زمانے کی شاعری اُس زمانے کے عربوں کے انقلاب حالت کی تصویر ھے۔ مگر میں نے اُس کو اپنے موضوع

سے خارج کر دیا ہے۔میں یہ سب کچھہ اپنی محبوب زبان اُردو میں لکھنا چاہتا ہوں۔اصل عربی اشعار اس مضمون میں نہیں لکھوں گا۔اس کی دو وجہیں ہیں—

ایک تو یہ کہ بیچ بیچ میں غیر زبان کے اقتباسات لانے سے مضمون کی روانی میں فرق آ جاتا ہے اور پڑھنے والے اس کو دلچسپی کے ساتھہ نہیں پڑھتے—

دوسرے یہ کہ اہل یورپ کی طرح میری دلی خواہش یہ ہے کہ غیر زبانوں کے ادبیات کے متعلق جو کچھہ لکھا جاے وہ اپنی ہی مادری زبان میں ہو۔تاکہ ہمارا ادب وسیع ہو اور ترقی حاصل کرے۔اگر غیر زبانوں کے حاصل کرنے والے اُن کے تمام ادبی ذخیروں کو ہماری زبان کے ادب میں بھر دیں تو گھر بیٹھے ہم دنیا کے اعلیٰ اور لطیف خیالات پر عبور حاصل کر سکیں گے۔دنیا کی ہر قدیم و جدید زبان کے اعلیٰ شاعروں اور ادیبوں کے شہپارے اُردو زبان میں بھر دینے چاہئیں۔تا کہ زمانۂ حال کے انشا پردازوں اور شاعروں کو مدد ملے اور ایک محدود دایرہ سے نکل کر آگے بڑھنے کے رستے اُن کو نظر آنے لگیں۔اگر ایسا نہ کیا جاے تو نہ ہمارا ادب کبھی ترقی کرے گا اور نہ اُس میں وسعت اور گہرائی پیدا ہو گی—

ایک اور بات بھی ہے جس کی وجہ سے ایسے مضامین تحریر کرنے کی ضرورت پیش آئی ہے۔اگر ہمارے نوجوان انشا پرداز اور شاعر جو غیر زبانوں کے ادب سے نا بلد ہیں یہ معلوم کریں گے کہ ہر ملک کا ادب اُس ملک کی قومی اور ملکی خصوصیات کا آئینہ ہے۔پھر اپنی شاعری اور انشا پردازی پر نظر ڈالیں گے تو اُن کو صاف دکھائی دے گا کہ اِس میں اِس ملک کی خصوصیات کا کوئی پتہ نہیں ہے۔ہماری ساری شاعری اور ساری انشا پردازی بیرونی ادب کی نقالی ہے اور اس میں ہر چیز باہر سے لائی گئی ہے۔کیا یہ

شرم و عبرت کا مقام نہیں ہے؟ کیا اس نقص کے معلوم ہونے کے بعد ہم کو اپنے ادب کی اس کھلی کمزوری کی تلافی نہیں کرنی چاہئیے؟ کیا زمانۂ سابق کی طرح آئندہ بھی ہم کو صرف بیرونی ادب کی نقالی پر قناعت کرنا لازم ہے؟ کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ ہم اپنی زبان کے ادب میں انقلاب پیدا کریں اور اُس کو ایک ملکی ادب بنانے کی کوشش میں سرگرم نہ ہوں؟ اگر یہ ضرورت مسلم ہے تو پھر ایسے مضامین ہی اہل فکر و بصیرت کے لئے تحریک و ترغیب کا باعث ہوں گے—

شاعری کے موضوع

عرب کی شاعری کے اہم موضوع حسب ذیل ہیں:—

۱- بہادری کے جذبات

۲- اخلاقی جذبات

۳- عاشقانہ جذبات

۴- مدح و ذم

۵- غم کے جذبات

اِن میں سے ہر موضوع پر جو کچھ عرب شعرا نے کہا ہے وہ اُن کے دلی خیالات اور اصلی حالات کا آئینہ ہے۔ وہ جو کچھ کہتے ہیں وہی کر دکھاتے ہیں۔ اُن کی شاعری اصلی اور حقیقی شاعری ہے۔ اپنے عیب و صواب سب کھول کر رکھ دئیے ہیں۔ کوئی بات ڈھکی چھپی نہیں رکھی۔ اُن کی زبان اُن کی دلی واردات کی ترجمان ہے۔ اُن کی شیخیاں جھوٹی شیخیاں نہیں ہیں۔ اُن کے کارنامے اُن کی نیتوں کے گواہ ہیں۔ وہ اگر کسی کی مدح کرتے ہیں تو صرف اُس کی جس کے قول اور فعل میں مطابقت ہے اور جس کی ذات میں فی الواقع وہ خوبیاں موجود ہیں جن کا ذکر مدح میں کیا گیا ہے۔ اگر کسی کے مرنے پر آنسو بہاتے اور اُس کے اوصاف بیان کرتے ہیں تو وہ درحقیقت

ایسا ہی شخص ہوتا ہے جس کا وجود خیر و برکت کا باعث تھا۔جھوٹی مدح وہ کبھی نہیں کرتے۔جھوٹے آنسو وہ کبھی نہیں بہاتے۔اُن کی زبان اور اُن کے دل دونوں ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں —

یہاں مثال کے طور پر چند نمونے عربی شاعری کے پیش کئے جاتے ہیں جن سے ناظرین کو اندازہ ہو گا کہ اُن میں کس قدر سچائی اور اصلیت کی جھلک ہے اور اہل عرب کی بیرونی اور اندرونی کیفیات کا صحیح نقشہ اُن میں کس طرح کھینچ کر رکھا گیا ہے —

فخریہ اشعار

اے ہیضم کے دونوں بیٹو! کیا تم نے عزم و ہمت کے وقت میری تدبیر کو سست پایا؟ میں نے دنیا کے بہت سے واقعات کا امتحان کیا ہے اور واقعات نے میرا امتحان کیا ہے۔گویا کہ میں گزری ہوئی قوموں کا آدمی ہوں۔ہم ایسی ماں کے بیٹے نہیں ہیں جس کی چھاتیاں چھوٹی ہوں اور اُن کا دودھ منقطع ہو گیا ہو اور وہ صرف ایک ہی دفعہ جنی ہو۔ہم ایسی صاحب نصیب عورت کی اولاد ہیں جس نے حوض ولادت سے مکرر پانی پیا ہے اور جس نے مکرر اولاد پیدا کی ہے۔زمین کا اندا شق ہوا اور ہم اُس میں سے نکل پڑے۔ اب ہم زمین کے سخت حصے اور ریگستانی حصے کے فرزند ہیں۔ہمارے قبضے میں اجاء اور سلمی کے پہاڑی قلعے ہیں اور دونوں قلعوں کی مشرقی زمین بھی ہمارے پاس ہے۔قلعۂ تیماء کے مالک بھی ہمیں ہیں۔جو قوم عاد کے زمانے سے ہمارے قبضے میں ہے اور ہم نے اپنے برچھوں کے زور سے اُس کو بچایا ہے (قبیصہ بن جابر) —

ہم ہنشل کے پوتے ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں اور ہمارا دادا ہم پر فخرکرتا ہے۔عزت اور برتری کی کسی حد تک گھوڑے دوڑائے جائیں۔

سب سے آگے بڑھنے والے جب پاؤگے بنی ھیشل ھی کے گھوڑے پاؤگے-ھم میں سے کوئی سردار جب تک کہ کوئی لڑکا اپنا جانشین بننے کے لایق نہیں چھوڑ تا دنیا سے نہیں اُٹھتا-لڑائی کے دن ھم اپنی جانیں سستی کر دیتے ھیں-مگر امن کے زمانے میں اگر اُن کی قیمت پوچھئے تو وہ انمول ھیں-ھماری مانگوں کے بال خوشبوؤں کے استعمال سے سفید ھیں-ھماری دیگیں مہمانوں کے لئے گرم ھیں-ھمارا مال ھمارے مقتولوں کے خونبہا کے لئے وقف ھے-میں اُس قوم میں سے ھوں جس کے بزرگوں نے دشمنوں کے اتنے کہنے پر کہ "کہاں ھیں قوم کے حمایتی" اپنے کو نیست و نابود کر دیا تھا-اگر ھزار میں ھمارا ایک موجود ھو تو بھی جب یہ کہا جائے گا کہ "کون ھے شہسوار" تو اُس کی اپنے ھی پر نگاہ پڑے گی—

(بشامہ بن حزن)

اگر انسان کی عزت پر بخل کا داغ نہ ھو تو پھر وہ جو لباس پہنے اس کے بدن پر کھلتا اور زیب دیتا ھے-اگر انسان اپنے تئیں بخل کے جذبات سے نہ روکے تو پھر مدح و ستائش کا رستہ اُسے نہیں ملتا-وہ عورت ھم پر الزام لگاتی ھے کہ ھماری تعداد تھوڑی ھے-میں نے جواب دیا کہ شریف انسان دنیا میں تھوڑے ھی ھوتے ھیں-وہ قوم کم نہیں سمجھی جائیگی جس کی یادگار ھم جیسے بلند مرتبہ نوجوان اور ادھیڑ عمر کے ھوں-تعداد کی کمی ھمیں کیا نقصان پہنچا سکتی ھے-جب کہ ھمارے ھمسایے طاقتور ھیں-حالانکہ اوروں کے ھمسایے ذلیل ھوتے ھیں ھم ایک ایسے بلند پہاڑ کے مالک ھیں جس کی طرف اگر نظر اُٹھائی جائے تو وہ تھک کر واپس آجاتی ھے-ھم جس کو چاھیں اس پر پناہ لینے کی اجازت دیتے ھیں-اس پہاڑ کی جڑ تحت الثریٰ میں ھے اور اس کی چوٹی لمبی اور اس قدر بلند ھے کہ وھاں تک کوئی نہیں پہنچ سکتا-ھم وہ قوم ھیں کہ جنگ میں مارے جانے کو عیب نہیں جانتے-حالانکہ بنی عامر اور نبی سلول ایسا ھی جانتے ھیں-

ہم موت کو پسند کرتے ہیں۔اس لئے ہماری عمریں کوتاہ ہیں۔مگر وہ موت سے بھاگتے ہیں اس لئے اُن کی زندگی اکثر دراز ہوتی ہے۔ہمارا کوئی سردار بچھونے پر پڑکر نہیں مرا۔ہماری قوم کا کوئی ایسا مقتول نہیں ہے جس کا انتقام یا خون بہا نہ لیا گیا ہو۔ہمارے خون بس تلواروں کی دھاروں ہی پر بہتے ہیں۔ہم نسل میں خالص اور غیر مکدر ہیں۔ماؤں اور باپوں نے ہمارے نسب کو خالص اور محفوظ رکھا ہے۔ہم لطافت اور صفائی میں آب باران کے مانند ہیں۔ نہ ہم میں کوئی بخیل ہے، نہ کند ذہن۔اگر چاہیں تو اوروں کی بات کہیں تو پھر کسی کو انکار کی مجال نہیں ہوتی۔اگر ہمارا کوئی سردار مرتا ہے تو اس کا جانشیں ایک ایسا ہی سردار ہوتا ہے جس کا دل اور زبان شریفوں کی طرح ایک ہو۔رات کے آنے والے مہمانوں کے لئے ہماری آگ کبھی نہیں بُجھی اور نہ کسی مہمان نے کبھی ہماری شکایت کی۔دشمنوں کے ساتھ جو معرکے ہمیں پیش آئے وہ نہایت درخشاں اور نمایاں ہیں۔ہماری تلواریں مغرب و مشرق میں مشہور ہیں اور زرہ پوشوں پر بار بار پڑنے سے اُن میں دندانے پڑگئے ہیں۔ہماری تلواروں کی عادت ہے کہ جب تک ایک جماعت کا ستھراؤ نہ ہولے اور وہ اچھی طرح لہو نہ چاٹ لیں میانوں میں نہیں جاتیں۔اگر تمہیں ہمارا حال معلوم نہ ہو تو دنیا کے لوگوں سے پوچھ لو۔اس لئے کہ نبی دیان اپنی قوم کے لئے بمنزلہ قطب کے ہیں اور قوم کے سارے معاملات کی چکیاں اسی قطب کے گرد گھومتی اور چلتی رہتی ہیں —

(سموءل بن عادیا)

شجاعت اور بزدلی کی تصویریں

اگر میں بنی مازن میں سے ہوتا تو مجال نہ تھی کہ میرے اونٹ آل ذہل کے غارت گر لوٹ کر لے جاتے۔اگر میں بنی مازن میں سے ہوتا تو میری حمایت پر ایک ایسی قوم کمر بستہ ہوتی جو غیرت اور غصہ کے وقت سخت ہے گو کہ

بزدل آدمی اُس وقت نرم اور سست پڑ جاتے ھیں- بنی مازن وہ قوم ھے کہ جب لڑائی درندہ کی طرح اپنی ڈاڑھیں یا کُچلیاں نکال کر ڈراتی ھے تو یہ اکیلے اور اکٹھے اُس پر ٹوٹ پڑتے ھیں- وہ طالب حمایت سے کوئی دلیل نہیں پوچھتے اور فوراً اُس کی حمایت کے لئے دوڑ پڑتے ھیں- مگر میری قوم باوجود کثرت کے اس قابل نہیں ھے کہ تھوڑی سی مصیبت میں بھی لڑنے پر کمر بستہ ھو- اگر کوئی ظالم ان پر ظلم کرے تو وہ بزدلی کے سبب اُس کو معاف کر دیتے ھیں- اور اگر کوئی اُن کے ساتھہ بدی سے پیش آئے تو وہ نیکی کرنے پر تلے رھتے ھیں- گویا خدا نے اُن کے سوا کوئی ایسی قوم دنیا میں پیدا نہیں کی جس کے دل میں خوف خدا ھو- کاش مجھے اس قوم کے بدلے کوئی اور ایسی قوم مل جائے کہ جب وہ گھوڑوں یا اونٹوں پر سوار ھو تو خوب غارت گری کرے--

(قریط بن اُنیف)

ایک سو نو برس کے بڑھے عرب کے جذبات

اگر میں بہت بوڑھا ھوگیا ھوں تو کیا مضایقہ ھے- میں مدت تک جوان رہ چکا ھوں- میری پیدائش کے دن سے ایک سو نو برس گذر چکے ھیں جن کو میں نے لباس کی طرح اُتار پھینکا ھے- میں سواروں کے بہت سے رسالے مرتب کر چکا ھوں جو اووں کی ٹکڑیوں کی طرح ایک جگہ آکر جمع ھوتے تھے- وہ ایک ایسی گھٹا تھی جس میں موت بجلی کی طرح چمکتی تھی- میں نے ان سواروں کے ساتھہ لوٹ مار کی ھے اور بہت سے مزے اُڑائے ھیں- مگر دنیا کے تمام مزے چند روزہ ھیں- میں نے جنگ بھیما کے دن بہت سی عورتیں کو دیکھا جو مارے خوف کے مونھہ کے بل گری پڑتی تھیں- انھیں میں سے ایک عورت خوف کے سبب پیاسی دکھائی دی- اُس کا گلا گھٹا جاتا تھا- وہ بول نہیں سکتی تھی- اُس کی آنکھوں سے متواتر آنسو بہ رھے تھے- جب میں نے اُس کے شوھر کو قتل کردیا تو کہنے لگی کہ اے مجمع تو ھلاک ھو جیسا کہ تو نے مجھے ھلاک کیا ھے- میں نے کہا- میں نہیں-

بلکه اے اُم مجاشع! تو اور تیری قوم ہلاک ہوئی ہے-میں نے اس عورت کے شوہر کو ایک ایسے لمبے اور چمکدار نیزہ سے قتل کیا تھا کہ جب وہ ہلایا جاتا ہے تو اُس سے آگ کے شعلے لپکتے ہیں-اس کے سوا اور بہت سی عزت دار عورتیں تھیں جن کو میں نے ایسے حال میں چھوڑا کہ اُن کے مونھہ پر خراش تھی-وہ غمگیں تھیں اور زار زار روتی تھیں—

(مجمع بن ہلال)

فوج کشی کا سماں

ہم جب لڑائی پر کمربستہ ہوتے ہیں تو ایسی فوج ساتھہ لیکر چلتے ہیں جس کے اطراف میں ابلق گھوڑے غایب ہوجائیں-جس کا پچھلا حصہ مدینہ میں اور اگلا حصہ دمشق میں ہوتا ہے-جب ہم مشرق اور مغرب کے درمیان چلتے ہیں تو جاگتی اور سوتی زمین لرزنے لگتی ہے-یعنی وہ زمین جس پر لوگ چلتے ہیں اور وہ زمیں جس پر لوگ نہیں چلتے ہیں یکساں طور سے زلزلہ میں آ جاتی ہے—

(ابان بن عبدہ)

نشے کی ترنگ

میں نے چھوٹے اور بڑے پیالوں میں شراب ڈالکر پی ہے-جب میں نشے میں ہوتا ہوں تو اپنے تئیں پادشاہ نعمان کے شاندار محلات خورنق اور سدیر کا مالک سمجھتا ہوں-مگر جب ہوش میں آتا ہوں تو پھر وہی بکریوں اور اونٹوں والا ہوتا ہوں جو پہلے تھا—

(منخل بن حارث لشکری)

غم کے جذبات

قیس کا مرنا ایک شخص کا مرنا نہیں ہے-بلکہ وہ ایک قوم کی بنیاد تھا-جو گر گئی اور اس سبب سے وہ قوم بھی گر گئی—

(عبدہ بن طبیب)

میرے ایک دوست نے قبروں کے پاس رونے سے مجھکو ملامت کی اور کہا کیا تو ہر قبر کو دیکھکر روئے گا۔حالانکہ تو جس قبر کے خیال میں ہے وہ لوی اور دکادک کے درمیان واقع ہے۔میں نے کہا۔ایک غم دوسرے کو اُکساتا ہے۔ میرے حال پر چھوڑدے۔میرے نزدیک تو یہ سب قبریں میرے بھائی مالک ہی کی ہیں—

(متمم بن نویرہ)

وہ لوگ جو اُس کو قبر کی طرف لے گئے نہیں جانتے کہ انہوں نے کس چیز کو بے پروائی سے کفن میں لپیٹ دیا ہے—

(محمد بن بشیر خارجی)

میں نہیں جانتا تھا کہ لوگوں پر اس کی فیاضی کا کس قدر احسان ہے۔ یہاں تک کہ اس کو پتھروں کی سلوں نے اپنے اندر چھپا لیا۔وہ مرکر زمین کی ایک تنگ جگہ میں سما گیا۔حالانکہ جب وہ زندہ تھا تو (فوج کی کثرت کے سبب) بڑے بڑے میدانوں میں بھی نہیں سما تا تھا۔اب میں تیرے مرجانے کے بعد کسی بڑی سے بڑی مصیبت سے بھی گھبرانے والا نہیں ہوں—

(اشجع سلمی)

اے معن کی قبر! تو نے اُس کی فیاضی کو اپنے اندر کیوں چھپا لیا۔حالانکہ جب وہ زندہ تھا تو اس کی فیاضی سے زمین کی خشکی اور تری سب بھر گئی تھی۔ہاں بے شک فیاضی خود مرگئی ہے۔اس لئے وہ تیرے اندر سما سکی اور اگر وہ زندہ ہوتی تو اس کے سبب تو پھٹ جاتی۔وہ ایسا جواں مرد تھا کہ مرنے کے بعد بھی لوگ اُس کی فیاضی سے زندہ ہیں۔جس طرح سیل کے گذرنے کے بعد زمین سر سبز و شاداب ہو جاتی ہے۔سچ یہ ہے کہ معن کے مرنے سے سخاوت بھی مرگئی اور اُس کا خاتمہ ہو گیا اور انسانی کمالات اور خوبیوں کی ناک کٹ گئی—

(حسین بن مطہر اسدی)

مرحوم کے احسانات نے مرحوم کو دوبارا زندہ کردیا ہے جب وہ احسان زندہ ہیں تو گویا وہ خود دوبارہ زندہ ہوگیا ہے۔ قبر کی زمین کا طول چار گز ہے اور عرض پانچ بالشت پھر تعجب ہے کہ اس میں ایک بلند پہاڑ کیونکر سما گیا —
(عبداللہ ابن ایوب)

اے میری نادان گھروالی! تو اس اونٹ کے جاتے رہنے پر کیوں غم کرتی اور روتی ہے جس کو بیچ کر میں نے شرب پی لی ہے؟ خدا کرے تیرے آنسو کبھی نہ تھمیں آخر زیدالفوارس اور زیداللات پر کیوں نہیں روتی اور بنی نضر کے دو گزرے ہوے نامور اشخاص کی موت پر کیوں آنسو نہیں بہاتی؟ اُن نامور اور فیاض لوگوں نے مرکر زمانے کو مجھہ پر چھوڑ دیاہے اور میں اب زمانے کے حملوں کا نشانہ بنا ہوا ہوں —

(خراز بن عمرو)

سچی تعریف کا جذبہ

ہشام بن عبدالملک ایک بار حج کے لئے گیا۔اُس نے سنگ اسود کو بوسہ دینے کے لئے بھیڑ کو چیر کر آگے بڑھنا چاہا مگر ممکن نہ ہوا۔اس اثنا میں امام زین العابدین تشریف لاے اُن کے آتے ہی بھیڑ چھٹ گئی اور وہ آسانی سے سنگ اسود تک پہنچ گئے۔ہشام نے جان بوجھکر سرداران شام سے جو اُس کے ساتھہ تھے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے۔اُس وقت فرزدق شاعر موجود تھا۔ اُس نے چند مدحیہ اشعار امام کی شان میں پڑھے اور ہشام کو بتایا کہ وہ کون ہیں۔اشعار کا مضمون حسب ذیل تھا —

یہ وہ ہے جس کے قدموں کے نشان کو بطحا کی زمین پہچانتی ہے۔کعبہ پہچانتا ہے اور حل وحرم بھی پہچانتے ہیں۔یہ اُس شخص کا فرزند ہے جو خدا کے بندوں میں سب سے بہتر اور برتر تھا۔یہ نامور شخص پاک وصاف اور متقی اور پرہیزگار ہے۔جب قریش اُس کو دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ

بزرگی اور شرافت کا خاتمہ اسی شخص کی ذات پر ہے-جب وہ سنگ اسود کو بوسہ دینے کے لئے بڑھا تو قریب تھا کہ وہ اُس کے ہاتھ کو پہچاننے کے سبب اُس کو روک لے اور اُس سے برکت حاصل کرے-قبایل عرب میں سے کون قبیلہ ہے جس کی گردن پر اس شخص کے بزرگوں کے احسانات نہ ہوں-اُس کے ہاتھ میں ایک چھڑی ہے جس کی خوشبو ہر طرف پھیل رہی ہے-کیونکہ وہ ایک ایسے شخص کے پاس ہے جو حسین و جمیل بھی ہے اور بلند مرتبہ بھی-وہ شرم و حیا کے سبب آنکھیں جھکائے رہتا ہے اور لوگ اُس کے رعب سے آنکھیں نیچی رکھتے ہیں-کسی کی مجال اُس سے بات کرنے کی نہیں ہوتی مگر جب کہ حسن اتفاق سے وہ مسکرائے-اُس نے کلمۂ شہادت کے سوا کبھی لا (نہیں) نہیں کہا-اگر کلمۂ شہادت نہ ہوتا تو اُس کا لا (نہیں) نعم ہاں) سے بدل جاتا—

(فرزدق

مختلف مدحیہ اشعار

وہ میدان جنگ میں ایسے اطمینان سے چلتے ہیں جیسے شیر زور کی بارش میں حرارت مزاج کے سبب چلتے ہیں—

جب بنی قیس اور اُن کے ساتھی بنی ذھل دریاے ذخار کی طرح جوش میں آجاتے ہیں تو مثل بڑے دریاؤں کے ہوتے ہیں-جن میں اور بڑے دریا آملیں—

لطیف اخلاق روحیں ہیں اور آل مہلب اُن روحوں کے لئے اجسام ہیں—

تو اُن کی عزت دوسروں کو نہیں دے سکتا جب تک کہ کوہ یسوم کو معہ اُس کی پہاڑیوں کے اُس کی جگہ سے اُٹھا کر دوسری جگہ نہ رکھہ دے (یعنی یہ بات نا مکن ہے)—

وہ اپنے ارادوں کے پورا کرنے میں اور قد کی درازی اور گردنوں کی لمبائی میں تلواروں سے تشبیہ دے جاتے ہیں—

زیاد کے دونوں بیٹے دو سیدھے گندم گوں خطی نیزے تھے۔ زمین اُن کے چلنے سے نیچے کو دبی جاتی تھی۔اے مخالف! تو ایسے ھی لوگوں کے بھروسے پر کسی قوم سے لڑ سکتا یا صلح کر سکتا ھے—

وہ شخص تلوار کے مانند ھے کہ اگر تو اُس کو نرمی سے چھوے تو نرم معلوم ھوتی ھے اور اگر اُس کو سختی سے چھوے تو پھر اُس کی دونوں دھاریں تیز ھیں—

لوگ اُس کے سامنے ایسے خاموش بیٹھتے تھے کہ گویا اُن کے سروں پر پرندے ھیں کہ اگر ذرا سر ھلائیں تو پھر سے اُڑ جائیں (رعب کی تصویر ھے)—

هجویه اشعار

تم ایسے ابر ھو جس میں خوفناک گرج ھے۔جس کے ساتھہ تند ھوا ھے جو سنگ ریزے اُڑاتی اور خیموں کی رسیاں کاٹ دیتی ھے۔مگر وہ برستا کبھی نہیں—

تمہاری اونٹنیاں موٹی ھیں یعنی تم بخیل اور نامرد ھو نہ مہمانوں کے لیے اُن کو ذبح کرتے ھو اور نہ اُن پر سوار ھو کر میدان جنگ کو جاتے ھو—

وہ جب کھانا کھاتے ھیں تو آھستہ بولتے ھیں (تا کہ کوئی مسکین آواز نہ سنے) اور اپنے گھر کے بند دروازے سے عہد لے لیتے ھیں کہ جب تک ھم کھانا کھائیں کسی کے کھولنے سے مت کھلیو—

اگر میں تمہارے دروازے پر شراب لے آتا تو تمہارا کتا مجھے صاحب خانہ خیال کرتا اور نہ بھونکتا (یعنی تم شرابی ھو اور تمہارا کتا اُس کی بو سے مانوس ھے) مگر میں جب تمہارے پاس آیا تو مشک اور عود کی خوشبو میرے کپڑوں میں بسی ھوئی تھی (اسی لئے تمہارا کتا چوکنا ھوا اور اُس نے اِس بو کو اجنبی سمجھا—

وہ گفتگو کی قدرت نہ ھونے کے سبب اپنے تالو کو زبان سے چاٹنے لگتا

اور اُس کے دل کا ابر کبھی نہیں کھلتا (یعنے ہمیشہ شک و تردد کی حالت میں رہتا ہے)—

عاشقانہ جذبات

اے خدا کے بندو! کیا سچ مچ جب تک کہ بھورے ہرن اپنی دمیں ہلاتے رہینگے میں بریدہ سے نہ مل سکوں گا—

جب اُس محبوب کی اوٹنی صبح کو روانہ ہوگئی تو میں نے اپنی اوٹنی کو اُس کے پیچھے ہنکایا حالانکہ اُس کے پاؤں بندھے ہوے تھے (یہ بیخودی کا عالم ہے)

نازنینوں کے شوق سے ہمارے دل اس طرح اہتزاز حاصل کرتے ہیں جیسے خیری کے پھول شبنم سے—

زمانے کی گردش نے اگر مجھے اُم عمرو پر کبھی قدرت دی تو پھر میں زمانے کا قصور معاف نہ کروں گا—

جب ہمارے قافلے کے اونٹ ہمیں شام کی طرف لے جارہے تھے تو یکایک آدھی رات کے وقت تیرا خیال آیا اور میں شام کی طرف ایک قدم نہ چل سکا میں نے تیرے خیال کو لبیک کہا اور حدی خوانوں سے کہا کہ اونٹوں کو حجاز کی طرف واپس چلاؤ-اب شام کی طرف کوچ کرنے کی حاجت نہیں—

تاریک رات کی سردی میں جب کوہ جودی کے پہلوؤں پر بادل سے کچھہ پانی برسا ہو اور شمال کی ہوا نے اس کو یخ کر دیا ہو تو وہ پانی میری محبوبہ کے آب دہن سے اچھا نہیں ہو سکتا-اگرچہ میں نے اس کا مزا نہیں چکھا-مگر جس چیز کو میری آنکھہ دیکھتی ہے میں اُسکو خوب پہچانتا ہوں—

اے نجد کی ہوا! تو کب چلی-تیرے جھوکوں نے مجھہ پر عشق کی تہیں چڑھا دیں-جب چاشت کے وقت درخت اند کی تر و تازہ شاخ پر ایک کبوتری بولی تو اُس کی آواز سن کر میں بچوں کی طرح رونے لگا اور وہ بھید جو

میرے دل میں مدت سے چھپا ہوا تھا یکایک فاش ہو گیا —

تونے مجھے اپنے پاس بلایا اور ایسے نرم و شیریں کلام سے جو وحشی بکریوں کو بھی پہاڑوں کی چوٹیوں سے میدانوں میں اُتار لائے- یعنی وحشیوں کو رام کر لے مجھ پر قبضہ کر لیا- پھر تو مجھ سے دور بھاگ گئی اور تونے میری پسلیوں میں آگ لگا دی —

اے محبوبہ! تو بان کے سبز درخت سے پوچھ جو ریت کے ایک ٹیلے پر کھڑا ہے- کیا میں نے تیری قیام گاہ کے کھنڈروں کو سلام نہیں کیا؟ کیا میں اُن کھنڈروں کے پاس شام کو دیر تک غمگین کھڑا نہیں رہا؟ کیا میری آنکھوں نے وہاں صبح کے وقت اس طرح آنسو نہیں بہائے کہ گویا موتیوں کی ایک لڑی ٹوٹ گئی ہے اور اُس کے موتی لگاتار گر رہے ہیں؟ لوگ موسم بہار کی آرزو کرتے ہیں مگر میرے لئے موسم بہار تیرا وصال ہے- میں دنیا کو دیکھتا ہوں کہ وہ قحط کے نام سے کانپتی ہے مگر میرے لئے قحط تیرا کوچ کر جانا اور جدائی اختیار کرنا ہے —

جس رات میں نے سنا کہ لیلیٰ صبح یا شام روانہ ہو گی تو میرا دل اُس لوے کی طرح جو صیاد کے پھندے میں پھنس گیا ہو اور پھندے سے گردن چھڑانے کے لئے پھڑکتا ہو بے اختیار پھڑکنے لگا —

اے محبوبہ! تو میرے ہر سونے میں آخر شے ہے اور ہر جاگنے میں اول شے ہے —

اگر جنگل کے بھیڑیے میری محبوبہ کے ہم نسب ہوتے تو میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں اُن سے بھی محبت کرتا —

اے لیلیٰ کے کُنبے کے لوگو! خدا تم میں لیلیٰ جیسے بہت سے معشوق پیدا کرے تاکہ تم میری لیلیٰ مجھے دے ڈالو اور اُس کے دینے میں بخل نہ کرو —

میری معشوقہ یا تو پری ہے یا اُس کے ساتھ کوئی جن ہے جو بے چلہ

کمان سے دلوں پر تیر چلانا اُسے سکھاتا ہے۔وہ معشوقہ مقام جواء کی جنگلی گایوں کی طرح سنہری رنگ کی ہے —

اے محبوبہ تونے مجھے ایسے آرام کے وقت گھر سے نکلنے اور اپنی تلاش میں سفر کرنے پر مجبور کیا ہے جب کہ رنگ برنگ کے لوے نہر کے دونوں کناروں پر زمین سے چھاتی لگاے آرام کر رہے ہیں —

اے محبوبہ! جب تو مجھہ سے خفا ہوتی ہے تو میں ایسے اضطراب میں رات گزارتا ہوں کہ گویا بچھو نے کاٹ کھایا ہے —

میں نک چھدے اونٹ کی طرح تیرے عشق کا تابع ہوں کہ جہاں وہ لے جاتا ہے اُس کے ساتھہ جاتا ہوں —

میں تیرے وصل کا ایسا آرزو مند ہوں جیسے کوئی پیاسا کنواں کھودے اور پانی کی جگہ کوئی سخت پتھر کی سل آجاے جس کو نہ وہ توڑ سکے نہ اُس میں شگاف دے سکے —

میں فراق کی رات میں اس طرح بے چین تھا جیسے کوئی سانپ کوڑے سے پیٹا جاے اور اُس کی پشت کے مہرے ٹوٹ گئے ہوں اور وہ تڑپتا ہو مرتا نہ ہو۔یعنی میں زندوں میں تھا نہ مردوں میں —

امرءالقیس کی شاعری کا نمونہ

جب وہ دونوں نازنینیں کھڑی ہوتی تھیں تو اُن سے ایسی خوشبو آتی تھی گویا باد صبا لونگوں کے درختوں سے گزر کر آئی ہے —

آنسو میرے سینے پر اس قدر جاری ہوے کہ میری تلوار کا پرتلا تر ہو گیا —

اے لمبی رات! کیا تیرے ستارے کتان کی مضبوط رسیوں سے سخت پتھر کی چٹان سے باندھہ دیے گئے ہیں؟ (کہ اپنی جگہ سے نہیں ہلتے اور صبح ہونے میں نہیں آتی) —

میں صبح کو ایسے وقت اُٹھتا ھوں کہ پرندے اپنے آشیانوں میں ھوتے
ھیں-پھر گھوڑے پر سوار ھو کر نکل جاتا ھوں-اس گھوڑے کا ڈیل بڑا ھے
اور بدن پر بال کم ھیں-وحشی جانور اُس کے آگے سے بھاگ نہیں سکتے-جب
تم حملہ کرنا چاھو تو وہ بڑا حملہ آور ھے اور جب اُس کو پیچھے ھٹانا چاھو تو
بڑی تیزی سے پیچھے ھٹتا ھے-آگے بڑھنے اور پیچھے ھٹنے کے اوصاف اُس میں
ایک ساتھہ جمع ھیں-تیز رفتاری کا یہ حال ھے کہ گویا پتھر کی ایک چٹان
کو سیلاب نے پہاڑ کی بلندی سے نیچے دھکیل دیا ھے-عرق گیر جو زین کے نیچے
رھتا ھے اُس کی سپاٹ پیٹھہ پر سے پھسل جاتا ھے-با وجود چھریرے پن کے
جب اُس کو ایڑ کا اشارہ کیا جاتا ھے تو وہ بہت گرم ھو جاتا ھے اور چلنے میں
ایسی آواز آتی ھے گویا ھنڈیا جوش کھا رھی ھے-جب اور گھوڑے روندی
ھوئی پتھریلی زمین میں تھک کر قدم رگڑنے اور غبار اُڑانے لگتے ھیں تو
وہ اس حالت میں بھی اس طرح چلتا ھے کہ گویا تازہ دم ھے-اگر کوئی نوسوار
لڑکا اُس کی پشت پر سوار ھو تو اُس کی کمر پر سے پھسل جاتا ھے اور اگر
کوئی شہسوار ھو تو اُس کی تیزی کے سبب وہ اپنے کپڑے سنبھال نہیں سکتا-
کاوے میں اس طرح پھرتا ھے کہ گویا پھرکی ھے جسے کوئی لڑکا بار بار گھما
رھا ھے-کمر کی کوکیں ھرن جیسی ھیں-ٹانگیں شتر مرغ جیسی-دوڑ بھیڑیے
کے سی ھے اور پویہ چال میں وہ لومڑی کے بچے سے مشابہ ھے-اُس کے تمام
اعضا کامل ھیں-سینہ فراخ ھے-دم دراز ھے کہ زمین سے کچھہ ھی اونچی رھتی
ھے اور ایسی گھنی ھے کہ اگر پیچھے کی طرف سے تم اُسے دیکھو تو وہ اُس کی
رانوں کے درمیانی فاصلے کو چھپائے ھوئے ھے-وہ کج دم نہیں ھے-جب وہ
ھمارے مکان کے قریب کھڑا ھوتا ھے تو اُس کی پشت ایسی معلوم ھوتی ھے کہ
گویا دلہن کی خوشبو پیسنے کی سل ھے-یا اندراین کا پھل توڑنے کا پتھر ھے-
آگے آنے والی نیل گایوں کا خون جب کہ اُن کی سرینوں پر نیزہ لگتا ھے-اُس

گھوڑے کے سینے پر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا کنگھی کے سفید بالوں میں مہندی کا رنگ ہے۔نیل گایوں کا ایک گلہ یکایک ہمارے سامنے سے گزرا یہ ایسی خوش نما تھیں کہ جیسے کنواری لڑکیاں ہیں جو لمبی چادریں اوڑھے دوار بت کا طواف کر رہی ہیں۔ہمیں دیکھ کر وہ پیچھے پھریں اُس وقت اُن کی قطار یمن کے سفید و سیاہ مہروں کا ایک ہار معلوم ہوتی تھی۔اس گھوڑے نے اگلی گایوں کی طرف ہمیں اس تیزی سے پہنچا دیا کہ ابھی پچھلی گائیں بکھرنے نہ پائی تھیں۔پھر اُس نے ایک جھپٹ میں ایک گائے اور اُس کے نر کو آگے پیچھے سے دبا لیا اور باوجود اس قدر دوڑ کے اُسے پسینا بالکل نہیں آیا۔ہمارے ساتھ کے شکاری گوشت پکانے میں مشغول ہو گئے۔بعض دھکتے کویلوں پر کباب لگا رہے تھے اور بعض نے ہانڈیاں چولھوں پر چڑھا دی تھیں۔شکار کے بعد جب شام کو ہم گھر واپس آئے تو باوجود اس قدر محنت کے گھوڑے کے حسن و جمال میں فرق نہیں آیا تھا۔اب بھی ہماری نظر اُس کے جسم پر پڑ کر پھسل جاتی تھی —

دوست! ذرا آسمان کی طرف دیکھ۔بجلی کس طرح چمک رہی ہے۔تہ بتہ ابر میں گویا کوئی شخص اپنے دونوں ہاتوں کو حرکت دے رہا ہے۔بجلی گویا راہب کا چراغ ہے جس کی بتی پر تیل خوب جھکا دیا گیا ہے۔ہم ضارج اور عذیب کے درمیان بجلی اور بادل کا تماشا دیکھنے کے لئے بیٹھ گئے۔بجلی کی روشنی میں معلوم ہوتا تھا کہ دائیں طرف بارش کا سلسلہ کوہ قطن تک ہے اور بائیں طرف کوہ ستار اور یذبل تک موضع کتیف میں اس زور کی بارش نے کنہبل جیسے بڑے بڑے درختوں کو گرادیا ہے۔تیماء میں کوئی مکان بے گرائے نہیں چھوڑا بجز اُن مکانوں کے جو پتھروں سے بنائے گئے تھے۔کوہ ثبیر بارش کی دھاروں میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا کوئی بڑا سردار دھاری دار کملی اوڑھے بیٹھا ہے۔کوہ مجیمر اور اُس کی آس پاس کی چوٹیاں پانی کے سیلاب اور

ورڑے کرکٹ میں اس طرح معلوم ہوتی ہیں کہ گویا تکلے کا دمکڑا ہے۔بادل نے پانی کا سارا بوجھہ غبیط کے جنگل میں اُتار پھینکا۔گویا ایک یمنی تاجر ہے۔جس نے کبڑے کے رنگارنگ تھان کھول کر پھیلادیے ہیں (اس سے مراد نباتات اور پھول ہیں) وادی جواء کے مکاکی پرندایسی خوشیاں منارہے ہیں کہ گویا فلفل آمیز شراب اُن کو پلادی گئی۔وادی میں شام کے وقت وہ درندے جو کیچڑ یا پانی میں غرق تھے دور سے ایسے معلوم ہوتے تھے کہ گویا جنگلی پیاز کی جڑیں ہیں—

عمرو بن کلثوم کی شاعری کا نمونہ

وہ ایسے چہرہ سے ہنستی ہے کہ گویا آفتاب نے اُس پر اپنی روشنی کی چادر ڈال دی ہے—

جب تلواریں علم کی جاتی ہیں تو ہم ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ گویا سب لوگ ہمارے بچے ہیں۔ہماری قوم کے لوگ دشمنوں کے سروں کو کاٹ کر اس طرح لڑھکاتے ہیں جیسے لڑکے گیندوں کو لڑھکاتے ہیں۔ہم ہی ایسے ہیں کہ جس بات کو چاہیں روک دیں اور جہاں چاہیں اُتر پڑیں۔ہم اپنے فرمان برداروں کی حفاظت کرتے ہیں اور نافرمانوں پر چڑھ دوڑتے ہیں۔جب ہم کسی چشمہ پر اُترتے ہیں تو بس ہم ہی صاف پانی پیتے ہیں۔ہمارے سوا اور لوگ گدلا پانی پیتے ہیں۔ہم نے روے زمین کی خشکی کو اپنی قوم سے بھردیا ہے اور سمندر ہماری کشتیوں سے پٹ گیا ہے۔جب ہمارے کسی بچے کا دودھ چھڑایا جاتا ہے تو دنیا کے زبردست لوگ اُس کے سامنے ادب سے زمیں پر جھک جاتے ہیں—

ابر کی تعریف

ابر کے ٹکڑے رات کے ابتدائی حصے میں مستانہ چال چل رہے تھے۔بادلوں کی قطاریں جنگلوں میں اس طرح گرجتی تھیں جیسے اونٹنیاں ایک دوسرے کو دیکھکر چلاتی ہوں۔بادلوں کے بلند کنارے ایسے معلوم ہوتے تھے کہ گویا وہ کوہ لبنان کی چوٹیاں ہیں۔بارش کا زور اُن ہواؤں کا مقابلہ کرتا تھا۔جو

حضر موت کی طرف سے چلتی تھیں-اس بارش نے بلند مقامات کے درخت عرفج کو اور نمکیں گھاسوں کی جڑوں اور ریشوں کو یکساں طور سے تر و تازہ کردیا ابر کے بوجھل ٹکڑے اس طرح آھستہ چلتے تھے جیسے رسی بندھے کمزور اونٹ نرم زمین پر چلتے ھوں—

ارقم سانپ کی تصویر

تم اُس کو سوکھی گھاس اور سوکھی لکڑیوں میں جو ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ھوگئی ھوں، چلتا ھوا دیکھوگے اُس کی کینچلی چھل گئی ھے-اُس کی کمر پر یمن کی ایک پرانی منقش چادر پڑی ھوئی ھے-اُس کی کُھلی کھال اورگردن کی دونوں طرفوں میں خوبصورت نقش اور مختلف رنگ ھیں-اُس کے گلے میں نیچے کی طرف شکن دار اور لٹکی ھوئی کھال ایسی معلوم ھوتی ھے کہ گویا اُس کے گلے میںدھرا گُندھا ھوا تسمہ پڑا ھوا ھے (سانپ جس قدر زھریلا ھوگا اُس کے گلے کی نیچے کی کھال اُسی قدر شکن دار اور لٹکی ھوئی ھوگی) جب گرمی کے موسم میں سانپوں کے کینچلی ڈالنے کا وقت آتا ھے تو وہ ھمیشہ اپنی قدیم کھال کا استر پہنے رھتا ھے جس کا پوست اُتارا نہیں گیا (یعنی وہ شدت مزاج کے سبب کینچلی نہیں چھوڑتا)—

عورتوں کی مذمت

وہ حسن و ملاحت سے اس قدر دور ھے جس قدر زمین چاند سورج سے—

اُس کی ناک بجاے طول کے عرض میں بڑی ھے اور اُس کی آنکھیں بجاے عرض کے طول میں بڑی ھیں-اُس کی دونوں باچھوں کی ملنے کی جگہ گدی کا گڑھا ھے —

اُس بد سرشت عورت سے ملاقات کرنا ایسا ھے کہ گویا سانپ کفتار اور مگر مچھہ نے ایک ساتھہ نکل کر مجھے گھیر لیا ھے-اُس کی باتیں ایسی تکلیف دہ ھیں جیسے دانت کا اکھاڑنا یا موچھہ کا بال نوچنا-اُس کے غمزے ایسے ھیں

جیسے کوئی ناک پر گھونسا مارے-وہ زرد اور میلے دانتوں سے ھنستی ھے اور ایسی لمبی اور موتی کُچلیوں سے کہ گویا وہ قبیلہ طے کی دو پہاڑیاں ھیں-یا مصر کے مینار ھیں—

اگر تو اُس کی پست آواز سنے تو ایسا معلوم ھوتا ھے کہ گویا کسی پرندے کے بچے کی آواز ھے جس کو گھونسلے میں چکا دیا جا رھا ھے- اگر تو اُس کے سر کو بغور دیکھے تو وہ گوپھن کا ایک پتھر ھے- اُس کی ھجو سے میرا مقصد یہ ھے کہ دنیا ایک عجیب الخلقت انسان کو دیکھے—

اے ریچھ کی ھمشکل عورت! تجھے کیا ھوگیا کہ تو بجاے طول کے عرض میں بڑھتی چلی جاتی ھے؟ کیا خدا نے تیری درازی قد کو عرض میں صرف کردیا-ھے اگر تیرے پیٹ پر سے کوئی انڈا پھسلا یا جائے تو وہ ٹوٹ نہیں سکتا (کوتاہ قد ھونے اور جسم کے ھر حصے کے عریض ھونے کی طرف اشارہ ھے)—

تیرے جسم کا اگلا حصہ موٹا اور پچھلا حصہ پتلا ھے-کاش اِس کے برخلاف ھوتا-

وہ عورت مرد صورت ھے-اُس کا سخت جسم سونٹے جیسا اور اُس کا قد کوتاہ ھے-وہ چوری میں اُس جنگلی کوے کو مات کرتی ھے جس کا رنگ چتکبرا ھو-اُس مونھہ سنگار کرنے کے وقت بندر کاسا اور اس کا رنگ لوے کے انڈوں کی طرح چتلا ھے-اُس کا بدن خون نہ رھنے اور گوشت نہ ھونے کے سبب زرد آلو جیسا ھے-اُس کی پنڈلیاں سوکھی اور کم گوشت ھیں جیسے ٹڈی کی پنڈلیاں-اس کے چھرے پر مسے کیا ھیں گویا کسی نے کشمش کے دانے بکھیردئے ھیں-اس کے سر پر ایسے چھوٹے چھوٹے بال ھیں جیسے ھوا میں بازی کرنے والے کبوتر کے پر—

مختلف اشعار

اے ضرار کے فرزندو! تم اُن ھرن جیسی خوبصورت اور گنگنانے والی نازنینوں کو پسند کرتے ھو جن کے ھاتھوں میں چمکتے کنگن ھیں اور جوابن

معرز گویئے کے مکان میں نظر آتی ھیں یا ان مکانوں کو پسند کرتے ھو
جن کی چھتیں نیزوں اور تلواروں کے ستونوں پر کھڑي ھیں ؟ ا(یعنی
عیش پرست بننا چاھتے ھر یا جنگجو بہادر ھونا چاھتے ھو)—

میں ھر قوم کے لوگوں کو دیکھتا ھوں کہ اُنہوں نے اپنے اونٹوں
کي رسی چھوٹی کر رکھی ھے حالانکه ھم نے اپنے اونٹوں کے پاؤں سے رسی
نکال دی ھے کہ وہ جہاں چاھیں چریں اُنھیں کوئی روک نہیں سکتا —

اگر سلمی پہاڑ پر ھماری مصیبت نازل ھوتی تو اُس کے ٹکڑے
اُڑ جاتے مگر ھماری قوم بنی عامر اس کو صبر کے ساتھه برداشت
کر رھی ھے—

سفیدي اور سیاھی میں اس کی آنکھیں پنیر اور خرما سے بنی ھوئی ھیں
اور اس کا باقی بدن گویا ثرید ھے (یعنی معشوقه سراپا غذا ھے)

بعض نازک اندم عورتیں ھیں جن کی آنکھیں اس حلوے کے مانند
ھیں جس میں گوشت پڑا ھو یعنی سرخ وسیاہ ھیں اور ان کے دانت
سفیدی میں ستو سے مشابه ھیں —

میں رات کو ایسے وقت چلتا ھوں کہ ستارے دھکتے ھوے انگاروں
کے مانند نمایاں ھوتے ھیں میرے گھوڑے کی پیشانی اور ایال کے بال
اس کی کود پھاند کے سبب کبھی اِدھر ھوتے ھیں کبھی اُدھر- وہ نشاط
میں ایسا معلوم ھوتا ھے کہ گویا کوئی شہباز اپنے پروں سے بارش کے قطرے
جھاڑرھا ھے —

رات کو ایسی سردي تھی که کتا ایک دفعه سے زیادہ نه بھونکتا تھا
اور اگر دوسری دفعه بھونکنا چاھتا تو اُسے اپنی ناک پر اپنی دم کو لپیٹنا
پڑتا تھا—

زمانه جو مصیبتوں کے تیر ھم پر چلاتا ھے تو گویا وہ ایک

ایسے بلند اور سیاہ پہاڑ پر تیر مارتا ھے جس کی بلندی ابر کو چیر کر نکل گئی ھے (یعنی وہ ھمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا)—

هند کا حال سننے کے بعد جو شخص عورتوں سے کسی بات میں دھوکا کھائے تو جان لو کہ وہ بڑا ھی جاھل اور فریب زدہ ھے۔عورتوں کی آنکھیں اور اُن کی باتیں شیریں ھوتی ھیں۔مگر جو باتیں ان کے دلوں میں چھپی ھیں وہ سخت کڑوی ھیں۔کوئی عورت کیوں نہ ھو اور ظاھر میں وہ محبت کی علامتیں کیسی ھی کیوں نہ ظاھر کرے تم یقین کر لینا کہ اُس کی محبت پائدار نہیں ھو سکتی—

جب خبر دینے والوں نے کلیب کے مرنے کی خبر دی تو میں نے کہا کہ زمین ھل گئی ھے اور پہاڑوں نے اپنی جگہ چھوڑ دی ھے۔کاش آسمان اُن لوگوں پر گر پڑے جو اُس کے نیچے آباد ھیں اور کاش یہ زمین پھٹ جاے اور اھل زمیں کے ٹکڑے اُڑ جائیں—

اس بات کے ثابت کرنے کے لئے کہ "عرب کی شاعری عرب کا دفتر ھے" مذکورۂ بالا نمونے کافی نہیں ھیں۔تاھم اس مقولے میں جو بات ظاھر کی گئی ھے اُس کی جھلکیاں جا بجا ان نمونوں میں بھی موجود ھیں۔جو شخص عرب کی تمام شاعری کا مطالعہ کرے وہ اُن نتایج پر ضرور پہنچیگا جو ذیل میں بیان کئے جاتے ھیں—

جغرافی اشارے

عرب کی شاعری میں قدم قدم پر بہت سے مقامات کے نام آتے ھیں۔مثلاً

یثرب—دمشق—بصرہ—قنسرین—مکہ—بعلبک—اندرین (شام)

نجد—یمامہ—صنعا—طایف—حضر موت وغیرہ—

سینکڑوں دیہات اور چھوٹی چھوٹی بستیاں ھیں جن کے نام شعرائے عرب کے کلام میں نظر آتے ھیں مثلاً

حزن — لوی — دکادک — حومل — توضح — جدیس — عسجل — مصامہ سلسلین — مقراۃ وغیرہ —

بہت سے پہاڑوں کے نام بھی اُن کے اشعاروں میں آتے ہیں مثلاً

اجاء — سلمی — کویکب — اہیم — ستار — حایل — مجیمر — یذبل — ثبیر — قطن — ثرم وغیرہ

عرب میں دریا نہیں ہیں مگر برساتی نالے اور چشمے بہت سے ہیں اُن کے نام بھی عرب کی شاعری میں جگہ جگہ آتے ہیں مثلاً

سحبل — صفوان — بہیما — دارۂ جلجل وغیرہ

بہت سی وادیوں اور جنگلوں کے نام بھی ہیں جو عربی اشعار میں ملتے ہیں مثلاً

غبیط کا جنگل — غمیر کا جنگل — وادی جواء — وادی بطحا وغیرہ

بہت سے رمنوں اور چراگاہوں کے نام بھی لئے گئے ہیں مثلاً

وقبی — مرج راہط — خضرا وغیرہ

بہت سے مقامات ایسے ہیں جن کی خاص شہرت تھی اور کوئی نہ کوئی بات اُن کی طرف منسوب ہوتی تھی مثلاً

تبالہ یمن کا ایک زرخیز شہر ہے - اُس کی زر خیزی و شادابی مشہور تھی —

ظبی ایک گاؤں کا نام تھا جہاں خاص قسم کے کیڑے سفید رنگ اور لال سر کے نہایت نرم و نازک ہوتے تھے - ان کیڑوں کو اسروع کہتے تھے —

اندرین ملک شام کا ایک قصبہ تھا جہاں کی شراب شہرت رکھتی تھی —

عرب کے خاص خاص جنگل تھے جہاں شیر رہتے تھے اُن کے نام حسب ذیل ہیں —

خفیہ — شری - خفات — عفرین

خیبر کا قلعہ مشہور تھا عرب کی شاعری میں اُس کا ذکر اس سبب سے بھی آیا ہے کہ وھاں ایک قسم کا مہلک بخار پھیلا کرتا تھا —

عکاظ ایک مقام کا نام ہے جو نخلہ اور طائف کے درمیان تھا۔یکم ذیقعدہ سے بیس دن تک یہاں ایک بازار لگتا تھا عرب کے شعرا ہر سال یہاں آتے اور فخر کا اظہار کرتے تھے —

ضریہ بصرہ کے قریب ایک گاؤں تھا جہاں شکاری پرندے کثرت سے تھے —

جواء ایک موضع ہے جہاں کی وادی میں زرد رنگ کی جنگلی گائیں چرا کرتی تھیں اور وہاں چکاکی نام ایک پرندہ بھی کثرت پایا جاتا تھا —

خط یمامہ کا ایک مشہور مقام تھا جہاں عمدہ نیزے فروخت ہوتے تھے اور وہ خطی نیزے کہلاتے تھے —

بصریٰ ملک شام کا ایک شہر تھا جہاں تلوار خالص فولاد کی بنتی تھی اور چوڑی ہوتی تھی —

ھجر یمن کا ایک شہر ہے جہاں کا خرما مشہور تھا —

وجرہ ایک گاؤں کا نام تھا جس کا جنگل وحشی نیل گایوں سے بھرا ہوا تھا۔یہاں کے سفید ہرن بھی مشہور تھے —

وادی عید یا وادی حمار یمن کی ایک وادی ہے یہ پہلے نہایت سرسبز تھی مگر ایک بار بجلی نے اُس کو جلا کر خاک کر دیا اُس وقت سے ہر ویران مقام کو وادی حمار سے تشبیہ دینے لگے —

عدولی بحرین کا ایک قریہ تھا جہاں کشتیاں بنائی جاتی تھیں —

توضح ایک گاؤں تھا یہاں کی نیل گائیں بھی مشہور تھیں —

دومۃالجندل کا مکھن مشہور تھا —

ان کے علاوہ یمن کی ریشمی چادریں اور دو دھاری تلواریں اور شام کا کاغذ اور اعلیٰ ریشمی کپڑے شہرت رکھتے تھے۔مشرقی تلواریں بھی

شام سے آتی تھیں—

ریگستانوں اور سرابوں کا ذکر عرب کی شاعری میں بار بار آتا ھے۔ موسموں کے ذکر میں سخت گرمی اور تمتماتی دھوپ، کبھی کبھی بارش، راتوں کا سرد ھونا اور موسم سرما میں قحط کے آثار نمایاں ھونا عرب کے اشعار سے بار بار معلوم ھوتا ھے۔ شمال کی ھوا کو شمال، جنوب کی ھوا کو جنوب کہتے تھے۔ مشرق کی ھوا صبا اور مغرب کی ھوا دبور کہلاتی تھی۔ نکباء ایک ھوا چلتی تھی جس سے قحط کی علامت محسوس ھوتی تھی۔ بیابانوں کے سفر میں غریب ستاروں کو دیکھکر چلتے تھے۔ بنات النعش شام کی طرف کے ستارے اور سہیل یمن کی طرف کا ستارہ کہلا تا تھا۔ فرقدین اور کہکشاں کا ذکر بھی بار بار آیا ھے۔ قمری منزلوں سے بارش کے ھونے نہ ھونے کا حساب لگایا کرتے تھے۔ گرمی کا بیان کرتے تھے تو کہتے تھے کہ جب ثریا صبح کو طلوع کرتا ھے اور جب جوزا آسمان پر نمایاں ھوتا ھے۔ سفری ستارے کا طلوع سخت گرمی کی علامت خیال کیا جاتا تھا۔ شامی ھوا کا چلنا جو ٹھنڈی ھوتی تھی قحط کی نشانی تھی۔ مردوں کو دعا دیتے تھے کہ خدا کرے تیری قبر کو ابر قبلہ تر کرے۔ یہ اس لئے کہ عرب میں بھی قبلہ سے جو بادل اُٹھتا ھے وہ بہت برسنے والا سمجھا جاتا تھا۔ بعد مغرب ثریا کا طلوع کرنا بھی سردی کی علامت تھی اور سردی قحط کی—

حیوانات میں عرب کے اونٹ اور گھوڑے خاصکر مشہور ھیں۔ اُن کی سینکڑوں نسلیں تھیں۔ ان دونوں جانوروں کا ذکر عرب کی شاعری میں کثرت سے آیا ھے۔ ان کے علاوہ جن جانوروں کے نام لئے گئے ھیں وہ حسب ذیل ھیں—

کتا جس سے پہرے اور شکار کا کام لیا جاتا تھا۔ کبوتر۔ فاختہ۔ قمری۔ اِن کا ذکر عاشقانہ شاعری میں بہت آتا ھے۔ شیر۔ بھیڑیا۔ گور خر۔ لومڑی۔ نیل گاے۔ شتر مرغ۔ بکری۔ چیتا۔ گرگٹ۔ کفتار۔ عقاب۔ باز۔ اُلو۔ گد۔ شکرا۔ لوا۔ ھد ھد۔ شہد

کی مکھی - ٹڈی - چمگادڑ - مینڈک - مچھلی - چیونٹیاں - چوہا - بلی وغیرہ ایک چھوٹے سے جانور کا ذکر بھی آتا ہے جس کو جد جد کہتے تھے اور جو چمڑا کاٹکر کھاتا تھا —

نباتات میں سب سے زیادہ کھجور کا ذکر آتا ہے - اِس کے علاوہ جن جنگلی درختوں کا نام لیا گیا ہے وہ حسب ذیل ہیں —

ببول - جھاو - پیلو - تھوءر - جانڈ - آکھی - ارنڈ - کُھمبی - اندراین وغیرہ کنہبل - بشام - طلح - سیال - عرفج - اسحل خاص عرب کے درخت ہیں - شیزی ایک آبنوس جیسے درخت کی لکڑی تھی جس کے بڑے بڑے پیالے بنائے جاتے تھے - مرار ایک نہایت کڑوی گھاس کا نام تھا - نبعہ ایک درخت تھا جس کی لکڑی کمانوں کے لئے موزوں تھی - حرم بھی ایک ایسے ہی درخت کا نام تھا - درخت تنوم پر سانپ لپٹے رہتے تھے - پھولوں میں گلاب - سنبل - عرار - خیری - بابونہ - چمبیلی اور بنفشہ کا ذکر اکثر آیا ہے - اندا اور بان دو نازک درخت ہیں جن کا نام عاشقانہ شاعری میں بار بار لیا جاتا ہے - ورس ایک گھاس کا نام ہے جو رنگنے کے کام میں آتی تھی - مہندی کا بھی نام لیا گیا ہے - کالی مرچیں شراب میں ڈالی جاتی تھیں تاکہ نشہ تیز ہو - میووں میں انگور اور انار وغیرہ کا ذکر آیا ہے —

تاریخی حوالے

ایام جاہلیت میں مختلف قبایل جو عرب میں آباد تھے اُن میں ذرا ذرا سی بات پر لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں اور بعض لڑائیاں طول پکڑ جاتی تھیں شاعری نے ان قبایل کے نام کو اب تک زندہ رکھا ہے - جا بجا اُن قبایل کے نام عربی اشعار میں لئے گئے ہیں مثلاً

آل مازن - آل زبیان - آل رباب - آل ضرار - آل مطرف - آل حیہ - بنی مطر - بنی اسد - بنی کلب - بنی نمیر - بنی طریف - بنی زھیر - بنی ثعلب - بنی شیبان وغیرہ

اهم معرکے جو پیش آے هیں اُن کے نام عرب نے رکھہ لئے هیں-یہ نام بھی جا بجا مذکور هیں مثلاً

یوم هریر-یوم کلاب-یوم بردان-یوم خزاز-یوم بهیما وغیرہ

گھوڑے ان لڑائیوں میں خوب کام دیتے تھے-عربوں کو گھوڑوں سے خاص محبت تھی اور وہ اُن کو اپنی اولاد کے برابر عزیز رکھتے تھے-وہ اعلیٰ اور شریف نسل کے گھوڑوں اور گھوڑیوں کے نام رکھتے تھے-یہ نام بھی عرب کی شاعری میں مذکور هیں-مثلاً

گھوڑوں کے نام:- شهر-ورد-صهوت-جون-عرقوب-عصا-ادهم-سبط-اغبر اغر-خطار وغیرہ

گھوڑیوں کے نام:- سکاب-دهماء-شوله-شقراء-خصاف-غبراء-نعامه حنفاء وغیرہ

تلواروں اور زرهوں پر بھی عرب فخر کرتے تھے اور اُن کے بھی خاص خاص نام تھے مثلاً

تلواروں کے نام:- معلوب-اصرم-ذوالحیات وغیرہ

زرهوں کے نام:- ذات الحواشي-ذات السلاسل وغیرہ

عربوں کی رزم آرائیاں-غارتگریاں-فتح و شکست-صلح و معاهدے عهد شکنیاں-خونبها اور انتقام وغیرہ سب کچھہ ان کے اشعار سے معلوم هو سکتا هے-ابن اثیر اور طبری وغیرہ مورخوں نے عرب کی شاعری هی سے مدد لیکر اس زمانے کی تاریخ مرتب کی هے-یہ شاعری هی کی برکت هے کہ آج تک اس زمانے کے واقعات زندہ هیں—

اخلاق و تمدن

عرب کے اخلاق اور معاشرت و تمدن کا حال معلوم کرنا چاهو تو اُن کی شاعری کا مطالعہ کرو-وہ اس سارے دفتر کو تمهاری آنکھوں کے سامنے

کھولکر رکھہ دیگی —

عرب جس طرح جنگجو اور بہادر ھیں اُسی طرح عاشق مزاج بھی ھیں- اُن کی عشق کی داستانیں بھی اُن کے اشعار میں قلمبند ھیں- جن جن حسین عورتوں کے ساتھہ عربوں نے عشق کیا ھے اُن کے نام اُنھوں نے بے تکلف اپنے اشعار میں درج کر دئے ھیں- مثلاً

لمیس- عبلہ- اُمامہ- طریفہ- عنیزہ- زینب- اُم رباب- نوار- سحابہ- لیلیٰ سلمیٰ- ذلفاء- ریا- خولہ- سعاد- تماضر- اُم عامر- سمیہ- ردینہ- اُم حسان وغیرہ —

اگر عاشق ایک قبیلے کا اور معشوقہ دوسرے قبیلے کی ھوتی اور دونوں قبیلوں میں رسم و راہ نہ ھوتی تو عاشق و معشوق چھپ چھپ کر راتوں کو ملتے تھے اور عاشق اپنی معشوقاؤں کو بھگا لے جانے کی کوشش کرتے تھے اور اگر ضرورت ھوتی تو اس مطلب کے لئے لڑنے اور خون بہانے سے بھی دریغ نہ کرتے تھے- خانہ بدوش قبایل جہاں کہیں پانی کے چشمے دیکھتے چند روز کے لئے تھیر جاتے تھے- پھر گھاس اور پانی نہ ھونے کی صورت میں نقل مکانی کرتے تھے- ایسے ھی موقعوں پر نوجوان مردوں اور نوجوان عورتوں کی آنکھیں لڑ جایا کرتی تھیں- نقل مکانی کے بعد جب کوئی عاشق ایسے مقام پر پہنچتا تھا جہاں پہلے اُس کی معشوقہ تھیری تھی تو وہ اُس کے قیام کے نشانوں کو دیکھکر خطاب کرتا تھا اور اُس کے فراق میں دردناک اشعار کہتا تھا اور شعراے عرب کے قصاید کی تمہید اسی خطاب اور نوحہ سے ھوئی ھے —

رھزنی اور غارتگری عربوں کی فطرت میں داخل تھی اس کو عیب نہیں سمجھتے تھے بلکہ فخر کرتے تھے- اِسی پر اُن کی معاش کا مدار تھا- موقع پا کر ایک قبیلہ کے آدمی دوسرے قبیلے پر چڑہ دوڑتے تھے اور ان کے مویشی لوٹ لاتے تھے- لوٹ کے لئے دھاوا اکثر صبح کے وقت ھوتا تھا جب کہ لوگ غافل

سوے ھوے ھوں-غارتگری کے دھاووں میں تیز رفتار اونٹوں اور اونٹنیوں سے کام لیتے تھے-اونٹوں کی خاص خاص نسلیں مشہور تھیں-ایک نسل کو مہاری کہتے تھے یہ نسل مہرہ بن حیداں کی طرف منسوب تھی جو یمن کا باشندہ تھا- شریف نسل کے اونٹوں کے ذرا ذرا سے کان کاٹ دیتے تھے اُن کو مزنم کہتے تھے-اونٹنیاں جن کی آنکھیں سیاہ اور بال سرخ ھوں نہایت قیمتی خیال کی جاتی تھیں—

گھوڑے دوڑانے اور ایک دوسرے سے بازی لے جانے کا شوق بھی عربوں کو تھا-گھڑ دوڑ کے گھوڑے خاص اھتمام سے پالے جاتے تھے-شریف اور نسل دار گھوڑوں پر نشان لگاے جاتے تھے تاکہ وہ دور سے پہچانے جائیں-گھڑ دوڑ کی ھار جیت میں منجملہ دس گھوڑوں کے سات گھوڑوں کو حصہ دیا جاتا تھا- تین گھوڑے محروم رھتے تھے-دوڑ میں جو گھوڑا سب سے اول آتا تھا اُس کو مجلی، دوسرے کو مصلی، تیسرے کو مسلی، چوتھے کو تالی، پانچویں کو مرتاح، چھٹے کو عاطف اور ساتویں کو مومل کہتے تھے-باقی تین محروم گھوڑے خظی، لطیم اور سکیت کہلاتے تھے—

جوا طرح طرح سے کھیلا جاتا تھا-جوے کا مشہور طریقہ تیروں سے کھیلنے کا تھا-اونٹ کے دس حصے کئے جاتے تھے اور جو تیر آتے اُن کا حصۂ معینہ اونٹ کے گوشت میں سے دیا جاتا-جوے کے تیروں کے نام حسب ذیل تھے-فذ-توأم-رقیب-حلس-نافس-مسبل-معلق-ان سات تیروں میں سے پہلے تیر کا ایک حصہ تھا- دوسرے کے دو-تیسرے کے تین-اس حساب سے رقیب کے تین اور معلی کے سات حصے ھوتے ھیں-اگر کوئی شخص رقیب اور معلی نام کے تیر جیت لیتا تھا تو اونٹ کے دسوں حصے اُسی کو ملتے تھے-تین تیر اور تھے جن کے نام یہ تھے-سفیح-منیح-وغد-ان تیروں کا کوئی حصہ نہ تھا-اگر قحط کا زمانہ ھوتا تو جوا کھیلنے میں زیادہ فخر تھا-اس زمانے میں اگر کوئی مہمان آجاتا تو باھم جوا کھیلتے

تھے-جو شخص جیت جاتا وہ جیت کی آمدنی سے مہمان نوازی کرتا تھا—

شراب پینے کا رواج بھی عربوں میں تھا-مختلف قسم کی شرابوں کے مختلف نام تھے-شراب کی اعلی قسمیں اکثر ملک شام سے آتی تھیں-اس کو عام طور پر مشکیزوں میں رکھتے تھے-اکثر صبح یا شام کے وقت پی جاتی تھی-صبح کی شراب کو صبوح اور شام کی شراب کو غبوق کہتے تھے-صبح کے وقت اکثر چار جام پئے جاتے تھے-شراب نوشی کو بھی عیب نہیں جانتے تھے-بلکہ اس پر فخر کرتے تھے-مے فروش کی دوکان پر ایک جھنڈی لہرایا کرتی تھی-جس کو دیکھکر شراب پینے والے لوگ وہاں جمع ہوجاتے تھے-سردی میں اکثر شراب میں گرم پانی ملا کر پیتے تھے-نشہ تیز کرنے کے لئے کالی مرچیں ملادیتے تھے-جو لوگ خود کشی کرنا چاہتے تھے وہ خالص شراب پیتے تھے-چنانچہ زہیر-عمرو بن کلثوم جو نامور شاعر تھے اور ابو عامر ملا عب الاسنہ نے اسی طرح خود کشی کی تھی-جب دشمن سے انتقام لینے کی قسم کھاتے تھے تو قمار بازی کی طرح شراب نوشی کو بھی اپنے اوپر حرام کرلیتے تھے-انتقام لینے کے بعد البتہ جی کھول کر جوا کھیلتے اور شراب پیتے تھے—

مہمان نوازی تو گویا عربوں کے خمیر میں تھی-اگر اتفاقاً کوئی شخص مہمان نواز نہ ہوتا تو اس کو نہایت نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے-رات کے وقت میدانوں میں یا ٹیلوں پر آگ روشن کی جاتی تھی-تاکہ بھولا بھٹکا مسافر وہاں آکر پناہ لے-مہمانوں کے لئے اونٹ ذبح کئے جاتے تھے-شیزی کے بڑے بڑے بادیوں میں لوہے کے بڑے بڑے چمچوں سے گوشت نکالا جاتا تھا اور مہمانوں کے آگے رکھا جاتا تھا-اعلی درجہ کی مہمان نوازی یہ تھی کہ ایسی اونٹنیاں مہمانوں کے لئے ذبح کی جائیں جو ہمیشہ مادہ بچے جنتی ہوں-کیونکہ ایسی اونٹنیاں قیمتی ہوتی تھیں-گوشت کھانے کے وقت علی العموم چھریوں سے کاٹا جاتا تھا-مہمان نوازوں کی دیگوں کا سیاہ رہنا تعریف کی بات تھی-کیونکہ یہ ہمیشہ

کھانا پکنے کی علامت تھی۔ شاعر جو اپنی مہمان نوازی کی تعریف کرتے ہیں، اپنی قیام گاہ پر آگ جلانے، دیگوں کے سیاہ ہونے، اُن میں گوشت کے جوش کھانے، آگ کے شعلے اور دھوئیں کے بلند ہونے، دیگوں میں پیالے یا چمچے ڈال کر شوربا اور گوشت نکالنے اور اُس وقت کنیزوں کی پھرتی اور سرگرمی کی تعریف مزے لے لے کر کرتے ہیں۔ ہجو کے موقع پر کہتے تھے کہ فلاں شخص کی اونٹنیاں موٹی تازی ہیں، یعنی وہ مہمانوں کی خاطر ان کو ذبح نہیں کرتا۔ عورتیں البتہ اپنے شوہروں کو حد سے زیادہ مہمان نوازی پر ملامت کیا کرتی تھیں۔ مگر اس کی پروا نہیں کی جاتی تھی۔ مہمان نوازی کے علاوہ قیدیوں کو چھڑانا، تاوان و دیت ادا کرنا سایلوں کو دینا اور یتیموں کی پرورش کرنا بھی عربوں کے نزدیک نیکی اور بھلائی کے کاموں میں داخل تھا۔

عورتوں کا درجہ عربوں کے نزدیک نہایت ادنیٰ تھا۔ وہ گھروں میں باندیوں سے زیادہ وقعت نہ رکھتی تھیں۔ ان کی بات کی مطلق پروا نہیں کی جاتی تھی۔ وہ لوٹ کے مال کی طرح لوگوں کے ہاتھ آسکتی اور غیروں کے ہاں باندیاں بنائی جاسکتی تھیں۔ عربوں کا قول تھا کہ عورتوں کی موت ان کی زندگی سے بہتر ہے۔ چنانچہ اس خیال کو بار بار عرب شعرا نے بیان کیا ہے۔ لڑکیاں ذرا بالغ ہوتیں تو اکثر زندہ دفن کردی جاتی تھیں۔ اس رسم کو اسلام نے آکر فنا کیا اور عورتوں کے درجے کو بلند کیا۔ اُس زمانے کی عورتیں طرح طرح کے توہمات میں مبتلا تھیں۔ اس کا ذکر آگے آتا ہے۔ آسودہ حال عورتیں ریشم کا سفید یا زرتار لباس پہنتی تھیں۔ وہ اکثر آرام طلب ہوتی تھیں اور چاشت کے وقت تک سوتی رہتی تھیں۔ وہ رات کے وقت جامۂ خواب پر پٹکا نہیں باندھتی تھیں۔ یہ عادت خادمہ عورتوں کی تھی۔ کرتی اور انگیا کا بھی رواج تھا۔ مگر کرتی جوان عورتیں پہنتی تھیں اور انگیا وہ لڑکیاں جو قریب بلوغ ہوں۔ بدن کے حصوں کو سوئی سے گودنے اور اُن میں سرمہ یا نیل بھرنے کا بھی

رواج تھا۔دولت مند اور آسودہ حال گھرانوں کی عورتیں جو ریشم کی چادریں استعمال کرتی تھیں ان پر کجاوہ کی تصویر اور دوسری قسم کی تصویریں اور گل بوٹے بنے ہوتے تھے۔زیوروں میں خلخال بازو بند کنگن اور ہار کا رواج تھا۔اکثر عورتیں سرمہ سے دانتوں اور مسوڑھوں کو سیاہ کرتی تھیں۔اور یہ بات اُن کے نزدیک زیبائش و آرایش میں داخل تھی۔عرب کوتاہ قد اور دبلی پتلی عورتوں کو پسند نہ کرتے تھے۔ان کے نزدیک عورتوں کا موٹا تازہ ہونا اور دراز قد ہونا ممدوح تھا —

مردوں کی پوشاک عام طور سے تہبند اور کرتہ اور دھاری دار چادر تھی۔ لڑائی کے وقت چرمی کرتہ پہنتے تھے اور اُس پر زرہ پہنا کرتے تھے زرہ اکثر ایران سے آتی تھی باریک بنی ہوئی اور چھوٹے حلقوں والی زرہ کو پسند کرتے تھے اور اس کو داؤدی زرہ کہتے تھے۔ سغد ایک زرہ ساز کا نام تھا۔ اس کی بنائی ہوئی زرھیں مشہور تھیں۔ سر پر خود لگاتے تھے۔ تلواروں اور برچھوں سے لڑتے تھے یمنی اور ھندی تلواریں اور ردینی نیزے مشہور تھے، ردین ایک نیزہ ساز کا نام تھا۔ دور کی لڑائی میں تیروں کا استعمال کرتے تھے۔ اگر تیر نہ رھتے تو کمانوں کولا ٹھیاں بنا کر لڑتے تھے۔ لڑائی کے بردے فروخت کردئے جاتے تھے۔ یا ان کے ناک کان کاٹ لئے جاتے تھے۔ عورتیں باندیاں بنالی جاتی تھیں۔ اِن باندیوں سے گھر کا تمام کام کاج لیا جاتا تھا۔ وہ جنگل سے لکڑیاں چن کر لاتی تھیں پانی بھرتی تھیں مہمانوں کی خدمت کرنابھی ان کے فریض میں داخل تھا۔ان کا لباس بمقابلہ گھر کی عورتوں کے ادنیٰ درجہ کا تھا۔ باندیوں کو ناچنا گانا بھی سکھایا جاتا تھا چناچہ ایک گویا ابن محرز باندیوں کو گانا سکھانے کا کام انجام دیتا تھا۔ باجوں میں رباب دف عود اور مبربط کا رواج تھا۔ لڑائی میں جو باندیاں زخمیوں کی مرھم پٹی کرتی تھیں وہ رواسی کہلاتی تھیں۔ یہ کام عرب بذات خود عیب سمجھکر نہیں کرتے تھے۔ فوج کے

سرداروں کو لڑائی فتح ہونے کے بعد مال غنیمت کا چوتھائی حصہ ملتا تھا۔اپنے گروہ اور دشمن کے گروہ میں جنگ کے وقت تمیز کرنے کے لیے کوئی علامت مقرر کر لیتے تھے۔ مثلاً سرمنڈا لیتے۔عربوں کے نزدیک بستر پر گل سڑ کر مرنا سخت عیب تھا وہ چاہتے تھے کہ چلتے ہاتھ پاؤں لڑ کر مارے جائیں۔ ان کی عورتیں اپنے شوہروں کی جوانمردی پر فخر کرتی تھیں۔ اسی لئے شاعر لڑائی کا ذکر عورتوں سے مخاطب ہوکر کرتے ہیں۔ وہ نسب پر فخر کرتے تھے دوغلوں کو نامرد اور بہادری ان کے نزدیک شریفوں کی علامت تھی۔لڑائی میں پیٹھ پھیرنا ان کے نزدیک بہت معیوب تھا۔ ان کا قول تھا کہ ہمارے زخموں کا خون ہماری ایڑیوں پر نہیں گرتا۔ بلکہ قدموں پر گرتا ہے۔ لڑائی کے تازہ مقتولوں کا ماتم عورتیں ننگے سر ہوکر صبح شام کیا کرتی تھیں۔مردوں کو کفن دیکر دفن کرنے کا رواج تھا۔ قبر اکثر چار گز لمبی اور پانچ بالشت چوڑی ہوتی تھی۔ کوشش کی جاتی تھی کہ اپنے مقتولوں کا انتقام لیا جائے یا دیت لی جائے۔ مگر دوسری صورت اکثر کمزور اور نامردی کی علامت خیال کی جاتی تھی۔ دستور تھا کہ صلح کی گفتگو کے وقت ہر ایک فریق دوسرے کی طرف نیزہ کی بوڑی رکھکر بیٹھتا تھا اگر صلح منقطع ہوجاتی تو نیزے کی بھال ایک دوسرے کی طرف کردی جاتی تھی قوم کے سردار ایسی محفلوں میں کوٹ باندھکر بیٹھتے تھے اور آگے تلور رکھلتے تھے معاہدوں کی پابندی کی جاتی تھی مگر کبھی کبھی عہد شکنی پر بھی مایل ہوجاتے تھے۔اس صورت میں عہدشکنی کرنے ولا شخص یا فریق تمام عرب میں بدنام ہوجاتا تھا۔ اس کے بدنام کرنے کے لئے اونچے مقامات پر آگ جلائی جاتی تھی اگر کوئی شخص پناہ میں آتا اور قتل سے بچایا جاتا تو جو آدمی پناہ دیتا تھا وہ پناہ مانگنے والے پر چادر ڈال دیتا تھا۔

عرب اکثر خیموں میں زندگی بسر کرتے تھے مکان بنا کر بہت کم رہتے تھے۔ شہروں اور قصبوں میں مکان بھی تھے تو وہ معمولی قسم کے تھے۔اِس زندگی کے

علاوہ عربوں کے اخلاق و تمدن کے متعلق متفرق باتیں عرب کی شاعری سے معلوم ہوتی ہیں وہ حسب ذیل ہیں—

زمانہ امن کا مشغلہ اکثر شکار ہوتا تھا- نیل گایوں اور ہرنوں کا شکار نہایت پھرتی اور مستعدی کے ساتھہ کیا جاتا- شکاری کتوں سے بھی شکار میں کام لیا جاتا تھا- اعلی نسل کے شکاری کتوں کی بڑی قدر کی جاتی تھی- ان کے کان لٹکے ہوے اور کمر پتلی ہوتی تھی ان میں سے بعض کے نام بھی عرب کے اشعار میں مذکور ہیں- مثلاً کساب اور سخام دو اعلی نسل کے شکاری کتوں کے نام تھے- شکار میں تیر اور نیزہ کا استعمال کرتے تھے اور شکار کے وقت پھرتی کی غرض سے چادر سر سے اُتار کر کمر سے باندہ لیتے تھے—

زبردست لوگ اپنے اونٹوں کو داغ دیا کرتے تھے تاکہ لوگ پہچان جائیں کہ یہ فلاں سردار کے ہیں اور اُن کو چشموں پر پہلے پانی پینے دیں- اس کے علاوہ طاقتور لوگ اپنی ہیکڑی جتانے کے لئے طرح طرح کی تجویزیں کرتے رہتے تھے- مثلاً کلیب نے ایک کتا پال رکھا تھا- لوگوں کا فرض تھا کہ اِس کتے کے دائیں بائیں سے گزریں- اُس کے پاس نہ آئیں- بنی ابیعہ ڈاڑھیاں منڈواتے اور مونچھیں کترواتے تھے- اگر کوئی اور ایسا کرتا تو گویا اُن سے لڑائی مول لیتا تھا- بنی عبدالقیس کا دستور تھا کہ اگر کوئی گالی دے تو یہ اُس کے طمانچہ مارتے تھے- اگر وہ بھی طمانچہ مارے تو قتل کیا جاتا تھا- بنی بکر ایک پرندہ کو وسط سڑک میں باندہ دیتے تھے- ضرور تھا کہ لوگ اُس رستے سے نہ جائیں- اشد ضرورت کی حالت میں اُس کے دائیں بائیں سے گزریں—

عرب اپنے بچوں کو سونگھتے تھے اور اسی لئے ان کو ریحانہ کہتے تھے- ان کے گلوں میں اکثر کوڑیوں کا ہار ڈالتے تھے- بچے کپڑے کے کوڑے بناکر ایک دوسرے کو مارتے اور کھیلتے تھے- بچوں میں پھرکیوں سے کھیلنے کا بھی رواج تھا- بچوں کے ایک خاص کھیل کا نام اشعار میں آیا ہے جس کو فیال کہتے تھے-

مٹی یا ریت کو دو حصوں میں تقسیم کرکے کسی حصے میں کوئی چیز دباتے اور پوچھتے کہ وہ چیز کس حصے میں ھے۔اسی پر ھار جیت کا مدار تھا—

رات کا سفر اور دوپہر کے وقت کا سفر عرب کے نزدیک پسندیدہ تھا۔کیونکہ اس میں جفاکشی اور جرأت پائی جاتی۔ سفر کے وقت ان کی عادت تھی کہ تجربہ کار اونٹ کو آگے بڑھاتے تھے اور وہ زمین کو سونگھکر معلوم کرلیتا تھا کہ پانی یہاں سے اس قدر دور ھے اور منزل مقصود کتنے فاصلے پر ھے۔اگر دونوں مقام دور ھوتے تو وہ جلد جلد چلنے لگتا تھا۔سوف عربی میں سونگھنے کو کھتے ھیں اور اسی سے مسافت کا لفظ بنا یا گیا ھے—

سرسبز مقامات مثلاً یمامہ وغیرہ میں پانی سے زمین کو سینچنے کے لئے رھٹ بھی جاری تھے جن کو عرب منجنوں کھتے تھے۔اس کے علاوہ عرب کے اشعار سے پن چکی کے رواج کا بھی پتہ چلتا ھے۔

لکھنا پڑھنا عرب کے لوگ بہت کم جانتے تھے۔عہد رسالت میں بھی اس فن کے جاننے والے اُنگلیوں پر گنے جا سکتے ھیں۔قران مجید میں اسی سبب سے عرب کی قوم اُمی بتائی گئی ھے۔ایام جاھلیت کے شعرا فن کتابت کو روم و فارس کی طرف منسوب کرتے ھیں۔ھرن کی پتلی کھال پر لکھنے کا رواج تھا جس کو عربی زبان میں رق کھتے ھیں۔قرآن مجید میں یہ لفظ آیا ھے—

عقائد و توھمات

اسلام سے پہلے حجاز اور وسط عرب میں بت پرستی ھوتی تھی۔کعبہ میں تین سو ساٹھ بت بتائے جاتے ھیں۔ان میں سے مشھور بتوں کے نام حسب ذیل ھیں—

لات۔منات۔عزیٰ۔اساف۔نایلہ۔دوار۔ان میں سے دوار کا ذکر اکثر آتا ھے اور کھیں کھیں لات اور عزیٰ کا بھی۔دوار کے گرد نوجوان عورتیں سروں پر چادریں ڈالے طواف کرتی تھیں—

عیسائی، یہودی اور مجوس بھی عرب میں جا بجا تھے۔ حضرت ابراھیم کا دین توحید ماننے والے بھی تھے ایام جاھلیت میں کچھہ لوگ ایسے بھی تھے جو حشر و نشر کے قایل تھے اور اس بات پر عقیدہ رکھتے تھے کہ مرنے کے بعد ایک دن آئے گاجب کہ نیکیوں اور بدیوں کی جزا اور سزا دی جاے گی —

عوام عرب طرح طرح کے توھمات میں گرفتار تھے۔ عورتیں مختلف رنگ کے ڈورے گلے میں ڈالتی تھیں تاکہ نظر بد سے بچیں۔ ان ڈوروں کو بریم کہتے تھے۔ عرب مراد پوری ھونے کے لئے طرح طرح کی منتیں مانتے تھے۔ ان منتوں کے پورا کرنے میں کبھی کبھی لوگ چالاکی بھی کرتے تھے۔ مثلاً بعض لوگ منت مانتے تھے کہ اگر اُن کا بکریوں کا گلہ سو تک پہنچ جاے گا تو بتوں کے نام پر ایک بکری ذبح کی جاے گی مگر منت پوری ھونے پر بکری کی جگہ ھرن کا بچہ ذبح کیا جاتا تھا۔ دستور تھا کہ کسی شخص کے مرنے پر اُس کی اونٹنی اُس کی قبر پر باندہ دی جاتی تھی۔ اُس کی آنکھوں پر پٹی باندہ دیتے تھے اور بھوکا پیاسا رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ مرجاتی تھی۔ خیال تھا کہ قیامت کے دن مرنے والا اس اونٹنی پر سوار ھوگا۔ ایسی اونٹنی کو بلیہ کہتے تھے۔ عرب خیال کرتے تھے کہ ھر شاعر کے ساتھہ ایک جن رھتا ھے جو شعر کا القا کرتا ھے۔ اگر کوئی شعر لکھنے میں عاجز ھوتا تو کہتے کہ اس کا جن بھاگ گیا۔ جن لوگوں سے عجیب و غریب یا غیر معمولی کام سرزد ھوں ان کو دیونی کی اولاد بتاتے تھے۔ وہ بھوتوں کے بھی قایل تھے۔ ان کے سروں کے گرد آلود ھونے اور تیزی کے ساتھہ چلنے کا ذکر بھی اشعار میں آتا ھے۔ اگر کسی مقتول کا بدلہ نہ لیا جاے تو خیال کرتے تھے کہ اس کی قبر میں ھمیشہ اندھیرا رھے گا۔ وہ گھوڑوں کی سعادت و نحوست کے قایل تھے۔ منحوس گھوڑوں کو ایک منحوس گھوڑے کی اولاد بتاتے تھے جس کا نام راحس تھا۔ اُن کا خیال تھا کہ اگر تیر چلانے والا اپنے تیر پر تھوک دیتا ھے تو پھر اُس کے تیر کا نشانہ جو شخص ھو وہ زندہ نہیں بچتا۔ اُن کا خیال تھا کہ اگر

بادشاہ کے بائیں ہاتھ کی بیچ کی انگلی میں پچھنے لگا کر خون لیا جائے اور یہ خون چھوارے میں رکھکر اُس شخص کو کھلایا جائے جسے باولے کتے نے کاٹا ہے۔تو اس کو شفا ہوجاتی ہے۔ ان کا خیال تھا کہ جب مردہ گل کر مٹی ہو جاتا ہے تو اس کے سر میں سے ایک پرندہ نکلتا ہے اور اس قبر پر آواز لگاتا ہے۔اس پرندہ کو صدیٰ یا ہامہ کہتے تھے۔عرب شگونوں کے بھی قایل تھے اور اکثر پرندوں سے شگون لیا کرتے تھے۔جب وہ کسی دوست کو رخصت کرتے تو اسے بار بار مڑ کر دیکھتے تھے۔ یہ ایک شگون تھا اور اس غرض سے کیا جاتا تھا کہ جانے والا جلد واپس آئے۔نامرد کو ابن صبح کہتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر عورت صبح کو حاملہ ہو تو بچہ نامرد پیدا ہوتا ہے۔عربوں کے نزدیک قزح ایک فرشتے کا نام تھا جو بادلوں پر مامور ہے۔اسی کی کمان کو قوس قزح کہتے تھے—

غرضکہ عرب کی شاعری کے مطالعہ سے عرب کے متعلق جغرافی آثار تاریخی واقعات اخلاقی و تمدنی مناظر اور ان کے عقاید و توہمات کے متعلق سب کچھہ معلوم ہوسکتا ہے اور یہ جو کچھہ لکھا گیا اسی مطالعہ سے معلوم ہوا ہے۔ اگر مضمون کی طوالت کا اندیشہ نہ ہوتا تو اور بہت کچھہ بیان ہو سکتا تھا۔ تاہم اس قدر بیان سے بھی ناظرین اس مقولہ کی صداقت مان جائیں گے کہ فی الحقیقت عرب کی شاعری عرب کے حالات و خیالات کا دفتر ہے—

اب آخر مضمون میں مجھے یہ بیان کرنا ہے کہ عرب کی شاعری میں اظہار خیالات کے کیا طریقے تھے—

خیالات کے سانچے

خیالات کے اظہار کے لئے جو اہم پیرایے عرب کے شعرا نے استعمال کئے ہیں۔ وہ تین ہیں۔ (۱) کنایہ (۲) استعارہ (۳) تشبیہ۔ذیل میں تینوں طریقوں کی مثالیں لکھی جاتی ہیں—

عربی شاعری کے کنایے

پاؤں کا جوتی کے تسمے سے نکل جانا موت سے کنایہ ہے—

اونٹ کا کسی پر اپنی چھاتی ٹیک کر بیٹھنا ہلاک ہونے سے کنایہ ہے—

مادر کرگس یا گدوں کی ماں موت سے کنایہ ہے- کیوں کہ موت لوگوں کو ہلاک کرکے گدوں کے لئے خوراک مہیا کرتی ہے—

تبالہ میں اُتر پڑنا مالا مال ہونے سے کنایہ ہے- تبالہ یمن کا ایک زر خیز شہر تھا- بے دانت کی درانتی تلوار سے کنایہ ہے—

کانوں کا جڑ سے کٹ جانا ذلیل ہونے سے کنایہ ہے—

نامرد کتے والا سخی سے کنایہ ہے- کیوں کہ مہمانوں کی کثرت آمد رفت کے سبب کتا بھونکنا چھوڑ دیتا ہے—

دبلے شتر بچے والا بھی سخی سے کنایہ ہے- کیوں کہ اونٹنی کا دودھ مہمانوں کو پلایا جاتا ہے اس لئے اُس کا بچہ دبلا ہو جاتا ہے—

بہت راکھ والا بھی سخی سے کنایہ ہے- کیوں کی مہمانوں کی کثرت کے سبب اُس کے ہاں کھانا بھی کثرت سے پکتا ہے اور باورچی خانے میں راکھ کا ڈھیر لگ جاتا ہے—

اندراین توڑنا بے اختیار آنسو جاری ہونے سے کنایہ ہے- کیوں کہ جب کوئی شخص اندراین کا پھل توڑتا ہے تو اُس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں—

ہونٹوں نے دانتوں کا ساتھ چھوڑ دیا- یہ خوف سے کنایہ ہے کیوں کہ خوف کے وقت منہ کھلا کا کھلا رہ جاتا ہے—

چمڑے کے خیمے والے بڑے اور مالدار آدمیوں سے کنایہ ہے- کیوں کہ اس کا مقدور امیروں اور بڑے آدمیوں ہی کو تھا—

پنڈلی کھلنا مصیبت سے کنایہ ہے۔کیوں کہ مصیبت کے وقت پردہ نشین عورتیں گھر سے باہر نکل بھاگتی ہیں —

پریشان ہوا میں چلنا قحط سے کنایہ ہے کیوں کہ عرب میں ہمیشہ ایسی ہواؤں کا چلنا قحط کی علامت خیال کیا جاتا تھا —

سر کی چادر بائیں ہاتھ میں لینا عورتوں سے خوف زدہ ہونے سے کنایہ ہے۔ کیوں کہ خوف کے وقت وہ اکثر یہی عمل کیا کرتی تھیں —

لونگوں یا سنبل کا سرمہ لگانا رونے سے کنایہ ہے - کیوں کہ ایسا کرنے سے آنکھوں سے بے اختیار پانی جاری ہوجاتا ہے —

اُس زمین میں شترمرغ کے انڈے کثرت سے ہیں یا پھیلے پڑے ہیں - یہ زمین کے سرسبز ہونے سے کنایہ ہے کیونکہ شترمرغ ایسی ہی زمین میں انڈا دیتے ہیں —

لمبے پرتلے والا، دراز قد انسان سے کنایہ ہے کیوں کہ جس کا پرتلا لمبا ہوگا ۔ اس کی تلوار لمبی ہوگی اور جس کی تلوار لمبی ہوگی اس کا قد بھی دراز ہوگا —

ہمارے گھوڑے بنات النعش کی طرف جارہے ہیں - یعنی ہم شام کی طرف کوچ کررہے ہیں یہ بھی کنایہ ہے - کیونکہ بنات النعش شامی ستارے سمجھے جاتے ہیں

آگ میں لکڑیاں یا ایندھن ڈالنا فتنہ فساد بڑھانے سے کنایہ ہے —

تہ بند ڈھیلا ہونا خوف سے کنایہ ہے —

دامن کمر پر باندھنا مستعدی سے کنایہ ہے —

گرگٹ کا درخت پر دم ہلانا گرمی کے وقت سے کنایہ ہے - کیونکہ گرمی کے وقت گرگٹ یہی حرکت کرتا ہے —

عربی شاعری کے استعارے

میں موت کے تھنوں سے اس وقت دودھ نکالتا ہوں جب کہ بڑے بڑے بہادر آدمی بھاگ نکلتے ہیں۔ یہاں موت کا

استعارہ ناقہ سے ہے—

لڑائی کا استعارے اس درندہ سے جو ڈاڑھیں نکالکر اپنے شکار کو ڈراتا ہو۔

نسب کے صاف و خالص ہونے کا استعارہ بارش کے پانی سے—

کمزور اور نامرد کا استعارہ اس گوشت سے، جو قصائی کے تختے پر رکھا ہو کہ جو چاہتا ہے اُسے خرید کر لے جاتا اور اپنے کام میں لاتا ہے—

ذلیل وخوار آدمی کا استعارہ چھوٹے کان والے شترمرغ سے—

گلے کا ہار بدنامی کا استعارہ ہے—

موت کے قریب ہونے کا استعارہ اس شکاری پرندے سے جو منڈ لاتا اور پر تولکر شکار پر گرنا چاہتا ہو—

ڈولوں میں ڈول ڈالنا اوروں کے ساتھہ خود بھی کوشش کرنے کا استعارہ ہے—

شعری ستارہ کا ڈوب کر نکلنا تنزل کے بعد ترقی حاصل ہونے کا استعارہ ہے—

تنور گرم ہونا لڑائی کی شدت کا استعارہ ہے—

سمندر کی موجوں کا چاروں طرف سے گھر آنا رات کی تاریکی پھیلنے کا استعارہ ہے—

بھوکے بھیڑیوں کا جھپٹنا بہادروں کے حملہ آور ہونے سے استعارہ ہے—

دل کے لئے گھاس چارہ تلاش کرنا دیدار معشوق سے تفریح چاہنے کا استعارہ ہے—

دبی ہوئی چنگاریوں کا سلگ اٹھنا کینوں کے ظاہر ہونے کا استعارہ ہے۔

موتی خاک پر بکھیرنا نصیحت ضایع کرنے کا استعارہ ہے—

صبح کی روشنی میں جاگنا بڑھاپے میں ہوشیار ہونے کا استعارہ ہے—

دل کے کناروں پر ابر چھایا رہنا شک و تردد کی حالت میں مبتلا رہنے کا استعارہ ہے—

یمن کے ریشمی منقش تھانوں کا وادی میں پھیلایا جانا رنگ برنگ کی نباتات کا نمایاں ہونے کا استعارہ ھے—

پردے کے انڈے کنواری پردہ نشین لڑکیوں کے لئے استعارہ ھے—

بچھو کے سوراخ سے کئی بار کاتا جانا بار بار ایک ھی مصیبت میں مبتلا ہونے کا استعارہ ھے—

بان یا اند کی شاخوں کا لچکنا معشوق کے ساتھہ چلنے کا استعارہ ھے—

ریت میں تیرنے والے سفینے اونٹوں کا استعارہ ھے—

اُس کے چہرہ پر خالص کُندن کی اشرفیاں بکھری ھوئی ھیں-یا اُس کے رخسارے پر شعری ستارہ نے طلوع کیا ھے-یا ثریا اُس کی پیشانی سے آویزاں ھے-یہ سب حسن و جمال کے استعارے ھیں—

موت کا ھنستے ھوے گھات سے نکلنا میان سے تلوار کھینچنے کا استعارہ ھے

وادی جواء کی نیل گائیں یا وجیرہ کی سفید ھرنیاں حسین عورتوں کا استعارہ ھے—

لہراتے سانپ لچکتے نیزوں کا استعارہ ھے—

لباس کا داغدار ھونا عزت بگڑنے کا استعارہ ھے—

تلوار کی دھار کُند ھونا جذبۂ شجاعت کے فنا ھونے کا استعارہ ھے—

عربی شاعروں کی تشبیہات

حملہ آور کی تشبیہ غضبناک اور بھوکے شیر سے—

نیزے کے کوچے سے خون تیزی کے ساتھہ جاری ھونے کی تشبیہ بھری ھوئی مشک کے دھانے سے، جب کہ مشک کھول دی جاے—

لڑائی کی تشبیہ چکی سے—

سینے میں عداوت کے جوش کی تشبیہ ھانڈی کے جوش سے—

چونکنے آدمی کی تشبیہ شکرے سے—

پہاڑ کی گھاٹی سے تیزی کے ساتھہ اُترنے کی تشبیہ شہباز کے جھپٹنے سے

جو اپنے شکار پر آرہا ہو—

گھوڑوں کے دم اُٹھا کر بھاگنے دوڑنے کی تشبیہ دودھ والی اونٹنی سے جو بچا کُھچا دودھ دھنے سے گھبرا کر دم اُٹھاتی ہے—

تیز نگاہی کی تشبیہ گھوڑے کے بچے کی نگاہ سے جس کی عمر دو سال کی ہو—

لڑائی کے گھوڑوں کی تشبیہ بھوتوں سے جو تیز چلتے ہیں اور جن کے سر گرد آلود ہوتے ہیں—

جنگجو بہادروں کی تشبیہ شریٰ کچھار کے شیروں سے—

زرہ پوش کی تشبیہ چیتے سے—

غصے سے ہلاک کرنے والے کی تشبیہ مقید اُونٹ سے جو ہری گھاس کو روند ڈالتا ہے—

انبوہ لشکر کی تشبیہ ٹڈی دل سے—

مددگار انسان کی تشبیہ تلوار سے جو وقت پر کام دینے میں کبھی خطا نہیں کرتی—

بری اور موذی اولاد کی تشبیہ وجع القلب (درد دل) سے—

چھوٹی لڑکیوں کی تشبیہ لوے کے بچوں سے—

غلام کی تشبیہ ترکش سے کہ جیسے وہ تیروں کا مخزن ہوتا ہے اسی طرح غلام اسرار کا مخزن ہوتا ہے—

چغل خوروں کی تشبیہ بچھوؤں سے—

دباؤ نہ ماننے کی تشبیہ اونٹنی کی اُس حالت سے جب کہ وہ باوجود پاؤں باندھنے کے دودھ نہ دے—

بہادر آدمی کی تشبیہ شیر کی ناک سے جس نے ذلت کی بو کبھی نہیں سونگھی—

عورت کی تشبیہ ھرن سے، نیل گاے سے اور پتھر کی مورت سے--

نیزوں کے باھم ٹکرانے کی تشبیہہ بھوکے مینڈکوں کی آواز سے—

لڑائی کے سخت دن کی تشبیہہ ایسے تاریک دن سے جس میں تارے نظر آئیں—

ایسا شخص جو دوسروں کو تکلیف پہنچائے اور اُس کا کوئی کچھہ نہ بگاڑ سکے، اُس کی تشبیہہ نیلی مکھی سے، جو اونٹ کو کاٹتی ھے اور اونٹ کا اُس پر قابو نہیں چلتا—

لڑائی ھوتی دیکھکر لڑائی میں شامل ھونے والے کی تشبیہہ خارشتی اونٹ سے کہ اس کے سبب سے تندرست اونٹوں کو بھی خارش ھوجاتی ھے—

رات کی تاریکی کی تشبیہہ سمندر کی موج سے—

گانے میں درد ناک آواز کی تشبیہہ بچہ دار اونٹنیوں کے رونے سے، جن کے بچے ایام بہار میں مرچکے ھیں—

نازک اندام عورتوں کی تشبیہہ آکھی یا ارنڈ کے پودوں سے—

ارادے کے پکے انسان کی تشبیہہ سانپ کے سر سے کہ جہاں چاھتا ھے بے تکلف گھس جاتا ھے—

اونٹنی کی چال کی تشبیہہ ایسے بادل کی چال سے، جو جنوبی ھوا کے ساتھہ دوڑتا ھو اور پانی سے خالی ھو—

گھوڑی کی رفتار کی تشبیہہ پیاسی کبوتری کے اُڑنے سے—

سخی آدمی کی تشبیہہ موسم بہار سے—

گوری پنڈلیوں کی تشبیہہ ھاتھی دانت یا سنگ مرمر کے ستونوں سے—

لٹیروں اور حملہ آوروں کی تشبیہہ عقاب سے—

شراب کے پینے سے انگلیوں کے پوروں میں جو دوران خون ھوتا ھے، اُس کی تشبیہہ چینوٹیوں کے رینگنے سے—

نازنین عورتوں کے نزاکت کے ساتھ چلنے کی تشبیہہ سفید پتلے سانپ کے رینگنے سے، جس کو صبح کی شبنم نے ٹھنڈا کر دیا ہو اور اپنے پورے بل نہ کھول سکتا ہو—

عاشق کے رونے کی تشبیہہ کبوتری کے رونے سے—

آگ کے شعلوں کی تشبیہہ اونٹ کے سرخ پھیپڑوں سے—

نامرد انسان کی تشبیہہ کفتار، خرگوش اور شتر مرغ سے—

آسانی سے مطالب حاصل ہونے کی تشبیہہ خرما کھانے سے—

تکلیفیں برداشت کرنے کی تشبیہہ ایلوا چاٹنے سے—

ذلیل آدمی کی تشبیہہ میدان کی کھمبی سے کہ جو چاہے اُسے توڑ کر لے جائے۔

جو لوگ کاہل ہوں اور سفر کے عادی نہ ہوں، اُن کی تشبیہہ بنات النعش سے۔کیونکہ وہ قایم ہیں اور دیگر ستاروں کے ساتھ حرکت نہیں کرتے—

وہ شخص جو کسی کا مطیع و محکوم ہوجائے، اُس کی تشبیہہ خارشتی اونٹ سے، جو روغن قار* ملنے والے کا مطیع ہوجاتا ہے۔(خارشتی اونٹوں کے بدن پر روغن قار ملا جاتا تھا اور اس سے ان کی خارش کو سکون حاصل ہوتا تھا)۔

اونٹوں کے کوہانوں کی تشبیہہ مٹی کے ان ڈھیروں سے جو چیونٹیوں کے گھروں کے آس پاس جمع ہوتے ہیں—

دانتوں کی تشبیہہ بابونہ کے پھولوں سے—

اونٹنی کی چربی کی تشبیہہ بٹے ہوئے سفید ریشم کی جھالر سے—

---

* ہمارے ہاں روغن قاز ملنا محاورہ ہے۔یعنی خوشامد کی باتوں سے کسی کو خوش کرنا۔عجب نہیں کہ اِس محاورہ میں روغن قاز کی جگہ روغن قار ہو کیونکہ جس طرح روغن قار ملنے سے خارشتی اونٹ کو سکون حاصل ہوتا ہے اسی طرح خوشامد پسند انسان خوشامد کی باتوں سے خوش ہوتا ہے۔اگر کاتبوں نے ر کو ز بنادیا ہو تو کیا تعجب ہے (سلیم)

عورتوں کی تشبیہہ شتر مرغ کے انڈوں سے (یہ تشبیہہ رنگ کے لحاظ سے ہے- شتر مرغ کے انڈے کے رنگ میں سفیدی کے ساتھہ ھلکی زردی ھوتی ھے اور یہ رنگ اھل عرب کے نزدیک پسندیدہ تھا)—

معشوقہ کی گردن کی تشبیہہ گردن آھو سے—

حسین عورتیں کی کمر کی تشبیہہ اونت کی مہار سے—

ساق کی تشبیہہ نرکل کی شاداب پوری سے—

گھنے بالوں کی تشبیہہ درخت خرما کے خوشے سے—

نرم و نازک اُنگلیوں کی تشبیہہ موضع ظبی کے اُن کیڑوں سے جو سفید رنگ کے ھوتے ھیں اور جن کے سر لال ھوتے ھیں اور جن کو اسروع کہتے ھیں—

انگلیوں کی تشبیہہ اسحل کی مسواکوں سے (یہ عرب کا ایک درخت ھے جس کی شاخیں پتلی اور نرم اور سیدھی ھوتی ھیں اور اِن شاخوں کی مسواکیں بنائی جاتی ھیں) —

ایسا آدمی جو شریر ھو اور جیسے کوئی آدمی پاس بٹھانے کا روادار نہ ھو اس کی تشبیہہ جوے کے اُس تیر سے جس کا کچھہ حصہ نہیں ھرتا اور جیسے ھر شخص اپنے پاس سے ھٹاتا ھے—

ذلیل آدمی کی تشبیہہ آب پاشی کے اونت سے جو چرس کھینچنے کی حالت میں کبھی آگے جاتا اور کبھی پیچھے ھتتا ھے- یعنی آب پاشی کرنے والے شخص کے اشارے کا تابع ھوتا ھے—

لشکر کی تشبیہہ پھیلے ھوے برسنے والے ابر سے یا سیلاب سے کہ جو کچھہ اُس کے سامنے آتا ھے اُس کو بہا لے جاتا ھے —

جلا قوم شخص کی تشبیہہ خارشتی اونت سے جو تندرست اونٹوں سے الگ باندھا جاتا تھا—

زلفوں ی تشبیہہ درخت تنوم کے سانپوں سے جو اُس کے گرد بیٹھے

رھتے ھیں —

تند خو آدمی کی تشبیہ شیر سے جو اپنے بچوں سے جدا کیا جاے —

تیز رفتار گھوڑے کی تشبیہ ایسے شاھین سے جس نے میدان میں خرگوش کو دیکھا ھو اور درختوں کے جھنڈ میں اُس کے بھاگ کر چھپ جانے سے پہلے اُس کو آلیا ھو —

بے صبر آدمی کی تشبیہ چتکبری اونٹنی سے جو دردِ زہ میں مبتلا ھو۔ (خیال تھا کہ اس رنگ کی اونٹنی صابر نہیں ھوتی) —

فریب زدہ اور احمق آدمی کی تشبیہ اُس شخص سے جو سراب کی لہروں کو دیکھکر اپنی مشک کا پانی بہادے —

زرہ کی تشبیہ ایسی جھیل کی سطح سے جس کے پانی کو بادِ دبور آھستہ آھستہ حرکت دے —

نیزوں کے پے درپے پڑنے کی تشبیہ جلاھوں کے اُس آلہ سے جسے برولہ کہتے ھیں اور جسے تھان کے ناھموار تاروں کے برابر کرنے کے لئے تھان پر پھیرتے ھیں اور وہ تھان کو خوب کھرچتا اور اُس میں گھس جاتا ھے —

جنگجو آدمی کی تشبیہ زرد رنگ کے پتلے سانپ سے جو زھر اُگلتا رھتا ھے —

چالاک اور پھرتیلے آدمی کی تشبیہ کفتار کے بچے سے —

شراب کی صراحیوں کی تشبیہ بطخوں سے —

حسین عورت کی تشبیہ شعری ستارے سے جو کہکشاں سے گزر رھا ھو —

شہد کی مکھی برابر ھاتھہ پر ھاتھہ مارتی ھے جس طرح اُنگلی کٹا آدمی آگ نکالنے کے لئے چقماق کے پتھروں کو ایک دوسرے پر مارتا رھتا ھے —

وہ اور ھم ایک دوسرے سے اس طرح دور ھیں جیسے فرقدین کے ستارے۔

دنیا اُس پر اس طرح تنگ ھوگئی جیسے وہ چھوٹا سا گول گڑھا جس پر

صیاد اپنا جال بچھاتا ھے—

اُن کے ھمسایے آفتوں سے اس طرح محفوظ ھیں جیسے پہاڑی بکریاں جنگلی درندوں سے—

دشمن جنگ میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے اس طرح زور لگا رھے ھیں جیسے کوئی حاملہ عورت بچہ جننے کے وقت کونتھتی ھے—

سردار کے گرد اُس کے محافظ اس طرح گھومتے تھے جیسے دوار بت کے پرستار اُس کا طواف کرتے ھیں—

محبوبہ میرے ساتھ اس طرح شوق سے چلی جیسے لوا پیاس میں چشمے کی طرف لپکتا ھے—

ناظرین ان کنایوں استعاروں اور تشبیہوں پر بھی اگر غور کی نظر ڈالیں گے تو یہ بات اُن پر روشن ھو جائے گی کہ عرب کے شاعروں نے ان میں بھی اپنی ملکی خصوصیات کا لحاظ رکھا ھے۔ غرضکہ عرب کی شاعری اُن تمام خصوصیات کی ترجمان ھے جو عرب اور اھل عرب سے تعلق رکھتی ھیں۔ جب تک ھماری زبان کا ادب ھندی شاعری اور عربی شاعری کی طرح ھماری ملکی خصوصیات کا ترجمان نہ ھوگا اُس کو ملکی ادب کہلانے کا کوئی حق نہیں ھے۔ ھم نے اپنے قومی اور مذھبی خیالات و روایات کو اپنے ادب میں بھر دیا ھے۔ اس کا کوئی مضائقہ نہیں ھے۔ لیکن افسوس اس بات کا ھے کہ ھم صدیوں سے جس ملک میں آباد ھیں اُس کی خصوصیات کی جھلک ھماری نظموں اور نثروں میں نہیں ھے۔ ھندوستان میں کونسی ایسی دلربا اور شاندار چیز نہیں ھے جو ھندوستان سے باھر کے ملکوں ھی میں پائی جاتی ھے۔ یہاں بلند اور شاندار پہاڑ ھیں جن کی چوٹیاں برف سے ڈھکی رھتی ھے۔ یہاں گنجان جنگل ھیں جن میں عجیب اور خوفناک درندے آباد ھیں۔ یہاں ایسے دلکش سبزہ زار ھیں جن کے منظروں کو دیکھکر انسان اش اش کرتا ھے۔ یہاں ایسے

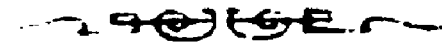
رنگ برنگ کے پھول ھیں جن کی رنگینیاں قوس قزح کو مات کرتی ھیں۔یہاں ایسے خوش الحان طیور ھیں جن کی راگنیاں روحانی جذبات کو زندہ کرتی ھیں۔یہاں ایسے دریا ھیں جن کے پانیوں کی روانی اور دوانی تخیل کی سطح میں ھلکورے پیدا کرتی ھے۔یہاں ایسی نسلیں آباد ھیں جن کے اسلاف تمدن کی شاندار عمارتیں کھڑی کر چکے ھیں۔یہاں قدم قدم پر حسن ھے' عظمت ھے' رنگینی ھے' دلفریبی ھے۔غرضکہ شاعر مزاج انسانوں کے لئے وہ سامان موجود ھے کہ اگر وہ ذرا کروٹ لیں اور غفلت کی آنکھیں کھول دیں' تو ایک شاندار اور جمیل ادب کی بنیاد رکھہ سکتے ھیں۔ھندؤں نے اب سے پہلے فطرت کے ان منظروں پر نگاہ دوڑائی ھے۔اگر ھم بھی اُسی عینک سے کام لیں تو ھمارا ادب اور ان کا ادب ایک ھوجائیگا اور آج نہیں کل ضرور ھم ایک علم کے سایے میں ترقی کے قدم بڑھائینگے۔مگر اُس وقت کے آنے سے پہلے اپنی غلطیوں اور غفلتوں کی تلافی کرنی ضروری ھے—



پیـــــــــپل

از

(جناب محمد عظمت الله خان صاحب بی اے)



اونچے اونچے پھیلے پھیلے فطرت کے پالے پیپل
سرد و گرم زمانہ دیکھے
جتنے مضبوط اُتنے ہی پرانے گہری جڑوں والے پیپل
جتنا اوپر اُتنا نیچے

———:o:———

لوں کی لپٹیں تجھکوں جھلستیں آندھیاں دیتی ہیں تھپیڑے
اولوں کی چھالیں جاڑوں کے پالے
بادل کی گرج بجلی کی کڑک مینہ کے دھواں دھار دڑیڑے
سب سہتا ہے سینہ نکالے

———:o:———

گرمیاں آئیں تیرے پتے سوکھنے پیلے پڑنے لگے
رت کی سختی کیا جھیلینگے
اے لو! پتے سوکھے اپنے آپ ہی جھڑنے لگے
پتوں کے نیچے ڈھیر لگینگے

———:o:———

ننچی ننچائی ننگی انڈوری ٹھنٹھہ ہوئی اک اک ڈالی
پت جھڑ نے ہاتھہ یہ پھیرا ہے
ڈراؤنا سا سوکھا ڈھچر ترا خالی خالی
ایک رنڈاپا سا چھایا ہے

———: O :———

نوع نے تیری سختیاں جھیلیں اس کا ہی شاید ہے پھل
جنم نیا تو پھر لیتا ہے
ترت ہی تو نے کایا پلٹی پیپلیاں ہیں اور کونپل
قدرت کا ایک تماشا ہے

———: O :———

کونپلیں تازی سوئیوں جیسی رنگ وہ دھانی ہلکا سا
اس میں جھلک وہ پیاری پیاری
ٹہنی ٹہنی پیپلیاں ہیں جڑے ہوے نگ ہیں گویا
جان کی ہے اک شعبدہ بازی

———: O :———

دو اک دن میں کونپلیں ساری پتے بنی ہیں کھل کھل کر
ننھے ننھے چکنے چمکتے
پیپلیاں بھی ہو چلیں گدری پکشی آتے ہیں تل تل کر
کھاتے پھدکتے اور چہکتے

———: O :———

چند ہی دن میں بڑھ گئے پتے لدی ہوئی ہے ہر ڈالی
جان پڑی ہے رونق ائی

چھاؤں ھے ٹھنڈی روکھہ ھرے ھیں آنکھوں میں کُھبتی ھریالی
ایک دلہن سنوری سنورائی

———:o:———

پتے چکنے چکنے ٹھنڈے ھری بھری ٹھنی ٹھنی
تو ھے اک قدرت کا ڈیرا
پکشی بولیاں بولنے والے دن رات کی تیری بستی
دن کا ٹھکانا رین بسیرا

———:o:———

کوئی بڑا سا تیرا پتا بالک کے ھاتھہ آتا ھے
موڑا اپیٹا ماتھے پہ ٹھونکا
کمر پہ ڈنٹھل باندہ پپیھیا اک خاصا بن جاتا ھے
منہ سے پھونکا اور بول اُٹھا

———:o:———

میری ھستی بھی اے پیپل! تیری سی اونچی گھری ھو
گھنی گھنی پھیلی پھیلی ھو
جان کی سوتوں تک اک اک جڑ گہرائیوں میں پہنچی ھو
آندھیاں جھیلی مضبوطی ھو

———:o:———

سوکھے سکھائے آدہ موئے بیدم جھڑ جائیں من کے پتے
آئیں پتے تازے تازے
لے کوئی بیکل روح بسیرا بھٹکا من چھاؤں میں بیٹھے
بچوں کو ھاتھہ آئیں پپیھے



غالب کا فلسفہ

از

جناب مولوی سید ہاشمی صاحب - رکن دارالترجمہ عثمانیہ یونیورسٹی)

مرزا اسد اللہ خان غالب کے حالات زندگی اور شاعری' قریب زمانے کی تاریخ اور اسلامی ہند کی مخلوط تہذیب کا خاصا دلچسپ مرقع ہے - مرزا کے دادا شاہ عالم (ثانی) کی بادشاہی میں سمرقند سے ہندوستان آئے اور اُن کی زبان ترکی تھی - مرزا کی تعلیم فارسی میں ہوئی لیکن مادری زبان اُردو بن گئی! ابتداً اسی زبان میں اُنہوں نے شعر کہنا شروع کیا —

مرزا کے اجداد تلوار کے دھنی' جانباز سپاہی پیشہ لوگ تھے اور شاہ عالم کے آخر زمانے کی لڑائیوں تک ہم انہیں مصروف جنگ و پیکار دیکھتے ہیں - لیکن خود مرزا صاحب کو دیکھئے تو محض ایک ناز پروردہ بزمی امیر زادے ہیں جنہیں میدان رزم کی ہوا بھی نہیں لگی —

اسی طرح مذہبی خیالات اور قومی جذبات میں تغیر نظر آتا ہے کہ مرزا کے بزرگ اور دیگر اہل خاندان تو "ماوراالنہری" سنی ہیں مگر خود اُن پر شیعیت غالب ہے اور کچھ اپنے نومسلم پارسی اُستاد کے فیض تربیت سے اور غالباً کچھ فارسی تاریخوں کے نامعتبر قصص و روایات پڑھکر وہ ذوق و مزاج کے اعتبار سے خالص ایرانی بن گئے ہیں اور ترک نژاد ہونے کے باوجود اپنے آپ کو دولت پارسی کا مورث و نوحہ خواں سمجھنے لگے ہیں - جیسا کہ اشعار ذیل سے تراوش ہوتا ہے —

گهر از رایت شاهان عجم بر چیدند | به عوض خامهٔ گنجینه فشانم دادند
افسر از تارک ترکان پشنگی بردند | به سخن ناصیهٔ فرکیانم دادند
هرچه از دستگهه پارس به یغما بردند | تا بنالم هم از ان جمله زبانم دادند

حالات و خیالات کی یہ نیرنگی اس بات کی دلیل ہو سکتی ہے کہ مرزا غالب کو بہت تغیر پسند طبیعت ملی تھی اور عجب نہیں کہ اسی مزاج کی بدولت ان کے کلام میں وہ بو قلمونی پیدا ہوگئی ہو جس پر غالب کے ہر طالب علم کی نظر پڑتی ہے۔یہ خصوصیت دیوان اردو کی نسبت فارسی کلیات میں زیادہ نمایاں ہے اور اس کی غزلیات و قصائد میں کہیں بیدل کی غامض فلسفیت، کہیں عرفی کا شکوہ، حزیں کا تیکھاپن نظر آتا ہے کہیں نظیری کا حکیمانہ حسن بیان اور طالب و ظہوری کی سنجیدہ روانی۔بے شبہ جس طرز پر جو کچھ کہا ہے وہ اس رنگ میں نہایت خوب ہے لیکن اسی خصوصیت نے مرزا کے دیوان میں ایک خاص تلوع پیدا کر دیا جو معتقدین کے نزدیک تو ہمیں بہت سے اساتذہ متاخرین کے مطالعہ سے مستغنی کر دیتا ہے مگر نکتہ چینوں کی نگاہ میں شاعر کی یہ رنگا رنگی خامی کی دلیل ہے اور یہی خیال مفتی صدرالدین خاں آرزو نے ایک موقع پر ظاہر کیا تھا*—

مولانا حالی مرحوم نے طرز بیان کے اس اختلات کی بہت خوبی سے توجیہ کی اور وضاحت سے بتایا ہے کہ ابتدا میں مرزا صاحب نے زمانے کے مقتضی سے بیدل و اسیر کا رنگ اختیار کیا تھا اور یہ اُن کی بڑی ترقی اور سلامتئی طبع بلکہ اجتہاد فکر کی علامت ہے کہ وہ از خود اس راہ کی خرابیوں سے آگاہ ہوے اور اسے چھوڑ کر انہوں نے ظہوری اور نظیری کا تغزل اختیار کیا—

خود مرزا غالب نے اپنے بعض خطوط میں یہی بات لکھی ہے لیکن اس قول

---

* یادگار غالب

کی سب سے اچھی تصدیق اُن کے اردو دیوان، خاص کر "نسخہ حمیدیہ" کے دیکھنے سے ہوتی ہے کہ ابتدائی زمانے کا کلام تو اس درجہ مغلق اور پیچیدہ ہے کہ بعض شعر بالکل معما بن گئے ہیں مگر بخلاف اس کے، آخر زمانے کے اشعار حسن سلاست کا نمونہ ہیں اور مثال کے طور پر، الف و یا کی ردیف میں آخر عہد کی متعدد غزلیں ایسی موجود ہیں جو لطافت و سادگی میں کسی طرح میر و داغ کے منتخب اشعار سے کم نہیں اور یہ اُس شخص کی یقیناً بڑی تعریف ہے جس نے شاعری اس قسم کے شعروں سے شروع کی تھی کہ:—

خودآرا وحشت چشم پری سے شب وہ بدخو تھا
که موم آئینہ تمثال کو تعویذ بازو تھا
غم مجنوں عزاداران لیلیٰ کا پرستش گر
خم رنگ سیاہ از حلقہ ہائے چشم آہو تھا

(نسخہ حمیدیہ صفحہ ۲۹)

لیکن مرزا غالب کے شعر سادہ ہیں یا پچیدہ، اس بات کو یاد رکھنا چاہئیے کہ ان کی شخصیت کا نقش ہرجگہ متجلی ہے۔ ہرخیال جو نغمہ و صوت کی صورت میں ملفوظ ہوا شاعر کے اوصاف ذاتی اورجذبات امتیازی کا سراغ ہے۔ یہ وہ خصوصیات طبعی ہیں جن سے مرزا کی زندگی اور شاعری ابنائے ملک میں ممتاز ہوئی۔ یعنی اُن کی بلندخیالی، عالی ظرفی مہر و صداقت، استغنا و خودداری وغیرہ۔ زندگی ہی میں اُن کی مہر و مسالمت ضرب المثل ہوگئی تھی۔ اُن کی شرافت و راستی کے قصے آج تک زباں زد ہیں وہ نہایت فیاض اور عالی حوصلہ طبیعت رکھتے تھے اور گو عملی دنیا میں انہوں نے کوئی بڑا کام نہیں کیا لیکن عالم خیال میں ان کا ظرف جب کرتا وہ بجلی طلب کرتا جس کی طور کو تاب نہ آئی تھی اور ان کی آنکھ جب چاہتی وہ قطرۂ اشک چاہتی جس نے موتی بننا پسند نہ کیا تھا!—

کلام کی سادگی کے متعلق ایک اور بات بھی قابل گزارش ھے - وہ یہ کہ اگر ھم ان کے اردو کلام کو سامنے رکھیں جس کے تقدم و تاخر کا حال زیادہ یقینی طور پر معلوم ھے تو یہ اندازہ کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ شاعر کی یہ سلاست و سہل گوی سن و سال کے ھمقدم بڑھی ھے اور طرز سخن کے ساتھہ مضامین شعر میں بھی تغیر ھوا ھے - یعنی فلسفیانہ مسائل اور نازک خیالی کے بدلے آخری غزلوں میں زیادہ تر عاشقی اور "معاملہ بندی" کے مضموں آتے ھیں اور نئی ترکیبوں اور عجیب و نادر تشبیہوں کی بجاے عام فہم استعارے اور صرف سادہ اور شستہ الفاظ سے کام لیا گیا ھے - یہ اشعار سلاست کے زیور سے آراستہ ھیں اور سلاست بجاے خود شاعری کی بڑی خوبی ھے - لیکن اسی کے ساتھہ ھم دیکھتے ھیں کہ گو تخیل کی قوت اور بلندپروازی میں کمی نہ آی ھو' اس کے صرف کرنے میں سن رسیدہ شاعر محنت و کاوش سے ضرور پہلوتہی کرنے لگا ھے - اُس کی مثال شاید اس پہلوان کی سی ھے جو فن کشتی کا مشتاق ماھر ھے مگر عمر کے اقتضا سے زور طلب اور کھرے داںو کرنے سے بچتا ھے اور انھی چند داںو پیچ سے کام نکال لیتا ھے جو اُسے خوب رواں اور دیکھنے والوں کو مرغوب ھیں —

اس سلسلے میں مجھے مرزا غالب کے سب سے آخری کلام کا خیال آیا - نواب احمد سعید خاں صاحب طالب مرحوم فرماتے تھے کہ مرزا کی سب سے آخری غزل جس کے چندھی روز بعد وہ مرض الموت میں مبتلا ھوے یہ ھے : —

شب وصال میں مونس گیا ھے بن تکیہ
ھوا ھے موجب آرام جان و تن تکیہ

خراج بادشہ چین سے کیوں نہ مانگوں آج
کہ بن گیا ھے خم جعد پر شکن تکیہ

بنا ہے تختۂ گلہائے یاسمین بستر
ہوا ہے دستۂ نسرین و نسترن تکیہ

فروغ حسن سے روشن ہے خواب گاہ تمام
جو رخت خواب ہے پرویں تو ہے پرن تکیہ

مزا ملے کہو کیا خاک ساتھ سونے کا
رکھے جو بیچ میں وہ شوخ سیم تن تکیہ

اگرچہ تھا یہ ارادہ مگر خدا کا شکر
اٹھا سکا نہ نزاکت سے گلبدن تکیہ

ہوا ہے کاٹ کے چادر کو ناگہاں غائب
اگرچہ زانوے ذل پر رکھے دمن تکیہ

بضرب تیشہ وہ اس واسطے ہلاک ہوا
کہ ضرب تیشہ پہ رکھا تھا کوہکن تکیہ

یہ رات بھر کا ہے ہنگامہ صبح ہونے تک
رکھو نہ شمع پہ اے اہل انجمن تکیہ

اگرچہ پھینک دیا تم نے دور سے لیکن
اٹھائے کیوں کہ یہ رنجور خستہ تن تکیہ

غش آگیا جو پس از قتل میرے قاتل کو
ہوئی ہے اس کو مری نعش بے کفن تکیہ

شب فراق میں یہ حال ہے اذیت کا
کہ سانپ فرش ہے اور سانپ کا ہے من تکیہ

روا رکھو نہ رکھو تھا جو لفظ "تکیہ کلام"
اب اس کو کہتے ہیں اہل سخن "سخن تکیہ"

هم اور تم " فلک پیر " جس کو کہتے هیں
فقیر غالب مسکین کا هے کہن تکیہ *

غزل میں مرزا صاحب کا خاص انداز نمایاں هے اور شعر لطف سے بھی خالی نہیں مگر ایک تو ردیف سے کلام میں کچھہ تکلف پیدا هوگیا دوسرے دو تین کے سوا باقی سب شعر صرف " قافیہ پیمائی " نظر آتے هیں حالانکہ مرزا صاحب نے اپنی راے کو خود کئی جگہ ظاهر کیا هے کہ شاعری قافیہ پیمائی نہیں ، مضمون آفرین کا نام هے —

———:0:———

مگر یہاں همیں کلام غالب کی خصوصیات پر بحث کرنی نہیں هے - بہترین قلم یہ خدمت انجام دے چکے هیں اور یادگار غالب میں اگر جس اعتقاد اور غالب پرستی کے عنصر کی یا اِسے مغربی شاعری سے تکران کی کمی رہ گئی تھی تو اسے ڈاکٹر بجنوری مرحوم کے لاجواب مضمون نے پورا کر دیا هے - هم اس موقع پر ایک مختصر تمہید کے بعد صرف " فلسفۂ غالب " کا مطالعہ کرنا چاهتے هیں - یعنی غالب کے اردو دیوان کی روز افزوں قبولیت دیکھکر همیں اس بات پر غور کرنے کا خیال آیا کہ غالب کی تعلیم کیا هے ؟ اور کس قسم کے خیالات هیں جنہیں شاعر اپنے سامعین کے دلنشیں کرنا چاهتا هے ؟

یہ سچ هے کہ شاعری حکمت و فلسفہ نہیں مگر حکیمانہ اور فلسفیانہ ضرور هوسکتی هے - اسے درس کے نصاب میں داخل نہ کیا جاے لیکن لوگوں کے ذوق اور خیالات پر اس کے اثر سے کوی انکار نہیں کرسکتا - شاعری کی تعریف

---

* یہ غزل کسی مشاعرے کے واسطے لکھی گئی اور غالباً اس کے گل دستے میں چھپی بھی تھی - مگر حال میں اسے طالب مرحوم کی قلمی بیاض سے اڈیٹر الہلال نے نقل کر کے اپنے اخبار میں شائع کیا اور اس سے مطبع نظامی بداوں نے لے کر اپنے نسخہ دیوان غالب کے آخر میں شامل کر دیا هے —

کرنے میں اهل فکر نے عجیب عجیب موشگافیاں کی هیں-انهیں پڑھکر بعض دفعه مجھے گمان هوا که شاید تعریف کرنے والے سوچتے سوچتے شاعری کی بجاے "بهترین شاعری" کی تعریف کرنے لگے هیں اور اسی لئے اُن کے بیانات میں سخت اختلاف و بتاین نظر آتا هے- کیونکه اچھی شاعری کا تصور هر شخص کے دماغ میں جداگانه هے- ورنه میری دانست میں نفس شاعری کی همه‌گیری اس تعریف میں سماسکتی هے که "شاعری حسن بیان کا دوسرا نام هے!" وه هر زبان میں الفاظ کے صحیح اور پر تاثیر استعمال کا مستقل فن هے اور قواعد عروض-موسیقی اور تمثل سب سے بے نیاز و آزاد هے-یه چیزیں اس کے لطف و دلکشی میں اضافه کرتی هیں مگر اس کا لازمه نهیں اور اگر ایسا نه هو تو قصائد قاآنی کا ثنا خواں و هشت‌میں اور ٹاگور کی شاعری کا کبھی لطف نه اٹھاے اور نظیری کا مداح "نهال دمے" سن کر کبھی نه جھومے—

یه درست هے که هر شاعر کی شاعری پر تاثیر و حکیمانه نهیں هوتی-اسی طرح جس طرح هر نام نهاد واعظ، خطیب اور هر جبه پوش درویش صاحبدل نهیں هوجاتا-عروض و موسیقی نے شاعری کو صنعت بنادیا هے اور اکثر نا اهل شعر کهتے اور شاعر سمجھے جاتے هیں-یهی رنگ دیکھکر مرزا غالب نے فریاد بلند کی تھی که:-

آنکه صور ناله در شور نفس موزوں دمید
کاش دیدی کایں نشید شوق، فن خواهد شدن
چشم کور آئینهٔ دعوی بکف خواهد گرفت
دست شل مشاطه زلف سخن خواهد شدن

لیکن اگر مزکوره بالا تعریف تسلیم هوتو تاثیر شعر میں کسی گفتگو کی گنجائش نهیں رهتی-حسن بیان کا حباد و هر شخص نے صحبت احباب میں، بازر کی دکان میں، وعظ کی محفل میں، سیاسی جلسوں میں مشاهده کیا هوگا- وه یونانی

حکیم بھی جس نے شعرا کو اپنے خیالی ملک سے قابل اخراج قرار دیا تاثیر شعرا کا منکر نہ تھا بلکہ اس کے برے اثرات سے خوف کھاتا تھا- عالم گیر بادشاہ کی طرح جس نے دیوان حافظ کا درس حکماً موقوف کردیا تھا- بیان کرتے ہیں کہ جرمنوں کو دنیا کی نامی گرامی قوم بنانے کے اسباب قوی میں ایک شاعر کا قلم بھی ناگزیر شمار ہے—

——:o:——

یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ مرزا غالب نے مولوی رومی کی طرح رشد و ہدایت کے لئیے شاعری کا پیرایہ اختیار کیا تھا لیکن اس میں بھی کچھ کلام نہیں کہ انہوں نے محض تفنن یا عاشقانہ مضامین لکھنے کے واسطے یہ دردسری نہیں اٹھائی اور اکثر اشعار مسائل زندگی پر اُن کے افکار و آرا کا ایک جامۂ خوشنما ہیں- ابتدائی کلام سے اس قسم کے چند نمونے ملاحظہ ہوں:— غزل (۱)

شکوہ و شکر کو ثمر بیم و امید کا سمجھ
خانۂ آگہی خراب— دل نہ سمجھ بلا سمجھ

وحشت درد بے کسی بے اثر اس قدر نہیں
رشتۂ عمر خضر کو نالۂ نارسا سمجھ

اے بہ سراب حسن خلق تشنۂ سعی امتحاں
شوق کو منفعل نہ کر ناز کو التجا سمجھ

گاہ بہ خلد امید وار گہ بہ جحیم بیمناک
گرچہ خدا کی یاد ہے کلفت ما سوا سمجھ

ہے خط عجز ما و تو اول درس آرزو
ہے یہ سیاق گفتگو- کچھ نہ سمجھ فنا سمجھ

نغمہ ہے' محو سا رہ- نشہ ہے' بے نیاز رہ
رند تمام ناز رہ خلق کو پارسا سمجھ

غزل (۱)

قطع سفر هستی و ارارم فنا هیچ
رفتار نہیں بیشتر از لغزش پا هیچ

حیرت همه اسرار په مجبور خموشی!
هستی نہیں جز بستن پیمان وفا هیچ

تمثال گداز آئینه هے عزت بینش
نظارہ تحیر ' چمنستان بقا هیچ

کس بات په مغرور هے اے عجز تمنا
سامان دعا وحشت و تاثیر دعا هیچ

اسی طرح اس قصیدے کی تشبیب :—

توڑے هے عجز تنک حوصله بر روے زمیں
سجدہ تمثال وہ آئینه کہیں جس کو " جبیں "

اور یه پورا قصیدہ : ع :—

جو نه نقد داغ دل کی کرے شعله پاسبانی
تو فسردگی نہاں هے بکمین بے زبانی

جو پہلی مرتبه بحالت اصلی نسخه حمیدیه میں چھپے (صفحه ۳۰۱، ۳۰۷) فلسفیانه کلام کا نمونه هیں اور انہیں پڑھنے میں بعض وقت معلوم هوتا هے که گویا شاعر الفاظ کے راگ میں انسانی زندگی پر ایک دلچسپ و عبرت آموز خطبه گا رها هے —

یہی فلسفیت غالب کی قبولیت کا راز هے - فارسی شاعری میں بلند رتبه فلسفیانه کلام کے بہت سے نمونے موجود هیں لیکن هندوستان کے جدید تعلیم یافته جس کی نگاہ سے فارسی ادب محجوب هوتا جاتا هے - اردو زبان میں

کلام غالب کو نادر و مغتنم شے پاتے ھیں۔ سوقیانہ اور فرسودہ مضامین عاشقی کی بجاے انھیں جا بجا مشرقی تغزل کے لباس میں ایسے بلند اور حکیمانہ خیالات نظر آتے ھیں جن سے دماغ میں جودت و تازگی اور تخیل میں رفعت اور پرواز کی قوت پیدا ھوتی ھے—

غالب کے فلسفیانہ خیالات کو پرتالنا اس مضمون کا مقصود ھے—

جیسا کہ ھم نے پہلے اشارہ کیا، فلسفہ شعر کو درسی باقاعدگی کی نظر سے جانچنا نہ چاھئے۔ خیال کی دنیا جس میں شاعر مصروف سیر ھے، حقیقی دنیا سے کہیں زیادہ وسیع، کہیں زیادہ حیران ساز ھے اور بلند فکر شعرا میں بہت کم ایسے ھیں جو کسی خاص نقطے کو اپنا مطمح نظر بنا سکے ھوں ؛ ورنہ جس طرح دماغ شاعر متضاد افکار و اوھام کا مہبط ھے اسی طرح کلام شاعر میں بھی بالکل مختلف جذبات اور متباین خیالات نظر آتے ھیں۔ مرزا غالب کی شاعری اس عام قاعدے سے مستثنیٰ نہیں۔ پھر بھی غور کرنے سے اندازہ ھوسکتا ھے کہ مسائل زندگی پر اُن کی راے کیا ھے اور وہ خیال کی کن کن منزلوں سے گزری ھے۔ چنانچہ اگر ھم ان خیالات کو بطور خود چند مدارج میں مرتب کرنا چاھیں تو پہلی منزل کو شوق تماشا سے منسوب کرسکتے ھیں جس میں شاعر نہایت اشتیاق کے ساتھ صحیفۂ حیات کا مطالعہ کرنے میں مصروف ھے۔ یہ شوق کچھ عرصے کے بعد تحیر و گم گشتگی سے بدل جاتا ھے اور آخر میں اسے معلوم ھوتا ھے اس دید و تماشا کا حاصل کچھ نہ تھا۔ یہ گویا سالک راہ کی تیسری منزل تھی اور اس سے آگے بڑھنے میں اس پر ایک خاص قسم کا ھیجان و اضطراب طاری ھوتا ھے کیونکہ اگلی منزل محض یاس و تاریکی کا عالم ھے جُہاں شاعر پر دنیا کی بے ثباتی اور زندگی کی بے حقیقتی پوری طرح آشکار ھوجاتی ھے حتیٰ کہ رفتہ رفتہ وہ عالم تسلیم و فنا میں آجاتا ھے جو اگرچہ عشق کی معراج اور نہایت دلکش مقام ھے

لیکن انسان کو جیتے جی مردہ اور معطل کر دیتا ہے-اسی لئے اہل ہمت یہاں سے بھی ترقی یا رجوع الی البقا کرتے ہیں اور اسی بے بود اور محدود زندگی کو طلب صادق میں گزارنا مقصود حیات سمجھتے ہیں- مطلوب حقیقی کی طلب و تلاش کا سب سے آخری مرتبہ وہ ہے جسے صوفیہ کی اصطلاح میں وریٰ الوریٰ کہتے ہیں اور حسن ظن چاہتا ہے کہ غالب کا تصور اس مقام بلند تک پہنچا ہو جہاں طالبان شہود کو عجز ادراک کا ادراک ہوا ہے مگر بہتر ہے کہ اس کا فیصلہ خود ارباب فہم کی راے پر چھوڑ دیا جاے—

—:0:—

ا- شوق تماشا

دشت و چمن میں طرح طرح کے غنچے کھلتے دیکھکر غالب کو یہ سبق ملا ہے کہ ہر آنکھ، خواہ اس کی صلاحیت کچھ ہی ہو، کھولنے اور دیکھنے کے لئے عطا ہوئی ہے

بخشے ہے جلوۂ گل ذوق تماشا غالب

چشم کو چاہئے ہر رنگ میں وا ہو جانا

پھر، باغبان قدرت نے جو رنگیں بساط دنیا میں بچھای ہے وہ اس قابل ہے کہ خود مہر و ماہ اس کا تماشا کریں اور گل نرگس دیدۂ بینا بن جاے:—

پھر اس انداز سے بہار آئی — کہ ہوے مہر و ماہ تماشائی

دیکھو اے ساکنان خطۂ خاک — اس کو کہتے ہیں عالم آرائی

کہ زمیں ہوگئی ہے سر تا سر — روکش سطح چرخ مینائی

سبزہ و گل کے دیکھنے کے لئے — چشم نرگس کو دی ہے بینائی

یہ بہار آفرینی اور عالم آرائی جہاں بلبل کے بد نما پر کو لہلہاتا چمن بنا دیتی ہے وہیں شوق دید اور قوت سیر پیدا کر دینا بھی اس کا خاصہ ہے—

فیض سے تیرے ہے اے شمع شبستان بہار
دل پروانہ چراغاں، پر بلبل گلزار

آغوش گل ہے آئینۂ ذرہ ذرہ خاک
عرض بہار، جوہر پرواز ہے مجھے

اور اس ذوق شوق کے طفیل شاعر کو مٹی کا ہر تودہ حسن مجسم اور خاک کا ہر ذرہ نگاہ محبوب کی چمک نظر آتا ہے—

طاوس خاک، حسن نظر باز ہے مجھے
ہر ذرہ چشمک نگۂ ناز ہے مجھے

اپنے شوق کی اتنی ہمہ گیری اور دور رسی پر خود صاحب شوق کو تعجب ہے اور وہ اپنے جذبات کو کسی اور نفس کلی کی کار فرمائی سمجھنے پر مائل ہے—

جام ہر ذرہ ہے سر شار تمنا مجھسے
کس کا دل ہوں کہ دو عالم سے لگایا ہے مجھے

لیکن شوق دید کی خوبی اور صداقت یہ ہے کہ دیکھنے والا غور و تدبر کی صلاحیت پیدا کرکے اس چمن میں آئے جہاں کا ہر پتا صحیفۂ کاینات کا پر معنی ورق ہے—

بے چشم دل نہ کر ہوس سیر لالہ زار
یعنی یہ ہر ورق، ورق انتخاب ہے

اس مضمون کو مرزا نے اور بھی کئی جگھہ بیان کیا ھے کہ اگر انسان غفلت و خود پسندی میں مبتلا نہ رھے تو گھانس کے ھر پتّے میں صنعت ایزدی اور پتھر کے ھر ٹکڑے میں خود صانع کا ظہور جلوہ نما ھے:—

غافل بو ھم ناز خود آرا ھے ورنہ یاں
بے شانۂ صبا نہیں طرہ گیاہ کا

اے وائے غفلت نگہہ شوق ورنہ یاں
ھر پارہ سنگ، لخت دل کوہ طور تھا

مرزا اس بات سے نا واقف نہیں کہ ارباب شوق کو بعض اوقات اپنے مقصد میں سخت نا کامی ھوتی ھے لیکن وہ اس سے بد دل نہیں ھوتے۔اُن کے نزدیک چشم بصیرت کو کُل کا مشاھدہ کرنے کے لئے ایک جزو کا دیکھہ لینا کافی ھے—

کیا فرض ھے کہ سب کو ملے ایک سا جواب
آؤ نہ ھم بھی سیر کریں کوہ طور کی

قطرے میں دجلہ دکھائی نہ دے اور جزو میں کُل
کھیل لڑکوں کا ھوا دیدۂ بینا نہ ھوا

———:o:———

۲-عالم تحیر و گم گشتگی

لیکن شوق تماشا جب اس طرح با معنی اور بالمقصد ھو جاے تو پھر سالک کو بہت دن عالم حیرت میں رھنا پڑتا ھے کیونکہ فطرت کے ازلی اور عالمگیر حسن کے رموز سمجھنا کوئی آسان بات نہیں ھے—

ہنوز محرمی حسن کو ترستا ہوں   کرے ہے ہر بن مو کام چشم بینا کا

سراغ آوارۂ عرض دو عالم شور محشر ہوں
پر افشاں ہے غبار آنسوے صحراے عدم میرا

یعنی طالب تلاش حقیقت میں بھٹکتے بھٹکتے عدم کے پار پہنچ گیا ہے اور وہاں بھی بصورت غبار ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔یا اُس کی مثال شمع کی سی ہے جو کسی کی جستجو میں ہر طرف رخ کئے کھڑی جل رہی ہے مگر اُسے کہیں نہیں پاتی—

شمع ہوں لیکن بہ پا در رفتہ خار جستجو
مدعا گم کردہ ہر سو ہر طرف جلتا ہوں میں

خود حیرت کی مرزا نے لباس جسمانیت میں عجیب و غریب تصویر کھینچی ہے کہ وہ ایک دیوانہ ہے جسے شوق نظارہ نے مقید کر رکھا ہے اور اسی لئے وہ زنجیر جس میں اسے جکڑا ہے چشم تماشائی کے حلقوں سے بنی ہے—

وحشی خو کردۂ نظارہ ہے حیرت جسے   حلقۂ زنجیر جز چشم تماشائی نہیں

اس طلسم حیرت میں جہاں حقایق و معارف کی تجلی گردش ساغر کی طرح پیہم و متصل ہے، سالک زندگی کا مقصود ہی حیرانی کو سمجھنے لگتا ہے—

گردش ساغر صد جلوۂ رنگیں تجھسے   آئینہ داری یک دیدۂ حیراں مجھسے

یہاں تک کہ تمام کائنات دل مبہوت کی مثل جلوۂ حقیقی کی جستجو میں "آئینۂ حیراں" نظر آنے لگتی ہے۔: ع:

از زرہ تابہ مہر دل و دل ہے آئینہ

کس کا سراغ جلوہ ہے حیرت کو اے خدا
آئینہ، فرش ششجہت انتظار ہے

یہ وہ مقام ہے جہاں اہل باطن کے نزدیک اکتساب و کوشش کے پاؤں ٹوٹ جاتے ہیں اور جس سے آگے جانا بجز تائید غیبی اور توفیق الہی کے ممکن نہیں۔ یہاں سالک پر ایک قسم کی سراسیمگی اور مایوسی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے —

حیرت حجاب جلوہ و وحشت غبار راہ
پائے نظر بہ دامن صحرا نہ کیجئے

ہستی ہے نہ کچھ عدم ہے غالب — آخر تو کیا ہے اے نہیں ہے

یہ اور اسی قبیل کے اشعار جن کی بنا پر بجنوری مرحوم نے غالب کو گروہ مشککین میں شامل کر دیا ہے میری دانست میں اسی عالم حیرت کے واردات ہیں جہاں تمثال تماشا کی فراوانی نے تماشائی کو اس قدر متحیر و مبہوت کر دیا ہے کہ اسے اپنے عجز و شرمندگی کا اظہار کرنے کی بھی قوت باقی نہیں رہی —

تمثال تماشا ہا اقبال تمنا ہا — عجز عرق شر ہے اے آئینہ حیرانی

اور اس عالم سے جب کہ اوپر اُٹھایا جا رہا ہے، اس وقت بھی سالک کی رائے تردد و شک سے خالی نہیں ہے —

میں ہوں اور حیرت جاوید، مگر ذوق خیال
بہ فسون نگہ ناز ستاتا ہے مجھے

—:o:—

۳- حاصل بے حاصلی

اس حیرت و پریشانی سے نجات اس وقت ملتی ہے جب یہ ظاہر ہو جاے که دید و تلاش بے سود اور اس کا نتیجہ ہیچ ہے-لوگ جسے منزل پر پہنچنا سمجھے ہیں اصل میں وہ تھک کر بیٹھہ رہنا ہے۔ورنہ منزل مقصود ہی موہوم ہے تو اُس تک کسی کی رسائی کیونکر ہو—

"رسیدن" گُل باغ واماندگی — عبث محفل آراے رفتار ہیں ہم

ہر قدم دوری منزل ہے نمایاں مجھسے
میری رفتار سے بھاگے ہے بیاباں مجھسے

دوسرے شعر میں اشارہ نکلتا ہے کہ خود وہ منزل مشتبہ ہے جس کی تلاش میں یہ تگ و دو ہو رہی تھی !س لئے اس مقام پر دنیا کی ہر دلکش اور قابل تماشا شے بیکار و بے معنی' بے نظم اور بے تکی نظر آتی ہے-انسانی ہستی ایک پیچ در پیچ طومار ہے جس کا کوئی مدعا نہیں اور فصل بہار چند عناصر کا مجموعہ ہے جس میں وحشت و پریشانی کے سوا کوئی اتحاد و رابطہ نہیں:—

نہ ہو وحشت کش درس سراب سطر آگاہی
میں گرد راہ ہوں بے مدعا ہے پیچ وخم میرا

ربط یک شیرازۂ وحشت ہیں اجزاے بہار
سبزہ بیگانہ' صبا آوارہ' گل ناآشنا

خلاصہ یہ کہ ہماری سیروتلاش اور جس شے کی سیروتلاش میں تھے وہ

سب ھیچ اور خواب وخیال ھیں—

تھا خواب میں خیال کو تجھسے معاملہ
جب آنکھ کھل گئی نہ زیاں تھا نہ سود تھا

یہی وہ قیام ھے جہاں پہنچ کر سیر وتماشا جس کا وہ کچھ شوق لےکر چلے تھے، دیوانہ پن معلوم ھونے لگتا ھے اور آنکھ کا کھلنا اور بند ھونا تازیانہ ندامت کا کام دیتا ھے—

زبس کہ مشق تماشا جنوں علامت ھے
کشاد وبست مژہ سیلئی ندامت ھے

مرزا صاحب اھل غفلت کے حال پر، جنھیں پہلے طعن دیتے تھے اب رشک کرتے ھیں اور کہتے ھیں کہ یہ اُن سے اچھے ھیں جو جو ھوشیار ھوے مگر دنیا کی آگہی سے پریشانی کے سوا کچھ نہ پایا—

رشک ھے آسایش ارباب غفلت پر اسد
پیچ و تاب دل نصیب خاطر آگاہ ھے

اسد، جمعیت دل در کنار بیخودی خوشتر
دوعالم آگہی سامان یک خواب پریشاں ھے!

بے حاصلی کا احساس، یاس و نومیدی کا آغاز ھے۔ لیکن اس موقع پر شاعر کے دل میں غیریت کا ھیجان پیدا ھوتا ھے کہ کہیں اس مایوسی کو شوق کی کمی، اور اظہار یاس کو اس کی کم ظرفی پر محمول نہ کیا جاے چناچہ جابہ جا صداقت و افراط شوق کا دعوی کرتا ھے اور اپنی قوت ضبط اور عالی

ظرفی کوبار بار جتاتا ہے۔ ان مضامین کو جس جوش کے ساتھ مرزا غالب نے لکھا ہے، اسے یقیناً ہر غالب شناس جانتا ہوگا۔ مختصر طور پر اتنا لکھنا کافی ہے کہ مرزا کا معیار عشق بہت بلند ہے۔ عشاق کی ساری تاریخ میں وہ صرف قیس عامر کو عشق میں کامل اور منتخب سمجھے ہیں ورنہ خضر و موسیٰ علیہما لسلام اور منصور و فرہاد سب کی قابلیت عشق میں انہیں کلام ہے وہ اپنے ظرف کی وسعت اور شوق کی تشنگی کو خلیج ساحل سے تشبیہ دیتے ہیں جس میں بے تکلف سمندر سما جائے —

بقدر ظرف ہے ساقی خمار تشنہ کامی بھی
جو تو دریائے مے ہے تو میں خمیازہ ہوں ساحل کا

انہیں شکایت ہے کہ وہ بجلی جس کی طور کو تاب نہ آئی تھی اُن پر کیوں نہ گری —

گرنی تھی ہمپہ برق تجلی نہ طور پر
دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھکر

لیکن اس عالی ظرفی کے باوجود دل میں شوق کا جو طوفاں برپا ہے وہ ضبط کے پردے میں چھپائے نہیں چھپ سکتا بلکہ جس طرح سمندر کی موجیں ساحل کی گودیوں تک پہنچ کر بے اختیار اُچھل جاتی ہیں اور طوفان کا حال کھل جاتا ہے اسی طرح وہ تلاطم جو سینے کے اندر بپا ہے پھیلتے پھیلتے جسم کی بالائی سطح تک پہنچتا اور "زخم نمایاں" کی صورت میں سامنے آجاتا ہے —

ذوق سرشار سے بے پردہ ہے طوفاں میرا
موج خمیازہ ہے ہر زخم نمایاں میرا

دوسرے" آخر تک ضبط کا قائم رہنا، افراط شوق کے منافی ہے اور وہ گریبان جس کا چاک سلامت رہ گیا، گویا ایک ناشگفتہ پھول ہے جیسے

غنچے کی صورت میں مقید و مجبور کردیا گیا ہو—

چاک گریباں کو ہے ربط تامل ہنوز
غنچے میں دلتنگ ہے حوصلۂ گل ہنوز

غم عشق کی دائمی آتش کو دل جیسی نازک چیز میں چھپانا محال، اور اگر کبھی بتقاضاے بشریت دامن ضبط ہاتھ سے چھوٹ جاے تو یہ خطا قابل معافی ہے—

لپٹنا پرنیاں میں شعلۂ آتش کا آساں ہے
ولے مشکل ہے حکمت دل میں سوز غم چھپانے کی

رونے سے اے ندیم ملامت نہ کر مجھے
آخر کبھی تو عقدۂ دل واکرے کوئی

۴-عالم یاس و نو امیدی

اس عذر معذرت کے بعد کامل یاس کا اظہار شروع ہوتا ہے اور بزم حسن و عشق کی ناپاے داری پر شاعر اس طرح راے زن ہے کہ:-

بزم داغ طرب و باغ کشاد پر رنگ
شمع و گل تا کے و پروانہ و بلبل تا چند

یک نظر بیش نہیں فرصت ہستی غافل
گرمی بزم ہے اک رقص شرر ہونے تک

دنیا کی تمام خوشیاں محض عارضی اور قابل مضحکہ ہیں—

ہے عدم میں غنچہ محو عبرت انجام گل
یک جہاں زانو تامل در قفائے خندہ ہے

جائے استہزا ہے عشرت کوشئی ہستی اسد
صبح و شبنم فرصت نشو و نما خندہ ہے

زندگانی نہیں بیش از نفس چند اسد
غفلت آرامی یاراں پہ ہیں خنداں گل و صبح

تنگنائے دھر میں خوشدلی کی خفیف سی ہوس فوری خرابی کا سامان ہے۔

برہم ہے بزم غنچہ بہ یک جنبش نشاط
کاشانہ بسکہ تنگ ہے غافل ہوا نہ مانگ

اس مقام پر نفس انسانی کی کمال بے حقیقتی آشکار ہوتی ہے۔ مرزا اپنی ہستی کو صدا سے تشبیہہ دیتے ہیں جو بلند ہوتے ہی فضا میں معدوم ہو جائے۔ پھر یہ صدا بھی گویے کی تان یا رباب کے تار کی آواز نہیں، جس میں فی الجملہ دلکشی پائی جائے بلکہ — فقط ٹوٹنے اور ختم ہونے کی آواز ہے —

نہ گُل نغمہ ہوں نہ پردۂ ساز
میں ہوں اپنی شکست کی آواز

ہستئی مایوس کی مرزا کے تخیل نے جو تصویریں اتاری ہیں، اُن پر سر سری نظر ڈالنے سے بھی آدمی سناٹے میں آجاتا ہے: —

سراپا یک آئینہ دار شکستن
ارادہ ہوں یک عالم افسردگاں کا

همه نا امیدی همه بد گمانی
میں دل هوں فریب وفا خوردگاں کا
بصورت تکلف، به معنی تاسف
اسد میں تبسم هوں پژمردگاں کا

خموشی میں نہاں خوں گشته لاکھوں آرزوئیں هیں
چراغ مردہ هوں میں بے زباں گور غریباں کا

آخر غور کرتے شاعر حکماے رواقیه کے اس نتیجے تک پہنچ جاتا ہے که هستی کا مقصود هی نیستی ہے-یه کہنا که جو چیز وجود میں آی فنا هوگی بیان کی غلطی ہے کیوں که وجود میں آنا بجاے خود ناقص و نا تمام فعل ہے جب که اس کا پورا هونا فنا پر موقوف هو-اسی لئے خود زندگی کی سرگرمی دیکھکر مرزا کو یقین هوتا ہے که یه فناکی تیاریاں هیں:-

مری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی
هیولی برق خرمن کا ہے خون گرم دهقاں کا

کارگاہ هستی میں لاله داغ ساماں ہے
برق خرمن راحت خون‌گرم دهقاں ہے

محیط دهر میں بالیدن، از هستی گزشتن ہے
که یاں هر اک حباب آسا شکست آمادہ آتا ہے

آفرینش کے تمام اجزا زوال پذیر هیں-یہاں تک که چشم حقیقت بیں کو سورج کا عظیم کرۂ آتشیں محض ایک ٹمٹماتا دیا نظر آتا ہے جو هوا کے جھونکوں

میں بجھنے کے لئے رکھدیا گیا ہو—

ہیں زوال آمادہ اجزا آفرینش کے تمام
مہر گردوں ہے چراغ رہ گزار باد یاں

اسی لئے مرزا صبح کے طلوع کو فقط شام ہونے کے آثار میں شمار کرتے ہیں—

صبح سے معلوم آثار ظہور شام ہے غافلان! آغاز کار آئینۂ انجام ہے

—:o:—

۵-مقام تسلیم و فنا

طالب حقیقت کے عالم مایوسی سے نکلنے کی عجیب راہ یہ پیدا ہوتی ہے کہ اُن چیزوں کی طرف سے جن کی بے حقیقتی منکشف ہوئی تھی اس کا دل ہی سرد ہو جاتا ہے —

تن بہ بند ہوس در نہ دادہ رکھتے ہیں
دل زکار جہاں اوفتادہ رکھتے ہیں

اس "دل افتادگی" کے طفیل یاس جاوداں کو برداشت کرنے کی مشکل حل ہو جاتی ہے—

بہ فیض بے دلی نو میدی جاوید آساں ہے
کُشائش کو ہمارا عقدۂ مشکل پسند آیا

اور سالک کو یاس و نا مرادی میں ایسی مستقیم دلجمعی کا لطف آتا ہے جو امید خام کے طوفان میں ممکن نہ تھا کیوں کہ صرف کامل یاس کی حالت میں وہ اپنے آپ کو ساری دنیا سے خوش دل و مطمئن پاتا ہے —

خاک بازئی اُمید کار خانۂ طفلی
یاس کو دو عالم سے لب بخندہ وا پایا

وحشت اگر رسا ہے، بے حاصلی ادا ہے
پیمانۂ ہوا ہے مشت غبار صحرا۔

پس یہاں اگر اسے کوئی خواہش ہوسکتی ہے تو یہ کہ وہ دل ملے جس میں کسی خواہش کا گزر نہ ہو—

گر تجھہ کو ہے یقین اجابت دعا نہ مانگ
یعنی بغیر یک دل بے مدعا نہ مانگ

یہ کامل تعطل کا مقام ہے جہاں رفتہ رفتہ امید و نا امیدی کی بحث ختم ہوجاتی ہے اور ہر قسم کی آرزو موجب زحمت و تعب محسوس ہوتی ہے:—

چہ امید و نا امیدی، چہ نگاہ و بے نگاہی
ہمہ عرض نا شکیبی ہمہ ساز جانستانی
اگر آرزو ہے راحت تو عبث بخوں طپیدن
کہ خیال ہو تعب کش بہ ہوائے کامرانی
شر و شور آرزو سے تب و تاب عجز بہتر
نہ کرے اگر ہوس پر غم بے دلی گرانی

بہ پیچ و تاب ہوس سلک عافیت مت توڑ
تجھے کہ عجز سر رشتۂ سلامت ہے

اس حال میں شوق تماشا ایک گناہ معلوم ہوتا ہے اور نہ گریباں آرای کا ذوق باقی رہتا ہے نہ دامن دری کی شکایت:—

تماشاے گلشن، تمناے چیدن
بہار آفرینا! گنہگار ہیں ہم!
نہ ذوق گریباں نہ پرواے داماں
نگہ آشناے گل و خار ہیں ہم

یہاں دل بے مدعا کو غم و عشرت دونوں یکساں مقبول ہیں:—

غم و عشرت قدمبوس دل تسلیم آئیں ہے
دعاے مدعا گم کردگان عشق "آمیں" ہے!

یہ تسلیم اس علم و یقین کی بنا پر ہے کہ وہی مختار حقیقی جس کے ہاتھ میں اسباب راحت و کامیابی ہیں، بندہ نامراد کا بھی اصلی مالک و خبر گیراں ہے اور مناسب حال سمجھتا تو اسے کامیابی سے ہمکنار کرنے میں کیا دیر لگتی۔ اس عارفانہ مضمون کو مرزا غالب نے جس بلیغ استعارے میں ادا کردیا وہ شاعری کا اعجاز ہی۔ فرماتے ہیں—

اسد سوداے سرسبزی سے ہے تسلیم رنگیں تر
کہ کشت خشک اُس کا ابر بے پروا خرام اُس کا!

پھر یہ کہ جس "ساقی" سے معاملا پڑا ہے اس کی شان اتنی بلند و ارفع ہے کہ جب تک یہ عبد ذلیل بالکلیہ اپنے آپ کو اس کے حوالے نہ کردے اس کے ساتھ کوئی "سودا" ہو نہیں سکتا۔ بہ الفاظ دیگر، کامل تسلیم کے سواے طالب و مطلوب حقیقی عزاسمہ میں اور کوئی سبیل ربط کی ممکن نہیں ہے—

دل و دیں نقد لا ساقی سے گر سودا کیا چاہے
کہ اس بازار میں ساغر، متاع دستگرداں ہے

عالم تسلیم میں عشق مزاجی کا کوئی شائبہ باقی نہیں رہتا لیکن مطلوب سے ملنے کی آرزو شوق فنا پیدا کر دیتی ہے۔ طالب حصول فنا کے لئے بیتاب ہے اور اسے اپنی معراج خیال کرتا ہے—

ڈھونڈے ہے اُس مغنی آتش نفس کو جی
جس کی صدا ہو جلوۂ برق فنا مجھے

ع: عشرت قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا!

بزرگان صوفیہ نے فنا کو عشق کا ایک مرتبہ شمار کیا ہے اور اس کی جیسی تفصیل و تشریح کی ہے اس کے مقابلے میں مرزا کا بیان ادھورا ہے مگر فنا کی تعریف میں اسے کائنات کے متبائن و منتشر اجزا کا واحد ذریعہ اتحاد قرار دینا، غالباً مرزا کی اپنی تلاش و مضمون آفرینی ہے—

نظر میں ہے ہماری جادۂ راہ فنا غالب
کہ یہ شیرازہ ہے عالم کے اجزائے پریشاں کا!

پھر مرزا کہتے ہیں کہ نقائص طبعی کی پردہ پوشی بغیر فنا کے اور کسی طرح ممکن بھی نہ تھی—

ڈھانپا کفن نے داغ عیوب برہنگی
میں ورنہ ہر لباس میں ننگ وجود تھا

—:o:—

۶- رجوع الی البقا

نہ لائی شوخئی اندیشہ تاب رنج نومیدی
کف افسوس ملنا عہد تجدید تمنا ہے!

درجۂ فنا کو جو راہ سلوک میں حاصل ہوتا ہے اگر دوام ہو تو انسان کی زندگی بیکار ومعطل ہو جائے اور ترک دنیا یا رہبانیت اختیار کئے بغیر کوی چارہ نہ رہے حالانکہ اس طرح خود روحانیت کی تکمیل نہیں ہوسکتی کیونکہ زندگی میں روح وجسم کا تعلق خوشبو اور پھول کا سا ہے کہ جب تک قوانین فطرت کے مطابق پھول کو پورا نشوونما اور بالیدگی نہ حاصل ہوگی، اس میں پوری مہک نہ آئے گی، اسی لئے آگے چل کر مرزا فنا کو طلب صادق کا وسطی مرحلہ تجویز فرماتے ہیں—

تھی نو آموز فنا ہمت دشوار پسند
سخت مشکل ہے کہ یہ کام بھی آسان نکلا

شعر کے دوسرے مصرع میں ایک لطیف اشارہ نکلتا ہے کہ "بقا بعد فنا" یا مرتبۂ فنا سے گزرنے کے بعد کی زندگی، عالم فنا سے بھی زیادہ دشوار ہے اور اسی مجبور ومقید زندگی میں، مطلوب اصلی کی دھن میں رہنا عشق، بلکہ ایمان کا کمال ہے جسے لوگ جنون تعبیر کرینگے-شاید اسی حالت کو مرزا ایک عجیب تشبیہ دے کر سمجھاتے ہیں جس سے بہتر خیال میں نہیں آتی—

مثال یہ مری کوشش کی ہے کہ مرغ اسیر
کرے قفس میں فراہم خس آشیاں کے لئے

یہاں یہ حقیقت نہایت صفای سے شاعر کے ذہن نشین ہو جاتی ہے کہ ہم کو انسان کی طول طویل کوشش و آرزو کا نتیجہ دنیا میں بہت ہی خفیف و حقیر

میسر آتا ہے یا بالکل نہیں آتا، بایں ہمہ اس کی فطرت صحیح کا مقتضیٰ ہی یہ ہے کہ تھکے جاے اور کوشش کئے جاے: —

باعث واماندگی ہے عمر فرصت جو مجھے
کر دیا ہے پابہ زنجیر رم آہو مجھے

اسی لئے مرزا تاکید کرتے ہیں کے اگر اصلی حاصل دستیاب نہ ہو تو بھی مایوس و بے کیف ہو کر انتظار سے ہاتھ اٹھانا نہ چائے —

نفس نہ انجمن آرزو سے باہر کھینچ
اگر شراب نہیں انتظار ساغر کھینچ

۷- مقام وری الوری

مرزا غالب وحدت وجود کے قائل ہیں لیکن معلوم ہوتا ہے اسلامی تعلیم کے اثر سے کبھی کبھی انکا فکر بلند مقام "وری الوری" تک رسا ہو جاتا ہے۔ واضح رہے کہ یہاں بعض بزرگان باخدا کے ان کلمات سکر کا ذکر نہیں ہے جو کبھی کبھی کمال محویت واستغراق کی حالت میں مجذوبانہ ان کی زبان سے نکل گئے ہیں اور ان سے اتحاد وعینیت کی بو آتی ہے۔ بلکہ یہاں ہماری مراد اس نظری فلسفے سے ہے جس کے ماننے والوں میں قدیم ہندویونان کے حکما، مصروشام کے مسیحی اور بعد کے مسلمان فلاسفہ، دہری و لاردری، مذہبی اور ملاحدہ سبھی قسم کے حضرات شامل ہیں اور نئے نئے پیرایوں میں اس مطلب کو ظاہر کرتے ہیں کہ مخلوقات ذات خالق سبحانہ وتعالےٰ شانہ ہی کی ایک دوسری صورت یا "شئونات" ہیں۔ یہ سارا فلسفہ عجیب قیاسات و مفردضات نیز متضاد دلائل پر مبنی ہے جن کی بظاہر نہ کوی معقول توجیہ ہو سکتی ہے نہ یقینی تصدیق۔ اور اگر طالب علم مصطلحات کے رعب میں نہ آے تو عجیب نہیں

کہ ارباب وحدت وجود کے تصویر خدا اور ہیولی میں کچھہ زیادہ فرق نہ رہے۔ نعوذ باللہ من ذالک—

مرزا غالب کے ہاں بھی اس مضمون کے شعر جا بجا آتے ہیں—

ہے مشتمل نمود صور پر وجود بحر
یاں کیا دھرا ہے قطرہ و موج حباب میں

اصل و شہود و شاہد و مشہود ایک ہیں
حیراں ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں

مرزا غالب منصور کے دعوی "انا الحق" کے دل سے قائل ہیں لیکن اس کا اظہار کرنا ان کے نزدیک عالی ظرفی کے خلاف ہے—

قطرہ اپنا بھی حقیقت میں ہے دریا لیکن
ہم کو تقلید تنک ظرفئی منصور نہیں

دل ہر قطرہ ہے ساز انا البحر
ہم اُس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا؟

اے ندا گوے انا الحق ترا دعوی حق ہے
لیک دستور نہیں قطرے کو دریا کہنا

لیکن جیسا کہ ہم نے لکھا ہے ان کی عقل سلیم بعض اوقات "عجز ادراک" کی انتہائی منزل تک پہنچتی ہے اور وہ مطلوب حقیقی کے ماورا ے ادراک ہونے کا صاف صاف اعتراف کرتے ہیں—

ع: ہے پرے سرحد ادراک سے اپنا مسجود

اور جوش میں آکے کہتے ہیں کہ دید کی یہی نارسائی تو تھی جس نے طالب دید کی چشم نظارہ طلب کو جلادیا—

ناکامئی نگاہ ہے برق نظارہ سوز
تو وہ نہیں کہ تجھکو تماشا کرے کوی!

پس حضرت حق سبحانہ کا جلوہ مطلوب ہے تو اسے ہمیشہ عقل و علم انسانی کے ماوری ڈھونڈنا چاہئیے کہ "ہرچہ در دید و دانش مے آید مقیدست و از صرافت اِطلاق متنزل- و مطلوب آنست کہ از جمیع قیود منزہ و مبری باشد- پس ماورائے دید ودانش او را باید جست - ایں معاملہ ورائے طور نظر عقل ست چہ عقل ماورائے دید و دانش را جستن محال مے داند راز درون پردہ ز رنداں مست پرس الخ" *—

مرزا نے اس نکتے کو جس شاعرانہ پیرائے میں بیان کیا ہے وہ انہی کا حصہ ہے —

خبر، نگہ کو، نگہ، چشم کو عدو جانے
وہ جلوہ کر کہ نہ میں جانوں اور نہ تو جانے!

——:o:——

یہ ایک سرسری تبصرہ تھا مرزا غالب کے فلسفیانہ خیالات کا، جنہیں ہم نے اس عہد کے متصوفانہ عقائد کو مدنظر رکھکر کہ ایک خیالی ترتیب میں مرتب کرنے کی کوشش کی اور کلام کے تقدم وتاخر کا ایک حد تک لحاظ رکھا ہے- مجموعی طور پر دیکھئیے تو یہ خیالات قوائے عملی کو مضمحل کرنے والے، یاس فزا اور حوصلہ شکن ہیں اور مسلمانوں کے عہد انحطاط کی یاد دلاتے ہیں - اسی بنا پر ہمارے ایک فاضل دوست ایک مرتبہ غالب و حافظ کا محاکمہ کرتے وقت فرماتے ہیں کہ حافظ زندگی کی مصائب و مشکلات کو چٹکیوں میں اُڑاتا ہے مگر غالب ان سے مغلوب ہو گیا ہے! یہ رائے غلط نہیں لیکن یاد رکھنا چاہئیے کہ غالب

---

* مبدء ومعاد- لحضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ

کی یہ مغلوبیت کسی نادان وہم پرست یا بزدل پست ہمت کی مغلوبیت نہیں ہے بلکہ ایسے شخص کی جس نے مسائل حیات پر عرصۂ دراز تک غور کیا اور دنیاوی زندگی اور مساعی کو نہایت پائدار اور بے حقیقت پایا ہے۔ مزید برآں ماننا پڑے گا کہ شاعر کا طبعی جوش اور زندہ دلی اُس پژمردگی کا، جو اُس کے فلسفیانہ افکار و آرا سے پیدا ہوتی ہے بہت اچھا مصلح ہے —

اجتماعی یا قومی زندگی کے معاملے میں مرزا غالب کی شاعری صفر ہے انہیں ملک و ملت سے بتقاضاے انسانیت محبت و ہمدردی تھی۔دلی کی عبرت ناک تاراجی اور نام نہاد بادشاہی کے خاتمے سے بھی یقیناً اُن کو دلی صدمہ ہوا ہو گا لیکن نہ وہ اتنے مذہبی آدمی تھے کہ محض انگریز "کفار" کا استیلا ان کے دل میں جذبۂ جہالت کی گُد گُدی پیدا کرتا۔نہ ایسے سیاسی مفکر کے اپنے ابناے ملک سے بلند ہو کر کسی قومی اور ملکی حکومت جمہوری کا خواب دیکھتے اور نہ اتنے نادان قدامت پرست کہ اپنے زمانے کی مغلیہ بد نظمی کو انگریزی کمپنی کی با قاعدہ حکومت پر ترجیح دیتے۔ذاتی طور پر ان کا حال بھی انہی ہندوستانی امرا کا سا تھا جن کی اغراض نے انہیں شروع سے انگریز حکام کے دامن دولت سے وابستہ کر دیا تھا۔پس جن حضرات نے مرزا کے اشعار میں کسی قومی تعلیم کی جھلک دیکھی یا انہیں کسی وطنی جذبے کی بنا پر اجانب کی حکومت سے برگشتہ و بد دل سمجھا ہے یہ محض ان کا حسن توہم اور بے گناہ مرزا پر اتہام ہے جس کی فی الواقع کوئی بنیاد نہیں فقط

ضمیمہ

جس زمانے میں انجمن ترقی اُردو نے دیوان غالب کا ایک عمدہ نسخہ طبع کرنے کا ارادہ کیا تو راقم الحروف نے مختلف ذرائع سے مرزا غالب کا

غیر مطبوعہ کلام بھی جمع کیا تھا۔اس میں سے بعض اشعار تو بھوپال کے نسخۂ حمیدیہ کے ساتھ چھپ گئے اور بعض غزلیں اور قطعات بداونی نسخے میں شامل کر لئے گئے ہیں۔لیکن ان کے علاوہ چند قطعے اور غزلیں میرے پاس موجود ہیں جو کسی مطبوعہ دیوان میں ابھی تک مندرج اور شایع نہیں ہوئی ہیں چونکہ اب انجمن کی طرف سے کسی نئے نسخے کے طبع کرنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ اب اس باقی ساقی کلام کو انجمن کے رسالے میں چھاپ دیا جاے تاکہ آئندہ جو صاحب دیوان طبع کریں وہ اگر چاهیں تو اس کلام کو بھی شامل کر لیں جو غالباً مرزا صاحب کے آخری زمانہ کی یادگار ہے اور اسی لئے ان کے مطبوعہ دیوان میں چھپنے سے رہ گیا —

غزل (۱)

آپ نے "مسّنی الضر" کہا ہے تو سہی
یہ بھی یا حضرت ایوب گلہ ہے تو سہی

رنج طاقت سے سوا ہو تو نہ پیٹوں کیوں کر
ذہن میں خوبی تسلیم و رضا ہے تو سہی

ہے غنیمت کہ بہ اُمید گذر جاے گی عمر
نہ ملے داد مگر روز جزا ہے تو سہی

دوست ہی کوئی نہیں ہے جو کرے چارہ گری
نہ سہی لیک تمناے دوا ہے تو سہی

غیر سے دیکھئے کیا خوب نباہی اس نے
نہ سہی ہم سے، پر اس بت میں وفا ہے تو سہی

نقل کرتا ہوں اسے نامۂ اعمال میں میں
کچھ نہ کچھ روز ازل تم نے لکھا ہے تو سہی

کبھی آجاے گی کیوں کرتے ہو جلدی غالب
شہرۂ تیزی شمشیر قضا ہے تو سہی

(اس زمین میں دو غزلہ نسخہ حمیدہ میں پہلی مرتبہ چھپا ہے لیکن ذیل کی غزل ان دونوں کے علاوہ ہے)

غزل (۲)

ممکن نہیں کہ بھول کے بھی آرمیدہ ہوں
میں دشت غم میں آہوے صیاد دیدہ ہوں

ہوں دردمند، جبر ہو یا اختیار ہو
گہ نالۂ کشیدہ گہ اشک چکیدہ ہوں

جاں لب پہ آئی تو بھی نہ شیریں ہوا دہن
از بس کہ تلخی غم ہجراں چشیدہ ہوں

نے سبحہ سے علاقہ نہ ساغر سے واسطہ
میں معرض مثال میں دست بریدہ ہوں

ہوں خاکسار پر نہ کسی سے ہے مجھکو لاگ
نے دانۂ فتادہ ہوں نے دام چیدہ ہوں

جو چاہئے نہیں وہ مری قدر و منزلت
میں یوسف بقیمت اول خریدہ ہوں

ہرگز کسی کے دل میں نہیں ہے مری جگہ
ہوں میں کلام نغز و لے نا شنیدہ ہوں

اہل ورع کے حلقے میں ہر چند ہوں ذلیل
پر عاصیوں کے زمرے میں میں برگزیدہ ہوں

پانی سے سگ گزیدہ ڈرے جس طرح اسد
ڈرتا ہوں آئینہ سے کہ مردم گزیدہ ہوں *

———:o:———

۳-قصیدہ تہنیت بتقریب سالگرہ مہاراجہ الور

گنتی ہیں سال کے رشتے میں بیس بار گرہ
ابھی حساب میں باقی ہیں سو ہزار گرہ
گرہ کی ہے یہی گنتی کہ تا بروز شمار
ہوا کرے گی ہر اک سال آشکار گرہ
یقین جان برس گانٹھہ کا جو تاگا ہے
یہ کہکشاں ہے کہ ہیں اس میں بے شمار گرہ
گرہ سے اور گرہ کی اُمید کیوں نہ بڑھے
کہ ہر گرہ کی گرہ میں ہیں تین چار گرہ
دکھا کے رشتہ کسی جوتشی سے پوچھا تھا
کہ دیکھہ کتنی اُٹھا لاے گا یہ تار گرہ
کہا کہ چرخ پہ ہم نے گنی ہیں نو گرہیں
جو یاں گنیں گے تو پائیں گے نو ہزار گرہ
خود آسماں ہے مہاراجہ راو پر صدقے
کرے گا سینکڑوں اس تار پر نثار گرہ
وہ راجہ راو بہادر کہ حکم سے جن کے
رواں ہو تار پہ فی‌الفور دانہ وار گرہ

---

* یہ صائب کے مشہور شعر کا گویا اُردو ترجمہ ہے—
چوں سگ گزیدہ کہ نخواهد کہ آب دیہ
آئینہ می گزد من مردم گزیدہ را

انھی کی سالگرہ کے لئے ہے سال بہ سال
کہ لائے غیب سے غنچوں کی نو بہار گرہ

انھی کی سالگرہ کے لئے بناتا ہے
ہوا میں بوند کو ابرتگرگ بار گرہ

انھی کی سالگرہ کی یہ شادمانی ہے
کہ ہو گئے ہیں گہر ہائے شاھوار گرہ

انھی کی سالگرہ کے لئے ہے یہ توقیر
کہ بن گئے ہیں ثمر ہائے شاخسار، گرہ

سن اے ندیم برس گانٹھ کے یہ تاگے نے
تجھے بتاؤں کہ کیوں کی ہے اختیار گرہ

پئے دعائے بقائے جناب فیض مآب
لگیگی اس میں ثوابت کی استوار گرہ

ہزار دانہ کی تسبیح چاھتا ہے بنے
بلا مبالغہ درکار ہے ہزار گرہ

عطا کیا ہے خدا نے وہ جاذبہ اس کو
کہ چھوڑتا ہی نہیں رشتہ زینہار گرہ

کشادہ رخ نہ پھرے کیوں جب اس زمانے میں
بچے نہ از پئے بند نقاب یار گرہ

متاع عیش کا ہے قافلہ چلا آتا
کہ جادہ رشتہ ہے اور ہے شتر قطار گرہ

خدا نے دی ہے وہ غالب کو دستگاہ سخن
کروروں ڈھونڈ کے لاتا یہ خاکسار گرہ

کہاں مجال سخن سانس لے نہیں سکتا
پڑي ہے غم کی مرے دل میں پیچدار گرہ

گرہ کا نام لیا پر نہ کر سکا کچھہ بات
زباں تک آکے ہوی اور استوار گرہ

کھلے یہ گانٹھہ تو البتہ دم نکل جاے
بری طرح سے ہوی ہے گلے کا ھار گرہ

ادھر نہ ہوگی توجہ حضور کي جب تک
کبھی کسی سے کھلیگی نہ زینہار گرہ

دعا یہ ھے کہ مخالف کے دل میں از رہ بغض
پڑی ھے یہ جو بہت سخت نا بکار گرہ

دل اس کا پھوڑ کے نکلے بشکل پھوڑے کے
خدا کرے کہ کرے اس طرح ابھار گرہ

———:o:———

۴-نامہ منظوم-بخدمت لفٹنٹ گورنر پنجاب

کرتا ھے چرخ روز بصد گونہ احترام
فرماں رواے کشور پنجاب کو سلام

حق گو و حق پرست و حق اندیش حق شناس
نواب مستطاب امیر شہ احتشام

جم رتبہ میکلوڈ بہادر کہ وقت رزم
ترک فلک کے ھاتھہ سے وہ چھین لیں حسام

جس بزم میں کہ ہو انہیں آھنگ میکشی
واں آسمان شیشہ بنے، آفتاب، جام

چاہا تھا میں نے تم کو سہ چاردہ لکھوں
دل نے کہا کہ یہ بھی ہے تیرا خیال خام

دو رات میں تمام ہے ہنگامہ ماہ کا
حضرت کا عزو جاہ رہے گا علی الدوام

سچ ہے تم آفتاب ہو جس کے فروغ سے
دریاے نور ہے فلک آبگینہ فام

میری سنو کہ آج تم اس سر زمین پر
حق کے تفضلات سے ہو مرجع انام

اخبار لودھیانہ میں میری نظر پڑی
تحریر ایک جس سے ہوا بندہ تلخ کام

ٹکڑے ہوا ہے دیکھ کے تحریر کو جگر
کاتب کی آستیں ہے مگر تیغ بے نیام

وہ فرد جس میں نام ہے میرا غلط لکھا
جب یاد آگئی ہے لیا ہے کلیجہ تھام

سب صورتیں بدل گئیں ناگاہ یک قلم
نمبر رہا نہ نذر نہ خلعت کا انتظام

ستر برس کی عمر میں یہ داغ جاں گداز
جس نے جلا کے راکھ مجھے کر دیا تمام

تھی جنوری مہینے کی تاریخ تیرھویں
استادہ ہو گئے لب دریا پہ جو خیام

اس بزم پر فروغ میں اس تیرہ بخت کو
نمبر ملا نشست میں از روے اہتمام

سمجھا اسے گراب ہوا پاش پاش دل
دربار میں جو مجھپہ چلی چشمک عوام

عزت پہ اہل نام کی ہستی کی ہے بنا
عزت جہاں گئی تو نہ ہستی رہی نہ نام

تھا ایک گونہ ناز جو اپنے کمال پر
اس ناز کا فلک نے لیا مجھسے انتقام

آیا تھا وقت ریل کے کھلنے کا بھی قریب
تھا بارگاہ خاص میں خلقت کا اژدہام

اس کشمکش میں آپ کا مداح نامور
آقائے نامور سے نہ کچھہ کر سکا کلام

جوواں نہ کہہ سکا وہ لکھا ہے حضور کو
دیں آپ میری داد کہ ہوں فایزالمرام

ملک وسپہ نہ ہو تو نہو کچھہ ضرر نہیں
سلطان بروبحر کے در کا ہوں میں غلام

وکٹوریہ کا دہر میں جو مدح خوان ہو
شاہان عصر چاہئے عزت لیں اس سے وام

خود ہے تدارک اس کا گورنمنت کو ضرور
بیوجہ کیوں ذلیل ہو غالب ہے جس کا نام

امر جدید کا تو نہیں ہے مجھے سوال
بارے قدیم قاعدے کا چاہئے قیام

ہے بندے کو اعادۂ عزت کی آرزو
چاہیں اگر حضور تو مشکل نہیں یہ کام

دستور فن شعر یہی ہے قدیم سے
یعنی دعا پہ مدح کا کرتے ہیں اختتام

ہے یہ دعا کہ زیرنگیں آپ کے رہے
اقلیم ہند و سندھ سے تا ملک روم وشام

———:o:———

۵-رقعہ منظور بنام علائی (رئیس لوہارو) *

خوشی ہے یہ آنے کی برسات کی
پئیں بادۂ ناب اور آم کھائیں

سر آغاز موسم میں اندھے ہیں ہم
کہ دلی کو چھوڑیں لوہارو کو جائیں

سوا "ناج" کے جو ہے مقلوب جاں
نہ واں آم پائیں نہ انگور پائیں

ہوا حکم باورچیوں کو کہ ہاں
ابھی جا کے پوچھو کہ کل کیا پکائیں

وہ کھٹے کہاں پائیں املی کے پھول
وہ کڑوے کریلے کہاں سے منگائیں؟

فقط گوشت، سو بھیڑ کا ریشہ دار
کہو اس کو کیا کھا کے ہم حظ اٹھائیں

---

* پہلی دو غزلیں اور دو قطعی نواب احمدسعید خان صاحب طالب مرحوم کے قلمی کلیات غالب (اردو) سے مجھے ملے اور یہ منظوم رقعہ جو نواب علاالدین احمدخاں مرحوم کو لوہارو بلانے کے جواب میں بھیجا گیا تھا، نواب صاحب موصوف کے بیاض سے دستیاب ہوا ہے :-- (ہاشمی)

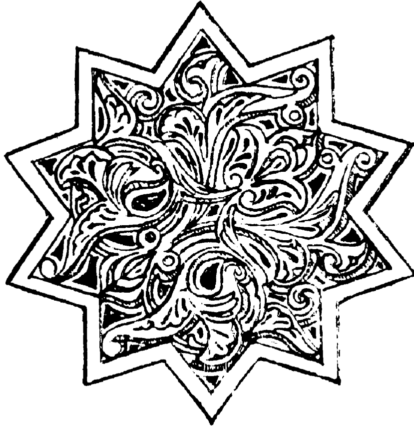
قطعه

خوانی بسوے خویش وندانی که مرده ام

دانی که مرده ره را ورسم خرام نیست

نے شیخ سدو ام نه اله بخش مرگ من

از عالم جنابت ومرگ حرام نیست



آئندہ کا خواب

از

(جناب مولانا وحید الدین صاحب سلیم)

یورپ کے بعض مدبرین کا خیال ہے کہ ایک اور عظیم الشان جنگ ظہور میں آئے گی اور حب وطن اور حب قوم نے جو ہنگامے برپا کر رکھے ہیں، وہ اس جنگ کے بعد فرو ہو جائیں گے اور دنیا حب انسان کا سبق سیکھے گی۔ آیندہ مختلف قوموں، ملکوں اور مذہبوں کے انسان روا داری، انصاف اور مساوات کا برتاؤ باہم کریں گے۔ آئندہ کے متعلق یہ دلکش خواب ذیل کی نظم میں بیان کیا گیا ہے —

روز آئندہ کے عریاں نظر آتے ہیں مجھے
پھر نئی جنگ کے ساماں نظر آتے ہیں مجھے

کئی قوموں کا چھلکنے کو ہے پیمانۂ عمر
ٹوٹتے شاہوں کے پیماں نظر آتے ہیں مجھے

آنے والے ہیں جو ہنگامے قیامت انگیز
پردۂ غیب میں پنہاں نظر آتے ہیں مجھے

پھر اُفق پر نظر آتی ہے کدورت کی گھٹا
اُٹھتے پھر غیظ کے طوفاں نظر آتے ہیں مجھے

اُٹھ گئے مہر کے جذبات دلوں سے اک بار
نازل اب قہر کے فرماں نظر آتے ہیں مجھے
نظر آتے نہیں ارام و سکوں کے آثار
لرزہ میں دھر کے ارکاں نظر آتے ہیں مجھے

سر کشی دیکھہ کے افراد بشر کی پیہم
ملک انگشت بدنداں نظر آتے ہیں مجھے
عقلیں اب امن کی تدبیر سے عاجز ہین تمام
فلسفے سر بگریباں نظر آتے ہیں مجھے

ھے یہ اُس جنگ کا آغاز جسے دیکھہ کے اب
دیوتا جنگ کے حیراں نظر آتے ہیں مجھے
کرتے ایجاد ہیں اس کے لئے ساماں نئے
اپنی عقلوں پہ جو نازاں نظر آتے ہیں مجھے

آگ اُگلنے کو تفنگوں نے دھن کھول دیے
خوں فشاں خنجر براں نظر آتے ہیں مجھے
قتل انساں کے لئے دوڑتی ھے برق کی رو
گیس کے بقے پریشاں نظر آتے ہیں مجھے

منہ ہیں توپوں کے کھلے چرخ بریں کی جانب
صاعقے ابر میں رقصاں نظر آتے ہیں مجھے
غول طیاروں کے افلاک کی جانب ہیں رواں
گرتے اب قلعہ و ایواں نظر آتے ہیں مجھے

بم پہ بم گرتے ہیں ہیبت ھے جہاں پر طاری
درو دیوار بھی لرزاں نظر آتے ہیں مجھے

بال و پر طایروں کے اوج ہوا پر ہیں کباب
لوٹتے خاک پہ انساں نظر آتے ہیں مجھے

آگ ہی آگ ہے پھیلی - جدھر اُٹھتی ہے نظر
شعلہ زن شہر و بیاباں نظر آتے ہیں مجھے

لہلہاتے ہوے جو کھیت تھے جنگل میں کھڑے
آتش جنگ میں سوزاں نظر آتے ہیں مجھے

محفلیں عیش و طرب کی ہوئیں برہم ساری
خاک کے ڈھیر شبستاں نظر آتے ہیں مجھے

باغ جنت نظر آتے تھے مسافر کو جہاں
اب وہ سب مرحلے ویراں نظر آتے ہیں مجھے

جن مکانوں میں بھرے عیش کے ساماں تھے تمام
اب وہ سب بے سرو ساماں نظر آتے ہیں مجھے

زیب تن جو کبھی کرتے تھے سنہری پوشاک
بچے ان شاہوں کے عریاں نظر آتے ہیں مجھے

سرخ چہرے کبھی تھے غیظ و غضب میں جن کے
اب وہی خون میں غلطاں نظر آتے ہیں مجھے

جن مقامات میں جمگھٹ تھے امیروں کے کبھی
اب وہ سب گور غریباں نظر آتے ہیں مجھے

جن کو ارباب حشم نے کبھی ٹھکرایا تھا
محتشم اب وہی دہقان نظر آتے ہیں مجھے

خال خال اب کہیں باقی ہیں ستمگار اگر
ظلم سے اپنے پشیماں نظر آتے ہیں مجھے

فتنه پروازیاں تھیں جن کی جبلت میں بھری
اب وهی امن کے خواهاں نظر آتے هیں

جس مساوات کی کرتے تھے تمنا اسلاف
اُس کے آثار نمایاں نظر آتے هیں مجھے

خود پرستی کے جہاں دوڑتے رهتے تھے سمند
حریت کے وهی میداں نظر آتے هیں مجھے

اپنی قوت پہ جو مغرور تھے بیداد سے خوش
اب وهی حق کے نگہباں نظر آتے هیں مجھے

حب اِنساں کی ضیا جن کے دلوں میں هے بھری
چہرے اُس قوم کے تاباں نظر آتے هیں مجھے

مہر والفت کا جو هے نور جہاں میں پھیلا
اُس سے آفاق درخشاں نظر آتے هیں مجھے

عدل و انصاف کی دنیامیں پھر آتی هے بہار
جس سے معمورے گلستاں نظر آتے هیں مجھے

حال پر جن کے بہاتی رهی شبنم آنسو
اب شگوفے وهی خنداں نظر آتے هیں مجھے

وہ چمن جن پہ خزاں پھیر چکی تھی پانی
اب سراپا گل و ریحاں نظر آتے هیں مجھے

بیٹھتے تھے کبھی کوے بھی نہ جن شاخوں پر
اُن پر مرغان خوش الحاں نظر آتے هیں مجھے

جو مقامات کہ اس جنگ میں دوزخ تھے بنے
اب وهی گلشن اخواں نظر آتے هیں مجھے

دوڑتی ضو ہے محبت کی جو بجلی کی طرح
سینے اِس ضو سے فروزاں نظر آتے ہیں مجھے

مختلف مذہب و ملت کے جوانان حسین
سبزہ زاروں میں خراماں نظر آتے ہیں مجھے

یہ سماں نور کا آیا جو تصور میں نظر
دیدہ و دل بھی چراغاں نظر آتے ہیں مجھے



متروکات

از

(جناب پنڈت برجموهن دتا تریه صاحب کیفی دهلوی اسسٹنٹ

فارن سکریٹری کشمیر (جموں)

طب کی کتابوں میں لکھا هے که چند برسوں کے بعد انسان کا گوشت اور پوست بالکل نیا بن جاتا هے-زیادہ تر اس وجه سے که وہ اپنی غذا کے لئے بے شمار بیرونی اشیاء کا محتاج هے اس پر بھی جراح نے جو کبھی کسی انسان کے جسم پر نشتر چلایا تھا اس کا نشان مرتے دم تک باقی رهتا هے-یهی حال دنیا کی نئی اور غیر صرفی زبانوں کا هے یعنی اخذ اور ترک اُن میں برابر جاری رهتا هے-لیکن ان کے جگری نشان اور جوهر جوں کے توں رهتے هیں—

حضرت ولی کو اُردو کا پهلا صاحب دیوان شاعر مان کر اُردو کی عمر دو سو برس سے کچھه اوپر ٹھہرتی هے-ولی مرحوم محمد شاہ گورگانی کے عهد میں دکن سے دهلی آے-اس بادشاہ کی حکومت کا زمانه سنه ۱۷۱۹ ع سے سنه ۱۷۴۹ ع تک شمار کیا جاتا هے-زبان کے باب میں یه تھوڑی سی مدت بھی کچھه حقیقت رکھتی هے؟ بلا مبالغه کهنا پڑتا هے که اُردو والوں کا اخذ اور ترک ان دو صدیوں کی قلیل مدت میں تعجب خیز اور تحسین انگیز هے- میرا روے سخن متروکات سے هے-اس لئے ماخوذات سے سروکار نهیں رکھا جاے گا—

شروع شروع میں جو لفظ یا ترکیبیں متروک قرار دی گئیں اُن کی بنیاد اس اُصول پر ہو گی کہ ریختہ یا اُردو زبان کا ذاتی تشخص اور اپنی جگہ اس کی ایک مستقل ہستی قائم کی جاے- پھر لطافت اور نغزیت، ترنم اور سلاست کا نظریہ ترک کا معیار ٹھیرا ہو گا- متقدمین اور متوسطین غالباً اسی اُصول پر کاربند رہے ہوں گے- ہاں کہیں یہ بھی ہوا کہ اُردو کی دنیا میں اپنی ایک خود مختار حیثیت تسلیم کرانے کی غرض سے زبان کی گردن پر ترک کی کُند چھری ریت کر ایک امر مابہ‌الامتیاز قائم کیا گیا- یہاں سے اُردو میں بدعت کی بنیاد پڑی—

زبان مانجھنے اور معقولیت کی بنا پر اخذ اور ترک کا سہرا شاہ حاتم کے سر ہے- شاہ صاحب محمد شاہی عہد کے شاعر اور ولی کے ہم عصر تھے- یہ تحقیق کرنا مشکل ہے کہ اُن کا زمانہ کتنی دور تک اِن کے زمانہ کا ہم ردیف ہے- شاہ حاتم نے بہت سے ہندی اور دکنی الفاظ جو ولی کے کلام کی زینت تھے ترک کر کے اُن کی جگہ فارسی کے ایسے الفاظ زبان میں داخل کئے جو غیر مانوس نہ تھے- بلکہ اُنھوں نے زبان کی اصلاح میں یہاں تک کیا کہ اپنے ابتدائی کلام میں جہاں رکیک لفظ نظر آے اس حصہ کو ہی اپنے کلیات سے خارج کر کے اپنے کئی دیوانوں سے غزلوں اور غزلوں سے شعروں کا انتخاب کر کے ایک منتخب دیوان ترتیب دیا جس کا نام دیوان زادہ رکھا- اس کے شروع میں ایک دیباچہ لکھا اور اس میں اپنے تمام متروکات کی فہرست دے دی- غرض کہ شاہ حاتم دہلوی کی ذات سے زبان کی خراش تراش اور اس میں کاٹ چھانٹ کی بنیاد پڑی- زبان کی اس خدمت کے اعتبار سے آزاد مرحوم نے شاہ صاحب کو پہلے دور سے نکال کر جہاں ان کی جگہ تھی دوسرے دور کے شعرا میں رکھہ دیا ہے—

میں یہاں متروکات کی تاریخ نہیں لکھہ رہا ہوں ورنہ میر تقی- مرزا

رفیع السودا، مظہر، درد، جرات، سوز، مصحفی، انشا، نصیر اور اساتذہ ثلاثہ یعنی مومن، ذوق اور غالب) اور ناسخ اور آتش کے متروکات کی عہد به عہد کی تفصیل وار تاریخ پیش کرتا۔ مرزا غالب کا اُردو دیوان تیسری بار سنہ ۱۲۷۸ ہجری میں چھپا۔ اس کے خاتمہ کی عبارت میں مرزا صاحب لکھتے ہیں:—

"ایک لفظ سو بار چھاپا گیا ہے کہاں تک بدلتا۔ ناچار جا بجا یوں ہی چھوڑ دیا۔ یعنی کسو۔ میں یہ نہیں کہتا کہ یہ لفظ صحیح نہیں۔ البتہ فصیح نہیں۔ قافیہ کی رعایت سے اگر لکھا جائے تو عیب نہیں ورنہ فصیح بلکہ افصح کسی ہے"—

اسی طرح ذوق کے ہاں کبھو قافیہ کی رعایت سے ایک دو جگہ ہی آیا ہے۔ مومن خاں نے بھی بہت سے الفاظ ترک کئے لیکن چونکہ ذاتی تشخص قایم کرنے کی ضرورت نہ تھی میر علی اوسط رشک کی طرح ان کی ایک فہرست مرتب کرکے تالے کنجی میں نہیں رکھی۔ جناب شوق لکھتے ہیں:—

"اس لفظ سے اس امر کا اظہار مقصود ہے کہ ناسخ کے ساتھ اور شعرا بھی زبان کی اصلاح میں شریک ہیں۔ جب مومن و آتش وغیرہ کا کلام بہت سے رکیک مستعملات سے پاک ہے تو میں ان لوگوں کے مصلح زبان ہونے سے کیونکر انکار کرسکتا ہوں*"—

کہا جاتا ہے کہ حضرت ناسخ کے شاگرد میر علی اوسط رشک نے چالیس پینتالیس کے قریب الفاظ متروک قرار دئے تھے جن سے ان کا تیسرا دیوان پاک

---

* اصلاح مع ایضاح — مصنفہ مولانا ظہیر احسن شوق نیموی صفحہ ۱۰

تھا- لیکن وہ دیوان افسوس ہے کہ چھپا ہی نہیں- رشک مرحوم ان متروکات کے دفتر کو ہمیشہ مقفل رکھتے تھے اور اپنے خاص شاگردوں کے سوا کسی کو اس سے مستفیض نہ ہونے دیتے تھے- ان صورتوں میں وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ متروکات کی اس فہرست میں کون کون سے لفظ داخل تھے- وہ متروکات کس اصول پر مبنی تھے اس کا اندازہ ان کے کلام سے کیا جائے تو ان کے اجتہاد کے خلاف شبہات کی بڑی گنجایش ہے نمونہ ملاحظہ ہو —

چاول الماس گوشت لخت جگر　　فرقت یار میں پلاؤ نہیں
میرے کھانے سے کیوں فلک ہے کباب　　پاؤ روٹی ہے نان پاؤ نہیں

دیکھو نزاکت آپ کی دھروا کے آئینہ　　لگواتے ہیں ضماد مہاسے کے عکس پر

رشک مرحوم کے سینہ بسینہ متروکات سے قطع نظر کرکے اس بحث میں یہ کتابیں اور رسالے ذکر کے قابل ہیں :-

۱- آب حیات- مصنفہ آزاد مرحوم

۲- اصلاح معہ ایضاح شرح اصلاح- مصنفہ جناب مولانا محمد ظہیر احسن صاحب شوق نیموی- مطبوعہ قومی پریس لکھنؤ سنہ ۱۸۸۷ ع —

۳- تسہیل البلاغت- مصنفہ جناب محمد سجاد مرزا بیگ صاحب دہلوی سنہ ۱۳۳۹ ہجری —

۴- قرارالمحاورات و قرارالمتروکات- مولفہ جناب سید تصدق حسین صاحب قرار شاہجہان پوری- مقیم لکھنؤ —

۵- اصلاح زبان اردو- مصنفہ جناب خواجہ عبدالرؤف صاحب عشرت لکھنوی سنہ ۱۹۱۹ ع —

۶- نوراللغات (دیباچہ) مولفہ جناب مولوی نورالحسن صاجب نیر کاکوروی سنہ ۱۹۲۴ ع —

۱- آب حیات میں خاص خاص شعرا کے حال میں، کبھی ایک دور کے شروع یا آخر میں اس کے متروکات کا ذکر آیا ھے، مگر وضاحت اور ترک کی وجہ مفقود ھے —

۲- حضرت شوق نے پہلے پہل اپنی کتاب سنہ ۱۸۸۷ ع میں لکھنؤ سے شایع کی اس کا پچھلا اڈیشن کئی برس بعد جناب حسرت موھانی نے معاازاحتہ الاغلاط اپنے اردو پریس علی گڈھ سے شایع کیا - حضرت شوق لکھتے ھیں :-

"جس طرح مہر و مرزا نے ولی و حاتم کے اکثر مستعملہ الفاظ ترک کردیے تھے اسی طرح مومن و غالب و ناسخ و آتش وغیرہ نے مہر و مرزا کے بہت سے لفظ متروک کر دئے - جیسے اودھر - ایدھر - بگانہ بجائے بیگانہ - دوانہ بجائے دیوانہ - پیار - و پیاس با شباع یاء - تئیں کو کے معنی میں - تلک - تک - ذرا کے معنی میں - سکی - سوں - سجن - کنے - کسو - لوھو - مکھہ - نت - نون - مجھہ پاس - کرے ھے - آنہاں - جانہاں - ان میں سے اکثر الفاظ تو وجوباً ترک کر دئے اور بعض الفاظ ایسے ھیں کہ کسی نے کہیں کہیں استعمال بھی کئے ھیں - اس کے بعد ان کے تلامذہ کا دورہ ھوا - انہوں نے بھی کچھہ لفظ ترک کئے" —

۳- جناب سجاد مرزا صاحب کی تسہیل البلاغت کے صفحہ ۴۹ سے متروک الفاظ کا ذکر شروع ھوتا ھے - اس میں واچھڑے - بہتایت - سرس (زیادہ بہتر) نپٹ وغیرہ الفاظ بھی موجود ھیں - ان میں سے کئی الفاظ شاہ حاتم متروک ٹھرا چکے تھے - یہی حال زور - بل بے - خوباں اور عزیزاں کا ھے - ایسی فہرستوں سے کچھہ فائدہ مترتب نہیں ھوتا - پڑھنے والا سوچتا ھے کہ جب امیر اور داغ جن کو ھم نے کل دیکھا اور سنا تھا تلک اور بل بے لکھہ گئے تو ضرورت کے وقت ھم بھی

کیوں نہ وہ لفظ استعمال کریں—

۴ - جناب قرار کی کتاب کے خاتمہ پر چودہ صفحہ متروکات کے موضوع دئے گئے ھیں- شروع میں جو لکھا ھے اس میں بہت کچھہ عیوب ترکیب وغیرہ کی ذیل میں آتا ھے جس کا تعلق ٹھیٹھہ متروکات سے ھرگز نہیں- مثلاً (صفحہ ۴۶) ایک جنس کے دو حروفوں کا قریب قریب آنا- کلام کا یہ نقص علم معانی میں تنافر حروف کی ذیل میں آتا ھے- اگر متروکات کی فہرست کو اس طرح طوالت دی جاے تو کلام کے تمام نقایص جس کا ذکر علم معانی اور علم بیان وغیرہ میں آیا ھے اس میں داخل ھو جائیں گے- اخیر میں ایک فہرست بھی دی گئی ھے- اس میں وہ الفاظ مثالوں کے ساتھہ لکھے ھیں جو میر' سودا اور مصحفی وغیرہ متقدمین نے استعمال کئے' مگر اب متروک ھیں- امیر- داغ اور جلال بھی اس فہرست میں آجاتے ھیں- یعنی بقول مولف ان کے بھی بعض مستعملہ الفاظ اب متروک ھیں- اس اقتباس میں زمانہ وغیرہ کسی ترتیب کا لحاظ نہیں رکھا گیا- چنانچہ اخیری متروک لفظ " ھے گی " ھے اور اس کے لئے سودا کا شعر نقل کیا ھے- اس فہرست کے تین خانے ھیں' اول خانہ میں جایز الفاظ ردیف وار درج نہیں دوسرے میں متروک تیسرے میں مثال کے شعر- چاھئے یہ تھا کہ اول خانہ میں متروک الفاظ کو لاتے—

۵ - اصلاح زبان اردو- کہتے ھیں لکھنؤ میں ایک انجمن اصلاح سخن تھی وہ ایک رسالہ گلچھیں نکالا کرتی تھی- اس کے ممبروں نے زبان کے کچھہ قواعد مرتب کئے- غالباً انھیں قواعد کی بنا پر یہ رسالہ ترتیب دیا گیا- راقم اس انجمن- اس کے ممبروں اور رسالہ سے قطعاً نا واقف ھے- اگر یہ انجمن ایک دوسری جماعت' انجمن دایرہ کی نوعیت رکھتی تھی حس کا ذکر نومبر سنہ ۱۹۰۸ ع کے معیار میں آیا ھے تو اُس کے معتبر ھونے میں شبہ کی بہت گنجایش ھے- یہ چھوٹی تقطیع کا رسالہ ۴۸ صفحوں میں اردو کی اصلاح اور متروکات کو

نبٹا دیتا ھے ---

۶ - نوراللغات کے دیباچہ پر نومبر سنہ ۱۹۲۴ ع درج ھے اس لئے اس بحث سے متعلق یہ تازہ ترین کتاب ھے - فاضل مولف نے دیباچہ میں ۲۹۷ متروکات کی فہرست دی ھے - یہ فہرست مولف کے خیال میں ساری فہرستوں سے بڑی ھے اس میں ایسے تمام لفظ آجاتے ھیں جنہیں اردو شعرا نے اول سے آج تک مولف کے قول کے مطابق متروک قرار دیا ھے - میں محض اسے فضول طوالت اور تحصیل حاصل کہوں گا - گھر جانا، گھر ویران ھونا کی جگھہ - گہنا، پکڑنا کے بدلے سوں، سیتی، سیں، سے کی جگھہ اب کون لکھتا ھے یا اب سے پچاس برس پہلے کون نظم میں لاتا تھا جو یہ بھی اس فہرست میں داخل کردے گئے ھیں - متعلم کو اس فہرست سے کچھہ فایدہ نہیں ھوسکتا - چاھئے یہ تھا کہ داغ اور امیر کے متروک الفاظ اور ان کی وفات سے آج تک جو الفاظ ترک کئے گئے ان کی فہرست دے دیتے - یا زمانہ اور دور کا تعین کرکے ایک مسلسل مکمل فہرست پیش کرتے - مولف نے اس طویل فہرست کے بعد چند اصول بھی متروکات کی بحث میں قلم بند کئے ھیں جن کی تعداد ۴۹ تک پہنچتی ھے - ان میں صرف ھدایتیں ھیں - وجہ اور علت کا ذکر کہیں نہیں آیا کہ کیوں فلاں لفظ متروک سمجھا جاے ؟ کیوں ایسا ایسا کرنا معیوب ھے ؟

ان چھئوں مطبوعات میں سے کئی ایسے ھیں کہ محض تجارتی مفاد پر نظر رکھکر شائع کئے گئے ھیں - کئی ایسے بھی ھیں جنھیں سندی حیثیت دینا انصاف کے قریں نہ ھوگا کیوں کہ ان کی مندرجات مقامی پاس داری سے مبرا نہیں - اس کی تفصیل یہ ھے - لکھنؤ والے نے جو کچھہ لکھا اس میں اس نے وہ الفاظ متروکات کی ذیل میں درج کر دئے جن کو لکھنؤ والوں نے استعمال ھی نہیں کیا اور ان میں اکثر ھندی کے مانوس الاستعمال الفاظ ھیں - جاننا چاھئے کہ ترک، اخذ یا استعمال کے وجود کو ممکن ھی نہیں لازم ٹھہراتا ھے - جب ایک لفظ

کبھی آپ کے استعمال آیا ھی نہیں تو آپ کا اس کو ترک کرنا کیا معنی رکھتا ھے؟ اس قبیل سے ایک لفظ سندیسا ھے * یہ لفظ لکھنؤ کے مشاھیر شعرا نے استعمال نہیں کیا- مگر دھلی میں استعمال ھوتا رھا ھے- یہاں تک کہ مہتاب داغ میں آیا ھے پھر اسے متووکات کی فہرست میں شامل کرکے داغ کا شعر لکھ دینا معقولیت سے خارج ھے- اگر یہ فرض بھی کرلیں کہ یہ لفظ کسی شاعر نے سوائے داغ کے استعمال کیا ھی نہیں' تو اس کے خلاف یہ کہا جا سکتا ھے کہ ناسخ وغیرہ نے ایسے بہت سے الفاظ استعمال کئے ھیں جو ان کے سوا اور کسی شاعر نے استعمال کئے ھی نہیں' خواہ وہ کہیں کا رھنے والا اور زبان کے کسی مرکز کا متبع تھا- مثلاً سپرغم' جریدتین' خالق الاصباح' سباح وغیرہ- تو کیوں نہ انہیں بھی متروکات کی فہرست میں درج کیا جاے- ان اصحاب نے یہ بھی کیا ھے کہ عام متروکات کی تمثیل میں چن چن کر دلی والوں کے اشعار اقتباس کئے ھیں اور لکھنؤ والوں کے کلام سے مجبوری کی حالت میں استفادہ کیا ھے- غالباً وہ روش اسی وتیرہ کا جواب ھوگی جو جناب سجاد مرزا بیگ صاحب نے اپنی تسہیل البلاغت میں اختیار کی- راقم کے اعتقاد میں ادیب اور نقاد کا مسلک ان دونوں رستوں سے پرے پرے ھونا چاھئے- جناب شوق کے ھاں یہ افراط تفریط نام کو نہیں —

تاریخی کوایف کہئے یا مبادیات ان کے بعد چند امور ناظرین کی خدمت میں پیش کئے جاتے ھیں- پھر بعض الفاظ کے متروک قرار دینے کے متعلق بحث کی جاے گی- سب سے اول جو سوال ذھن میں اٹھتے ھیں یہ ھیں کہ

(۱) ایک لفظ مدت سے اردو میں مستعمل ھے اب جو اُسے ترک کیا جاتا ھے تو کس بنا پر؟ اس کے خلاف کونسی نئی باتیں پیدا ھوگئیں اور اسی معنی اور

* اس کا مفصل ذکر آگے آیگا

موقعہ کا کونسا نیا اور بہتر لغت مل گیا ھے جو اسے متروک الااستعمل قرار دیا جاتا ھے؟—

(۲) وہ کون شخص یا اشخاص ھیں جو الفاظ کو متروک قرار دینے کے اھل ھیں؟—

(۳) جو الفاظ وغیرہ متروک بتائے جاتے ھیں آیا وہ اردو زبان سے نکالدئے گئے ھیں یا صرف اردو کی نظم سے؟ اگر صرف نظم سے خارج کئے گئے ھیں تو اس اخراج کا اطلاق معنی غزل اور عاشقانہ شاعری پر ھے یا نئے طرز کی شاعری پر بھی جسے بوجہ اختصار نیچرل شاعری کہا جائے گا؟—

اس ضمن میں اور بھی بہت سے امور تنقیح ھیں لیکن طوالت کے خوف سے انھیں تین امور کا ذکر کیا جائے گا—

(۱) جن الفاظ یا ترکیبوں کو ھم سب اردو میں ترک کر بیٹھے ھیں ان میں سے کسی ایک کی نسبت بھی کبھی یہ سننے میں نہ آیا کہ ان وجوہ سے یا اس اصول کے تحت میں یہ لفظ ترک کیا گیا۔ابتدا سے اب تک یہ بد عنوانی چلی آئی ھے اس سے بدعت اور طوایف الملوکی کا ھنگامہ گرم ھوگیا۔جو جس کے جی میں آیا کر گزرا۔متروکات کی فہرست پر جب غور کی نظر ڈالی جاتی ھے تو ثابت ھوتا ھے کہ چھانٹ چھانٹ کر ٹھیٹھ اردو الفاظ جو زبان میں مدتوں سے رچے پچے تھے کان پکڑ کر اردو کی سبھا سے باھر کئے جاتے ھیں۔اور اردو کو عربی، فارسی لغات سے گرانبار کیا جاتا ھے۔میں اس ضمن میں اُن کا ذکر نہیں کرونگا جو دوسری طرف سنسکرت لغات کی بھر مار کررھے ھیں۔کیونکہ وہ تعداد اور اثر میں کم ھیں۔اردو کے کسی ھندو شاعر یا ادیب کو جس کی ادبی حیثیت مسلمہ ھو یہ الزام نہیں دیا گیا کہ وہ زبان میں اس طرح ثقالت پیدا کر رھا ھے۔مختصر یہ کہ کیا ھندو اور کیا مسلمان اردو لکھنے والے سب ھی ارادی یا غیرارادی متروکات کے باب میں برابر ھیں—

میں اس جگہ ہندوستانی کے دو لفظ لکھتا ہوں-سندیسا اور-بتھا-یہ دونوں لفظ اردو لغات میں موجود ہیں-ان میں سے سندیسا نوراللغات کی متروکی فہرست میں داخل ہے-دوسرا لفظ بتھا اس میں نہیں آیا-شاید کسی نے استعمال بھی نہیں کیا-راقم نے ایک جگہ استعمال کیا ہے اب ذرا ان دونوں لفظوں کے معنی کو دیکھئے-سندیسا کے معنی ہیں راضی خوشی کا پیغام-خیریت کی خبر-عربی فارسی کا کوئی لغت جو اس معنی کا حامل ہو ابتک اردو کے علم سے باہر ہے-اُن زبانوں میں اس کا کوئی مترادف ہوگا بھی تو وہ لغات کے محبس میں قید ہوگا-مژدہ یا نوید سندیسا کے مترادف نہیں ہوسکتے کیونکہ وہ ایک خاص مسرت آمود واقعہ کی خبر دیتی ہیں-پیغام بری بھلی دونوں قسم کی خبر پر محتوی ہوتا ہے-صلح کا پیغام بھی ہوتا ہے اور جنگ کا بھی-نور للغات کے جامع سے پوچھنا چاہئیے کہ یہ لفظ کس وجہ سے متروکات کی فہرست میں شامل کیا گیا-اور یہ کہ سندیسا کا مترادف لفظ پیغام انھوں نے کس تحقیقات کی بنا پر لکھدیا ہے-وہ اس میں غلطی پر ہیں-اگر پیغام سندیسا کا مترادف ہوسکتا ہے تو سنانی کو بھی کیوں نہ ایسا مانا جائے-آپ کاکوری کے رہنے والے ہیں جو قصبہ زبان کے اعتبار لکھنؤ کا متبع ہے-اگر لکھنؤ نے اس لفظ کو ترک کردیا تو میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ اس نے اس لفظ کو استعمال کب کیا تھا-اخذ، اختیار یا استعمال کئے بغیر ایک شے ترک نہیں کی جا سکتی ہے - کسی ہندو کا یہ کہنا کہ ختنے کا ترک کیا جائے یا کسی مسلمان کا یہ کہنا کہ مردے کوجلانا متروک ہے ایساہی لایعنی ہے جیسے یہ کہنا کہ سندیسا اردو میں متروک ہے - غلط ہے - کیون کہ یہ لفظ لکھنو نے کبھی استعمال ہی نہیں کیا- بہر حال انہیں چاہئیے تھا کہ لکھنو کے متروکات کی اور ان

---

* دیکھو فرہنگ آصفیہ-مولفہ شمس العلما سید احمد صاحب دہلوی

ان الفاظ کی جنہیں اور مقاموں کے برخلاف لکھنو نے استعمال نہیں کیا ایک ایک علحدہ فہرست مرتب کرتے تا کہ پڑھنے والے کو دھوکا نہوتا۔ متروک الفاظ کی مثالوں میں انہوں نے جابجا دھلی اورلکھنو اور سب مقاموں کے شاعروں کے کلام نقل کر دئے ھیں۔ اس سے یہ شبہ ھوتاھے کہ ان کی یہ فہرست کل اردو دنیا کی مسلمہ ھے۔ مگر جہاں تک اس لفظ کا تعلق ھے یہ ادعا درست نہیں۔ داغ کے ھاں یہ لفظ مہتاب میں آیا ھے—

سنکے وہ حال مرا غیر سے فرماتے ھیں
آئے ھیں آپ محبت کا سندیسا لیکر

میری رائے میں ھمارے پاس کوئی وجہ موجود نہیں کہ اس لفظ کو متروکات میں داخل کیا جائے۔ دوسرا لفظ جسکا ذکر آگے آیا بتھا ھے۔ اسکے معنی ھیں تکلیفوں یا مصیبتوں کی روداد یاداستان غم۔ میرے علم میں مختلف زبانوں کے ان لغات میں سے جنسے اردو کو شناسائی ھے ایسا پر معنی مفرد لفظ کوئی نہیں دکھائی دیتا۔ پھر کیوں نہ اسے رواج دیاجائے۔ ابتک ھم یہی سنتے آئے ھیں کہ فلاں لفظ فلاں ترکیب فصحا یا اکثر فصحانے ترک کردی۔ کوئی پوچھے کہ حضرت آخر اس ترک کی وجہ۔ اسکا موجب؟ تو جوابے ندارد۔ یہ کبھی ظاھر نہ ھوا کہ فصاحت اور فصیح کی تعریف کیا قرار دی گئی ھے۔ اسکا معیار کیا ھے؟ اس کے موازنے کے کیا اصول ھیں۔ مزاج کی سودائیت نے ایک حساسی کیفیت پیدا کرکے قوت ممیزہ کو ماؤف کردیاھے۔ نتیجہ یہ ھوا کہ ھرشے میں "آدم بو" کا مضموں صورت پذیر ھو گیا۔ نہ لفظ کی صرفی ماھیت پرنظر کی گئی، نہ اس کی معنوی اھمیت کا لحاظ ھوا اور خرج یخرج ترک یترک کی گردان شروع ھو گئی۔ یہ دیکھہ کر بڑا اچنبھا ھوتاھے کہ اس اچھوت سدھار دلت اودھار، تبلیغ اور مساوات کے زمانے میں جب ھرایک دوسرے کو اپنے میں لینے کو اپکتا ھے اردو میں "نکالو! باھرکرو!" کے سوا اور کوئی صدا

سننے میں نہیں آتی- یہ بیوقت کا راگ ھے- اردو والے یادرکھیں اور خوب یاد رکھیں کہ اگر اُن کے متروک الاستعمال کی لے اسیطرح بڑھتی گئی تو ان کی وھی گت ھوگی جو "خارج از برادری" کی لے نے ھندؤں کی بنائی- خوف ھے کہ کہیں اردو ادب کو ان "تارکان ادب" کے ھاتھوں وھی دن دیکھنا نصیب نہو جو چھوت چھات اور سوچم کی مریضانہ حساسی نے ھندؤں کے قومی ادبار کا منہتیے ثابت کیا- کوڑھی کے ساتھہ کوئی کھانا نہیں کھاتا- کھجلی والے سے سب الگ رھتے ھیں- ھیضہ اور پلیگ کے مریض سے سب ھی بچنا چاھتے ھیں یہاں تک تو احتیاط کرنا درست - اس سے زیادہ بیماری ھے خواہ وہ سوشل معاملہ میں ھو یا ادبی میں —

(۲-۳) اب یہ سوال اٹھتا ھے کہ اگر داغ اور امیر نے یا غالب اور مومن نے- میں کہتا ھوں شاہ نصیر اور ناسخ نے کچھہ الفاظ اردو کی برادری سے خارج کئیے تو کیا وہ اب پھر اس میں داخل نہیں ھوسکتیے ؟ ھم دیکھتے ھیں کہ سو کوئی تیس چالیس برس متروک رھنے کے بعد اب اردو میں واپس آیا ھے ان سب باتوں سے قطع نظر دیکھنا تو یہ ھے کہ متاخرین اور معاصرین شاہ نصیر سے لیکر داغ تک اور داغ سے لیکر آج تک - جن شاعروں نے نظم کے فن کے قاعدے وضع کئیے اور خاص خاص لفظوں یا ترکیبوں کو متروک قرار دیا ان کی حیثیت اردو نظم کے باب میں کیاتھی بلحاظ اس کے مختلف اصناف اور موضوع کے تنوع کے- متقدمین سے قطع نظر کرکے شاہ نصیر سے لیکر مرزا داغ تک کیا لکھا کرتے تھے- ان کے کلام کی نوعیت کیا تھی-اس کا مبدان کتنا وسیع تھا؟ "نام نیک رفتگاں" کو ضایع کرنا اپنا شیوہ نہیں-یہ اور دوسرے بزرگ نہ صرف ھمارے لئیے بلکہ تمام اردو دنیا کے لئیے ھمیشہ واجب التعظیم رھینگے-لیکن سچ کہنے سے چارہ نہیں- کہنا پڑتا ھے کہ غزل اور کبھی کبھی قصیدہ کے سوا اور صنف میں یا کسی مفید اور کار آمد موضوع پر انھوں نے کبھی فکر نہیں کی-وہ جس صنف میں بھی

لکھتے اس پر وھی مجاز کا رنگ حاوی تھا-لیکن اس سے ان پر کوئی الزام عاید نہیں ھوسکتا-اس زمانہ کی چال یہی تھی اور ملک کا مذاق ھی ایسا تھا-آزاد مرحوم نے بیشک چھاتی پر سل رکھہ کر یہ سطریں لکھی ھونگی:-

........دوسرے وہ عالی دماغ جو فکر کے دخان سے ایجاد کی ھوائیں اڑائینگے اور برج آتشبازی کی طرح اس سے رتبۂ عالی پائینگے-انھوں نے اس ھوا سے بڑے کام لئے مگر یہ غضب کیا کہ گرد و پیش جو وسعت بے انتہا پڑی تھی اس میں سے کسی جانب میں نہ گئے-بالاخانوں میں سے بالا بالا اڑ گئے" *—

جس شاعری کی یہ بساط ھو کہ مخفی خیال بندی اور قافیہ پیمائی سے شروع ھو کر اسی پر اس کا خاتمہ ھوجاے-یعنی غزل-اور غزل کی ھر بیت بجاے خود ایک قایم بالذات نظم-مطلع میں رستم سے کشتی لڑ رھے ھیں-حسن مطلع میں موت کا فرشتہ شاعر کی روح قبض کرنے آتا ھے لیکن آپ اتنے نحیف اور ضعیف ھیں کہ اسے دکھائی ھی نہیں دیتے اور وہ خالی کا خالی چلا جاتا ھے-اگلے شعر میں آپ کا جنازہ اٹھتا ھے اور آپ شرمسار ھیں کہ نازنین معشوق کو چالیس قدم ساتھہ چلنے کی اذیت ھوئی-اُس سے اگلے شعر میں آپ ساغر اور پیمانہ پٹک کر مٹکا ھی منھہ سے لگاکر شراب پی رھے ھیں-اور آگے چل کر آپ کا اپنے محبوب سے اختلاط ھو رھا ھے.. مقطع میں آپ میں اور آپ کے خدا میں نام کو فرق اور امتیاز نہ رھا-یہ گڑ بڑ جھالا ایران سے ھندوستان میں آئی اور یہاں اسے اور بھی بگاڑ دیا گیا-مختصر یہ کہ غزل کیا ھے؟ چند قوافی کا خوش اسلوبی سے نباہ-قصیدہ کیا ھے؟ مبالغہ کا قطب مینار-جس شعر گوئی کی یہ کائینات اور

---

* آب حیات-پانچویں دور کی تمہید

غرض و غایت هو اُسے شاعری کہنا هی معقولیت سے خارج هے اول تو انهوں نے یا کسی اچھے شاعر نے کوئی قاعدے شعر کے فن یا متروکات کو کبھی وضع کئے هی نهیں-یہاں یه ذکر کرنا بر محل هوگا که کسی زبان میں بھی اچھے شاعروں نے شاعری کے قاعدے نهیں باندھے-اور اگر کہیں اس کے خلاف هوا هے تو النادر کالمعدوم کی مصداق هے-خیر، اردو کے ان استادوں کے کلام یا ان کی اصلاحوں سے لوگوں نے بالواسطه کچھه باتیں استنباط کر کے ان کا نام قاعده اور ضابطه رکھه لیا-بہر حال آج کل کے زمانه اور موجوده صورتوں میں نه وه قاعدے جوں کے توں واجب التعمیل هیں اور نه ان کے وضع کرنے والے یه اهلیت رکھتے تھے-ان کا اطلاق زیاده سے زیاده پرانی چال کی عاشقانه شاعری پر هوسکتا هے-دوسروں پر-کہئے نیچرل شاعری پر لازم نهیں آتا که وه بھی ان الفاظ اور ترکیبوں کے استعمال سے محترز رهیں محض اس بنا پر که فلاں استاد نے ایسا کیا-وه دهلی کی ساده کاری هو یا لکھنؤ کی مرصع سازی-یا پنجاب کی هر هفت پردازی غزل کی شاعری کے متعلق متروکات کی لے جتنی جی چاهے بڑهاتے جائیے لیکن یه قیدیں نیچرل شاعری پر عاید نهیں هوسکتیں-حالی مرحوم کا تقریباً وه تمام کلام جو مسدس کی تصنیف کے بعد موزوں هوا-حضرات صفی-چکبست-سرور مرحوم اور اقبال کی اکثر اور بیشتر نظمیں اور اسی قبیل سے اردو کے اکثر اچھے شعرا کا کلام " تنگنائے غزل " سے پرے پرے جاتا هے-جب آپ معشوق سے باتیں کرینگے یا اس کا ذکر-تو بیشک چھوٹے چھوٹے سہانے لفظ-نازک اسلوب اور میٹھی بولی میں گفتگو هوگی-لیکن جب زندگی کے جید مسایل یا حقیقت اور انسانی جذبات کے شدید موضوعات پر لکھنے بیٹھینگے تو سخن کا طرز اور هوگا-غرض که خیال کی شاعری کام کی شاعری سے جداگانه هے-اس کے قاعدے اور ضابطے بھی جداگانه هونے چاهئیں اور ان کے وضع کرنے والے بھی-ان وجوه سے میں یه عرض کرنے کی جرات کرتا هوں که وه قاعدے جو اب تک نظم کے لئے

باندھے گئے ھیں اور وہ الفاظ اور ترکیبیں جنھیں ترک کر دیا گیا ھے ان سب کی نظر ثانی اور ترمیم کی ضرورت ھے-جبھی تو ھم دیکھتے ھیں کہ کئی لفظ تیس چالیس سال متروک رھنے کے بعد اب پھر زبان میں داخل ھو گئے ھیں جیسے سو' خیر یہ بات تو دور کی ھے نہ اب تک کسی کے ذھن میں آئی نہ اب سے پہلے کبھی اس سے بحث ھوئی-غزل کو ھی لیں تو ظاھر ھو گا کہ جو الفاظ وجوباً یا ترجیحاً متروک بتائے جاتے ھیں ان کے ساتھہ غزل کے نامی شاعر اور دوسرے شعرا کا کیا عمل ھے؟—

آیندہ مندرجات کے متعلق راقم نے یہ التزام کیا ھے کہ داغ اور امیر کو ایک حد قایم کرکے دکھایا گیا ھے کہ آیا انھوں نے ایک لفظ جسے متروک کہا جاتا ھے استعمال کیا یا نہیں اور یہ کہ ان کی وفات سے آج تک مشاھیر شعرا کا کیا سلوک اس لفظ کے ساتھہ رھا ھے اس زمرہ کے اکثر شعرا اس وقت موجود ھیں اور اردو دنیا میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ھیں—

اب میں چند ایسے الفاظ سے بحث کرونگا جنھیں متروک ٹھرایا جاتا ھے- استعمال کے ثبوت میں اساتذہ اور مشاھیر شعرا کے تازہ ترین کلام سے جو دستیاب ھوسکا اشعار نقل کئے گئے ھیں-داغ کے تمام اشعار مہتاب سے-امیر کے صنمخانہ سے-جلال کے نظم نگارین سے اور جلیل کے جان سخن اور تاج سخن سے لئے گئے ھیں-میری علم میں ان اصحاب کے یہ سب سے اخیری مطبوعہ دیوان ھیں-اور حضرت جلیل کے دونوں دیوانوں کی عمر دس بارہ برس سے زیادہ نہیں-ان شعرا کے کلام کی طرف اس مضمون میں جہاں کہیں اشارہ کیا گیا ھے وھاں ان کی انھیں کتابوں سے مطلب ھے جنکا ذکر ابھی کیا گیا-دوسرے شاعروں کا کلام جہانتک ممکن ھوا ھے معتبر رسالوں اور کتابوں سے لیا گیا ھے-ناظرین کی آسانی کے لئے ان کی ایک فہرست ذیل میں درج کی جاتی ھے—

ابر مرحوم—آنیربل پنڈت بشن نراین درصاحب لکھنوی-بیرسٹر ایٹ لا—

ابر - مقلد میر و غالب جناب حکیم سید علی حسن صاحب لکھنوی —

اقبال - ڈاکٹر سر شیخ محمد اقبال - ایم اے - پی - ایچ ڈی - بیرسٹر ایٹ لا -
سیال کوٹی —

اکبر - جناب سید اکبر حسین صاحب الہ آبادی - مرحوم —

امیر - جناب منشی امیر احمد صاحب مینائی - لکھنوی - مرحوم —

باسط - جناب سید محمد باسط علی صاحب بسوانی —

برق - جناب منشی جوالا پرشاد صاحب بی - اے لکھنوی - سشن جج اودھ
مرحوم —

برق - جناب منشی مہاراج بہادر صاحب دہلوی - منشی فاضل —

برہم - جناب حکیم عبدالکریم صاحب گورکھپوری - اڈیٹر مشرق و فتنہ وغیرہ -

بلیغ - جناب نواب سید عسکری مرزا صاحب لکھنوی —

بیخود - جناب منشی سید وحیدالدین صاحب - دہلوی —

جلال - جناب حکیم سید ضامن علی صاحب لکھنوی - مرحوم —

جلیل - جلیل القدر فصاحت جنگ جناب حافظ جلیل حسن صاحب مانکپوری —

چکبست - جناب پنڈت برجنرائن صاحب چکبست بی - اے - ایل - ایل - بی -
وکیل ہائی کورٹ - لکھنوی * —

حسرت - جناب مولانا سید فضل الحسن صاحب موہانی - بی - اے - اڈیٹر
اردوے معلے —

داغ - فصیح الملک دبیر الدولہ ناظم یار جنگ جناب نواب مرزا خاں صاحب
دہلوی - مرحوم —

---

* آپ نے کوئی تخلص ہی نہیں رکھا چکبست آپکا خاندانی عرف ہے آپ چونکہ اسی نام سے معروف ہیں اس لئے خمخانۂ جاوید کے اتباع میں عنوان آپ کے نام کے لئے اختیار کیا گیا —

راسخ - جناب مولوی سید عبدالرحمن صاحب دهلوی - مرحوم —

ریاض - جناب سید ریاض احمد صاحب خیرآبادی —

زکی - جناب مولانا سید زکریا خاں صاحب دهلوی - مرحوم —

سایل - جناب نواب سراج الدین احمد خاں صاحب - دهلوی —

سرور - جناب منشی درگا سہائے صاحب جہان آبادی - مرحوم —

سلیم - جناب مولانا وحیدالدین صاحب پانی پتی - پروفیسر عثمانیه یونیورسٹی —

شاد - یمین الملک سر مہاراجه کشن پرشاد صاحب - حیدرآبادی —

شاد - خاں بہادر جناب مولوی سید علی محمد صاحب عظیم آبادی —

شاعر - افسرالشعرا جناب آغا شاعر صاحب دهلوی شاعر دربار جهالاوار

شوق - جناب منشی احمد علی صاحب قدوائی - لکھنوی مرحوم —

صفدر - جناب مولوی صفدر علی صاحب مرزا پوری —

صفی - جناب مولانا سید علی نقی صاحب لکھنوی —

ضامن - جناب مولوی سید ضامن علی صاحب کنتوری —

ظہیر - جناب مولانا سید ظہیرالدین حسین صاحب - دهلوی - مرحوم —

عزیز - جناب مولوی مرزا محمد هادی صاحب بی اے لکھنوی - پروفیسر عثمانیه یونیورسٹی —

محروم - جناب منشی تلوک چند صاحب - تیرہ اسمعیل خانی —

مضطر - جناب حکیم اسد علیخان صاحب دهلوی —

نادر - جناب مولوی نادر علیخان صاحب کاکوری مرحوم —

نظر - جناب منشی نوبت رائے صاحب لکھنوی مرحوم —

نظم - نواب حیدر یارجنگ جناب مولانا علی حیدر صاحب طباطبائی لکھنوی —

وحشت - جناب سید رضا علي صاحب کلکتوی —

یاس - جناب مرزا واجو حسین صاحب عظیم آبادی —

پہ - بمعني پر حضرت شوق نے اسے اپنی متروکات کی فہرست میں نہیں شامل کیا حضرت عشرت لکھنوی نے اس کا ذکر کیا ہے - فرماتے ہیں:-

پہ کا استعمال اب اکثر فصحا نے ترک کردیا ہے - اس کے بدلے (پر) بولتے ہیں- آخر میں داغ و جلال نے بھي ترک کردیا" صاحب نوراللغات اس لفظ کي نسبت یہ لکھتے ہیں:- "یعنی فصحا نے اس کا استعمال نثر اور بول چال میں ترک کردیا ہے" اس باب میں راقم کے خیال میں حضرت عشرت کے مقابلے میں نوراللغات کا قول زیادہ معتبر ہے - اس سے ظاہر ہے کہ نظم میں یہ کلمہ متروک نہیں - اکثر شعرا کے کلام سے بھي ایسا هي پایا جاتا ہے - خود داغ اور جلال کے هاں یہ لفظ موجود ہے —

داغ

کاش تو گور غریباں پہ نہ مضطر پھرتا

صبر سے ناز سے تمکین سے ٹھہر کر پھرتا

دیکھو دیکھو مجھ پہ برساتے رهو تیر نگاہ

صید جس دم آنکھ سے اوجھل هوا جاتا رها

دل کو لے لیتے ہیں در پردہ وہ عیاری سے

چار غیروں پہ جو کھلجائے تو پھر گھات ہی کیا

امیر

کیوں مرے سر پہ نہو لغزش پا کا احساں

هاتھ پڑجائے جو بیساختہ اس شانے پر

درکار ہے بہانہ پئے مغفرت امیر

تقوے پہ منحصر ہے نہ صوم صلوت پر

ظہیر

کس کو غرض کہ دل کی مصیبت میں جی جلائے
اپنی خوشی کی کسی پہ اگر آے آے دل

شاد عظیم آبادی

ان محنتوں پہ بھی یہ مرا ہو رہا تھا حال
لڑکوں کی بھی سند تھی پہ میں غیر مستند

نظم

کیوں تن آسانی پہ مایل ہو گئے
جو فضایل تھے رذایل ہو گئے
دامن ہستی پہ تھیں داغ سیاہ
مٹ گئیں اس طرح جیسے دھو گئیں

جلیل

میرے زخموں پہ چھڑک کر وہ نمک کہتے ہیں
وہ تھا تلوار کا جوہر یہ ہے جوہر اپنا

بیخود

کیوں اُلجھتے ہو ہر اک بات پہ بیخود ان سے
تم بھی نادان بنے جاتے ہو ناداں کے ساتھ
حصر کعبہ پہ کیا ہے دیر سہی حج کا موسم نہیں تو سیر سہی

سایل

منہ پہ ملتا ہوں تری خاک قدم رو رو کر
کرنا پڑتا ہے وضو کر کے تیمم مجھ کو

برق لکھنؤ

گھونگٹ اک ناز سے نکالے
سہرا پھولوں کا منہ پہ ڈالے

چرخ چہارم پہ ہے نمایاں
فیاض زماں مسیح دوراں

ابر

غور سے جب کسی دیوانہ کی حالت دیکھی
دل پہ اک چوٹ لگی ہائے میں وحشی نہ ہوا

صفی

حسن رسوا ہو دل اس بات پہ راضی نہ ہوا
اک نظر دیکھہ لیا اس کو جو کوئی نہ ہوا

عزیز

طبقۂ گور گریباں پہ ذرا یوں نہ چلو
اک قیامت ہوئی یہ زور جوانی نہ ہوا
میں نے مجموعۂ جذبات پہ کی جب کہ نظر
تیری تاثیر تھی اے جلوۂ جاناں نہ جدا

وحشت

تیری رعنائی قامت کا بھلا کیا کہنا
ایسے مصرع پہ تو استاد ازل صاد کرے

چکبست

موت کے رنگ سے مٹتا ہے کہیں رنگ شباب
سرد ہونٹوں پہ جوانی کی ہنسی آتی ہے

سرور

جس پہ اتراتی ہے اب تک آہ تیری خاک پاک
دفن ہے زیر زمیں پہ کون فخر روز گار

مضطر

تیرے وعدہ پہ مرتا ہوں قیامت کے لئے ظالم
کوئی تہمت لگا مجھ پر کوئی طوفان پیدا کر

برق دہلوی

گر مجھ سے تیرا دل نہیں ملتا نہیں سہی
تو جس پہ جان دیتا ہے کر اس کی دلدہی

باسط

آئینہ زانو پہ رکھا جب وفور جوش میں
ماہ کامل کو لئے بیٹھا تھا میں آغوش میں

سلیم

ہیں تیری شمع حسن پہ پروانہ اس لئے
شعلوں سے کھیلتے ہیں تری انجمن میں ہم

راسخ

اس پہ عاشق ہیں نگہ باز ہیں راسخ ہم بھی
دیکھ لیں گے نہ دکھاے رخ روشن سہرا

میں نہیں جانتا وہ کون سے فصحا ہیں اور کہاں رہتے ہیں جنہوں نے بقول جناب عشرت پہ بمعنی پر آب ترک کردیا ہے-جن شاعروں کے کلام سے ابھی اقتباس کیا گیا ہے وہ بیشک فصیح سمجھے جاتے ہیں اور ان میں سے اکثر اس وقت بفضلہ موجود ہیں-حضرت عشرت کو اس قسم کے اجتہاد سے آئندہ احتیاط چاہئیے-اب رہا نوراللغات کا قول-اس مضمون میں ہمارا روے سخن اردو کی نظم کی طرف ہے-بول چال کا جو اس میں ذکر آیا ہے سو بول چال کی کوئی سند نہیں—

جلال مرحوم کے ہاں (ان کو چوتھی دیوان نظم نگاریں میں) بیشک یہ

لفظ نہیں آیا-اس کے بدلے ہر جگھہ انہوں نے پر ھی لکھا ھے لیکن بوجہ ادغام کے جو انہیں اکثر و پیشتر موقعوں پر کرنا پڑا ھے بیسوں جگھہ " پر آیا " کا " پرا یا " وغیرہ شکلیں پیدا ہوگئی ھیں-اس سے تو کہیں بہتر تھا کہ وہ پہ ھی استعمال کرتے-اس کے علاوہ متروکات کے باب میں جناب جلال کو سند پیش کرنا شاید ٹھیک نہ ہوگا کیوں کہ ان کے ھاں بہت سے قدیم اور مسلمہ متروکات موجود ھیں-جیسے انکھڑیاں-اسی دیوان میں فرماتے ھیں:—

اپنی شوخ انکھڑیوں میں کچھہ تو حجاب آنے دو
راہ پر آئیں جو یہ خانہ خراب آنے دو

اس کے علاوہ چٹیلا' بے مرمتے نہ جاے' بہ سہل' پری گات' رسوا کن و غماز' جانی' بن ٹھن رھنا' پیش اھل مذاق' جاویداں' نڈری' نفس چند کے مہماں' گہ' پھبن کی تذکیر وغیرہ الفاظ اور ترکیبیں ان کے ھاں کثرت سے موجود ھیں-میں یہ ضرور کہونگا کہ بعض اُمور کا لحاظ اُنھوں نے بہت کیا ھے چنانچہ اُن کے ھاں کہیں خود رفتہ نہیں آیا ہر جگہ بڑے جد و جہد سے از خود رفتہ اور از خود رفتگی ھی لاے ھیں-حکیم صاحب مغفور کے مداح آزردہ ہوں گے ورنہ یہ ثابت کیا جا سکتا ھے کہ چند فارسی اور بعض اُردو "متروکات" سے بچنے میں ان کا ذھن اتنا صرف ہو گیا کہ اُن کے کلام میں تخیل شاعرانہ کا اتنا نشان بھی نہیں ملتا جتنا بیچاری غزل کے لئے ضروری سمجھا گیا ھے—

پر بمعنی مگر یا لیکن | حضرت شوق لکھتے ھیں "پر بمعنی لیکن بعض فصحا نے ترک کر دیا ھے" معلوم نہیں وہ بعض فصحا کونسے ھیں جنھوں نے یہ لفظ متروک قرار دیا-جناب عشرت لکھتے ھیں "آخر میں داغ و جلال نے بھی ترک کر دیا تھا" جلال کی متروکات کی نسبت اوپر کچھہ ذکر آگیا ھے-داغ کے اخیری دیوان میں ایسے بہت سے لفظ اور ترکیبیں موجود

هیں جنھیں متروک بتایا جاتا ہے مثلاً سو، ساقیا، گلابی پوش، وہ ہی، بسا غنیمت، تا بہ حشر، دستگہ، روسیہ، سدا، دیجے بجاے دیجئے وغیرہ۔اس لئے اس باب میں نہ جلال کی سند مسلم ہو سکتی ہے نہ داغ کی۔ نوراللغات شوق کا ہمنوا ہے چونکہ اس معنی کا حامل اور کوئی لفظ اتنا مختصر نہیں ہے اس لئے اگر اسے صرف عشقیہ غزل کے متعلق متروک سمجھا جاے تو مضائقہ نہ ہوگا مگر نظموں میں یا نیچرل مضمون کی غزلوں میں ہرگز ایسا نہیں ہونا چاہئے۔اس لفظ میں نہ کوئی ثقالت ہے نہ ذم کا پہلو اور پھر اتنا مختصر۔ کوئی وجہ نہیں کہ اسے ترک کیا جاے۔چند فصحا کے کلام سے استفادہ کیا جاتا ہے —

امیر

سیہ کاری سے جی بھرتا نہیں پر شام آتی ہے
کہاں تک بوجھ رکھئے کاتب اعمال کے سر پر

لگایا تو گلے سے پر لگائی تیغ بھی آکے
ملا تو عید کے دن وہ مگر چیں برجبیں ہوکر

اس قدر ہے دراز ہجر کی رات پر تڑپنے سے جی نہیں بھرتا

نظر

نظر ہم کو علاقہ شعر سے کیا پر یہ حسرت ہے
نہ رہتے ہم تو اپنا ذکر اس محفل میں رہ جاتا

صفی

لب پر اک موج تبسم ہاتھ میں ہلکی سی تیغ
نیم بسمل سیکڑوں پر نیم جاں کوئی نہیں

ابر مرحوم

جو نازک طبع ہیں مت جاتے ہیں پر اُف نہیں کرتے
شکست رنگ گل کی کب صدا آتی ہے گلشن میں

برق لکھنوی

ہر ایک کا جدا ہے رنگ و روغن پر سبزہ پہ ہے بلا کا جوبن

بہ ظاہر یہ پایا جاتا ہے کہ پر کلمۂ استثنا کی معنی میں متروکات دہلی میں سے ہیں—

گر، بجائے اگر

شوق لکھتے ہیں ''گر بجائے اگر بعضوں نے وجوباً ترک کر دیا ہے'' عشرت نے اس لفظ کو متروکات میں نہیں لیا۔ نوراللغات اُردو نثر میں متروک اور نظم میں اگر کو فصیح قرار دیتا ہے۔اس کی نسبت بھی میرا وہی قول ہے جو پر، کی نسبت آچکا ہے اب شعرا کا قول سنئیے:—

داغ

فتنہ سازی بھی مرے دل کی قیامت ہوتی
گر ترے کوچے کی مٹی سے بنایا جاتا

اے واعظ اس کا ڈر ہے کہ آئے نہ آئے راس
گر بادۂ طہور مرے حق میں سم ہوا

امیر

کرتے تو ہو سوال امیر اس سے حشر میں
اور اس کو گر جواب نہ آیا تو پھر کہو

بیخود

سنو گے اسی طرح گر بن کے پتھر
نہ میں کہہ سکوں گا نہ تم سن سکو گے

جلیل

یہی عالم ہے گر جوش جنوں میں خاک اُڑانے کا
زمیں بھی سر پہ اک دن آرہیگی آسماں ہو کر*

---

* تارکان ادب کے قول کے مطابق اس شعر میں دو متروکات موجود ہیں۔ دوسرے مصرعہ میں بجائے پر، کے پہ، آیا ہے مگر شعر کی شان ملاحظہ کے قابل ہے —

نظر

نہ دیتا گر سہارا کچھ اُمید وصل کا طوفاں
شناور بحر غم کا حسرت ساحل میں رہ جاتا

محروم

ہم کو گر ہستی جاوید عطا کی تو نے
اپنے الطاف پہ اک اور اضافہ کر دے

برق دہلوی

گر اور ہی کسی پہ ترا دل نثار ہے
دم بھر بھی گر تجھے مرے ملنے سے عار ہے (مثنوی)

صفدر

وزیر اس وقت گر ہوتے تو ان سے پوچھتے ہم بھی
لیا ملک معانی کس نے شاہ شاعراں ہو کر

راسخ

گر مال طلب کروں تو کتنا چاہو
کیا مجھ پہ بنی ہے کیوں یہ فتنہ چاہو

نظم

اُلٹ جانے کی شایاں گر زمیں ہے
تو پھٹ پڑنے کے قابل آسماں ہے

تلک | جناب شوق کے قول کے مطابق "اکثر خواص نے ترک کر دیا ہے" اور یہ امر واقعہ ہے کہ ایسا ہوا ہے۔جناب عشرت کی متروکی فہرست میں یہ لفظ شامل نہیں۔ بقول نوراللغات "خاص خاص شعرا نے ترک کر دیا ہے" معلوم یہ ہوتا ہے کہ سنہ ۱۸۸۷ء کے بعد یہ لفظ پھر تناسخ پذیر ہو گیا اور صرف خاص خاص شعرا ہی اسے مردہ سمجھتے رہے۔ لیکن موجودہ شاعروں کا

کلام دیکھنے سے پایا جاتا ھے کہ غالباً اس خوف سے کہ مبادا تنقید کے توپ خانہ کا منہ ان کی طرف موڑ دیا جائے اول صنف کے اکثر شاعر اس کے استعمال سے پرھیز کرتے ھیں-جو عہد متروکات کے باب میں تعین کر چکا ھوں اس میں اس کے استعمال کی مجھے صرف تین نظیریں ملیں-بعض الفاظ خواہ مخواہ مرعوب ھو کر بھی ترک کر دئے جاتے ھیں-اگر یہ لفظ ترک کر دینے کے قابل ھے تو اس کی وجہ کیوں نہیں بتائی جاتی-مانا کہ 'تک' اس کا مرادف اور اس سے مختصر لفظ موجود ھے-مگر جب نظم میں قافیہ کی قید لازمی ھے تو ملک اور فلک کا ایسا بولتا ھوا قافیہ کیوں لغات سے خارج کیا جاتا ھے-اگر امیر مرحوم فصاحت کے باب میں خصوصیت رکھتے تھے تو سنئے وہ کیا کہتے ھیں:—

امیر

دھوم کرتا ھے تو اے وحشت تو خاطر خواہ کر
شہر گردی کب تلک صحرا سے بھی کچھ راہ کر
کعبہ نہ جائے جو رہ نہ پہنچے خدا تلک
زاھد خدا کے گھر کی یہی ایک راہ ھے

اقبال

ھمنشیں افسانۂ بیداری جمہور چھیڑ
قصۂ خواب آور اسکندر و جم کب تلک (کب تلک ردیف)

معلوم ھوتا ھے کہ تلک کا ترک دھلی کے اجتہادات میں سے ھے نہ داغ کے ھاں آیا اور نہ دوسرے مشاھیر کے ھاں ملا-لکھنؤ بھی اب اس سے محترز ھو چلا ھے-بہر حال غزل کے متعلق راقم کو اس لفظ کی حمایت میں اصرار نہیں—

یاں-واں

بقول شوق محض غیر فصیح هے اور اکثر شعرا نے ترک کر دیا هے- قرار نے اس کا ذکر نہیں کیا-نوراللغات کے ارشاد کے بموجب "فصحاے دهلی استعمال کرتے هیں لکهنؤ کے بعض شعرا احتراز کرتے هیں" لیکن تحقیق کا نتیجه اس کے برعکس هے-داغ کے هاں یه لفظ کہیں نہیں آیا-نه مشاهیر دهلی کے کلام میں دیکها گیا-هاں لکهنؤ اور اس کے توابعات میں اس کا استعمال کم و بیش پایا جاتا هے-جس لفظ کو امیر آخیر تک استعمال کرتے رهے اور جلیل اور چکبست اب تک کر رهے هیں وه بقول شوق غیر فصیح کیسے هو سکتا هے اور اس پر طره یه که وه شوق کا اجتهاد اس باب میں دیکهه چکے تهے—

امیر

کسی په زخم پڑا یاں جگر په آئی چوٹ
بهلا هو زخم کا اپنی هوئی پرائی چوٹ
مجهه سے هو سکتا که دیتا بازوے قاتل کو رنج
واں هوئی ابرو کو جنبش یاں بدن پر سر نه تها

جلیل

وعدے په نه یاں آنا وعده نه وفا کرنا
آنا تو الگ رهنا کرنا تو جفا کرنا
واعظ کی کیا مجال جو مستوں میں آسکے
یاں هوش کا گزر نه کسی هوشیار کا

چکبست

سنتے هیں انهیں کے لئے هے کوثر و تسنیم
یاں جو ره مولا میں لٹاتے هیں زر و سیم

یاس

رهائی کا خیال خام ہے یاں کان بجتے ہیں
اسیرو بیٹھے کیا ہو گوش بر آواز رر ہوکر
ہوا کا دخل نہیں یاں وہاں ہوا کا عمل
قفس کی سست بنا ہے کہ آشیانے کی

بلیغ

تم گھر گئے یاں دل میں اٹھا درد قضا آئی
کیا پوچھتے ہو حال عدم کے سفری کا
عالم نزع میں اٹھوائے گئے ہم واں سے
ہائے کس وقت ہوا ہے در جانانہ جدا

حسرت

نکلا جو واں سے پھر نہ فراغت ہوئی نصیب
آسودگی کی جان تری انجمن میں ہے
ہوں دولت و حشمت پر ارباب ہوس نازاں
یاں بے سر و سامانی سامان محبت ہے

ضامن

اس کی جمعہ کی کل غنیمت
واں ہوتی تھی زیب خواں نعمت

الف ندا کا اختلاط منادیٰ کے ساتھہ

بقول شوق "اب غیر فصیح ٹھرا ہوا ہے" تعجب ہے کہ مہتاب اور صنمخانہ میں یہ ترکیب کیوں فصیح سمجھی گئی-شوق کے یہ لفظ سنہ ۱۸۸۷ ع سے آج تک کئی بار چھپ چکے ہیں مگر فصحا اور شعرا نے دلا تو ترک کر دیا لیکن ساقیا-زاہدا وغیرہ اب تک برابر لکھہ رہے ہیں-یہ ترکیب مع خوشا کے (جلال " خوشا نصیب اس

کے"۔ایسی ترکیبیں بہت استعمال کرتے ھیں) وجوباً ترک کر دینا چاھئیے—

اور فع کے وزن پر یعنی اُر۔آؤر کے بدلے	حضرت شوق لکھتے ھیں بعض فصحا واؤ نہیں گراتے۔جناب عشرت کے رسالہ میں یہ لفظ نہیں آیا۔قرار صاحب نے بھی اسے چھوڑ دیا ھے۔نوراللغات میں اسے متروکات کی فہرست

میں شامل نہیں کیا گیا۔راقم کی رائے ھے کہ غزل میں یہ لفظ غور کے وزن پر ھی استعمال کرنا بہتر ھے۔داغ۔جلال اور جلیل نے یہ لفظ بر وزن فع استعمال نہیں کیا۔عزیز۔سرور۔شوق قدوائی۔برق لکھنوی۔وحشت۔نظم۔اور نادر کے ھاں کہیں کہیں آیا ھے*۔غزل کے شاعروں نے خوب کیا کہ اسے ترک کر دیا—

چکھا۔رکھا۔لکھا۔اٹھا	جناب شوق فرماتے ھیں دوسرے حرف کی تشدید کے ساتھ فصیح ھے تحتی نوٹ میں لکھتے ھیں "حتی الوسع بالتشدید

ھی استعمال کرنا چاھئیے مگر بضرورت بالتخفیف بھی بے تکلف استعمال کر سکتے ھیں کیونکہ تلک اور سدا کی طرح یہ متروک نہیں"۔بارے† اصول نہیں تو اصول کی پرچھائیں ھی سہی کچھ تو پتا چلا۔اس سے صاف ظاھر ھے کہ ضرورت کی شرط پر ان لفظوں کے استعمال یا ترک کا انحصار ھے۔میں کہتا ھوں یہ ضرورت کی شرط اور متروکات سے وابستہ کیوں نہو۔کیا وجہ ھے کہ تلک اور سدا ضرورت پر بے تکلف استعمال نہ کئے جائیں۔جناب قرار کی فہرست میں حرف رکھا ھی ھے۔راقم کا قول یہ ھے کہ غزل میں ان تینوں لفظوں کا ک تشدید بغیر آنا وجوباً متروک قرار دینا چاھئیے۔میں نے ایک اور۔چوتھا لفظ بھی لکھدیا ھے یعنی اٹھا۔اس کے ماضی مطلق واحد کے صیغے میں ت پر وجوباً تشدید لانی چاھئیے

---

* امیر مرحوم نے صنمخانہ میں ایک جگہ ضرور استعمال کیا ھے—

دل جو دیں ان سے تو اے جان یہ گہرا پردا
اور روا رکھتے ھو پردے میں پھر آنا دل کا

† راقم "بارے" کو ترک کے قابل نہیں سمجھتا—

تاکہ امر کے واحد حاضر صیغہ اور اسی طرح فعل کے دوسرے صیغوں کا آپس میں التباس بالکل نرہے—

ذیل کے شعرا کا کلام دیکھکر جنکی فصیح بیانی کے سب قایل ھیں یہ شبہ ھوتا ھے کہ وہ بزرگ اِن "تارکان ادب" کے اجتہاد کو نہیں مانتے جس کا سبب غالباً انہیں کی نازک مزاجی ھوئی-جب ترک کی لَے بے حد بڑھی تو شاعروں نے ان "تارکان ادب" کو نظر انداز کردیا—

داغ

روزہ رکھیں نماز پڑھیں-حج ادا کریں
اللہ یہ ثواب بھی ھے کس عذاب ھے

لڑیں گے وہ حوروں سے فردوس میں
یہ فتنہ اٹھے گا قیامت کے بعد

لکھا ھے داغ نے اس کا یہ مصرعہ تاریخ
ھزاروں سال مبارک یہ جشن سال گرہ

امیر

ضبط کرتے ھی اثر نالوں کا ظاھر ھوگیا
بول اٹھے گھبرا کے ھے ھے 'او وہ آخر ھوگیا

خط طویل یار کو میں نے لکھا مگر
مطلب کو دیکھئے تو کہیں کچھہ پتا نہیں

جلال

بے تمہارے یہ رھی شکل نشست و برخاست
بیٹھے دل ھوکے اٹھے درد جگر کی صورت

تقدیر کا لکھا اسے کہتا ھے نامہ بر
خط آے غیر کا مرے خط کے جواب میں

ریاض

ریاض اب کیا کریں اس شہر سے هم قصد جانے کا
نصیبوں میں لکھا هے خاک گورکھپور هوجانا

جلیل

دل چیخ اٹھا خیال جو ابرو کا آگیا
خنجر لگا گیا کوئی خنجر لگا گیا
لکھا هے شان میں اس کی جو سہر برج شاهی هے
چھک جاے نه کیوں اس بندۂ درگاہ کا سہرا

عزیز

پردہ اٹھا تو مرجع دل یه جہاں تھا
شرمندگی هوئی مجھے اپنی خمیر سے

مہاراجه شاد

هوا جو تاریخ کا میں خواهاں تو بول اٹھا شاد هو کے شاداں

برهم

میں نے اے برهم لکھا ترتیب دیواں کا یه سال

برق لکھنوی

مرغان چمن چھک اٹھو تم گلہاے چمن مہک اٹھو تم

لیجے۔دیجے بجاے لیجئے۔دیجئے

جناب شوق لکھتے هیں "ایک ی، گرانا اور بر وزن فعلن استعمال کرنا غیر فصیح ٹھہرا هوا هے" نوراللغات شوق کا هم زبان هے۔عشرت اور قرار کے هاں اس کا ذکر نہیں۔کیا وجوہ لاحق هوے که فعل کی ان دو شکلوں میں سے ایک کو قطعاً متروک قرار دینے کی ٹھہرائی ؟ پایا جاتا هے که یه لکھنؤ کے متروکات میں سے هے۔وهاں معاصرین کے کلام میں ایسے صیغے فعلن کے وزن پر نہیں آتے۔هاں دهلی میں یه شکل اب تک مروج هے—

داغ

وہ خریدار ہی دل کے نہ ہوے کیا کیجے
ہم بھی کچھہ دیتے کچھہ ان کو بھی دبایا جاتا

میرے ہی ہاتھہ سے مشکل مری آسان ہوگی
مجھکو دیجے جو نہیں آپ سے خنجر پھرتا

بیخود

ناپ لیجے اپنے گیسو کی درازی قد سے آپ
اب تو یہ فتنہ قیامت کے برابر ہوگیا

زکی

دلیل راہ اس نقش پا ہے سر فدا کیجے
طریق عشق میں یہ ارمغاں ہے پہلی منزل کا

راسخ

ہے توڑ یہ بھوک کا کہ سم کھا لیجے
ٹھوکر بھی لگے تو ہر قدم کھا لیجے

سایل

دونوں جملوں کو جمع کر لیجے
سن ہجری کی ہوگئی تکمیل

شاعر

سر شوریدہ میں وہ بات نہیں پہلی سی
اب تو وقت آگیا کیجے بھی سبکدوش مجھے

بتلانا دکھلانا وغیرہ | بتلانا دکھلانا وغیرہ بتانا دکھانا وغیرہ کی جگھہ استعمال کرنا دھلی کے متروکات میں سے معلوم ہوتا ہے۔ اس کی نسبت بھی راقم کی یہ راے ہے کہ اگر اس کا ترک واجب رکھا جاے تو

تو غزل تک محدود رهے—

امیر

سنتا هوں محتسب نے کیا میکدہ کو قرق

بٹھلا دیا یزید نے پہرا فرات پر

آنکھہ دکھلاتے هیں وہ دیکھیں گے مجھکو بیتاب

یہ نکالا ھے نیا درد جگر کا تعویذ

جلال

وہ ٹھکانا تمہیں بتلادے جہاں رهتا هے

هوش میں اپنے زخود رفتہ کو جب لاؤ ابھی

چکبست

نہ بتلائی کسی نے بھی حقیقت راز هستی کی

بتوں سے جاکے سر پھوڑا بہت دیر برهمن میں

عزیز

ایک حالت هو تو اس منظر کو دکھلائے کوئی

سیکڑوں دیکھے تماشے اے بلائے ناگہاں

سدا

سدا کے خلاف دهلی اور لکھنؤ نے غضب کی تلوار سوتی هوئی هے - حضرت اکبر مرحوم اور جناب جلیل کی جوانمردی توصیف کے قابل هے کہ انہوں نے اس غریب کو اچھوت نہ مانا—

اکبر

صوائے سرمدی سے مست رهتا هوں سدا اکبر

مجھے نغموں سے کیا مطلب مجھے سرگم سے کیا مطلب

جلیل

جلیل سنگ حوادث کا کیا کریں شکوہ
ہمارے دل نے سدا چوٹ پر اُٹھائی چوٹ

یہ سوال نہایت اہم ہے کہ کیوں اس لفظ کو ترک کیا جائے - اگر یہ کہا جائے کہ صدا سے التباس نہو اس غرض سے اس غریب کو اردو کی برادری سے کان پکڑ کے نکال باہر کیا -تو میں کہوں گا کہ ہماری زبان میں بہت لفظ ایسے موجود ہیں جو ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہیں اور وہ بے تکلف استعمال کئے جاتے ہیں - مگر حرف استثناء ہے - اور ایک دریائی جانور کا نام بھی ہے اور کسی سے سرگوشی کرنے کا امتیاز بھی رکھتا ہے - کیوں نہ اس لفظ کو صرف ایک معنی میں استعمال کیا جائے اور باقی دو میں ترک کردیا جائے - ایک اور لغت صلوت ہے جو دو بالکل متناقض معنوں میں استعمال ہوتا ہے بھاشا کے ایسے بہت لفظ اردو میں موجود ہیں جو سدا اور صدا سے بھی زیادہ متشابہ باہم ہیں - کہئے کہ تلفظ اور املا میں عربی یا فارسی الفاظ سے بالکل یکساں ہیں جیسے کالا - مالی - مور - بندر - در - وغیرہ کیوں بھاشا لفظ متروک قرار دیا جائے اور عربی فارسی کے نہیں - جنکے مترادف اردو میں موجود ہیں یہ دیکھکر نہایت تعجب ہوتا ہے کہ اُدھر تو ایک لفظ کو اس کے مقدس معنے سے ھٹا کر نہایت مکروہ معنی پہنائے جاتے ہیں اور ادھر ایک لفظ کو جس کا ہموزن ہم معنی میسر نہیں اس بنا پر ترک کیا جاتا ہے کہ اس کی آواز ایک اور لفظ کی آواز سے ملتی ہے - ہمیشہ - دایم - دایما مدام وغیرہ الفاظ رباعی ہیں بلکہ بعض ان میں خماسی بھی - جناب جلیل اور جناب اکبر نے بہت معقولیت سے کام لیا کہ انیس اور مومن کے استعمال کی تقلیدکی - میں ان "تارکان ادب" سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ کیا ان کا عندیہ یہ ہے کہ سے میں - کا - جیسے چند روابط - گنتی کے مصدروں - دس پانچ اسمائے ذات اور

دو چار صفات سوا باقی تمام اردو اور سودیشی لفظ زبان سے خارج کردئیے جائیں اور ان کی جگہ عربی، فارسی، ترکی، مصری، عراقی وغیرہ الفاظ بھرتی کئے جائیں - ایسا ھے تو اس کا اعلان ھونا چاھئے تاکہ کوئی دھوکے میں نہ رھے - جن لوگو نے ھندی اور اردو بنائی وہ ایک اور زبان بھی بنا سکتے ھیں - اساتذہ اور مشاھیر کے کلام کے اقتباسات سے واضح ھو سکتا ھے کہ اِن اکثر نام کے متروکات کی متروکی حیثیت کہاں تک اسم با مسمے کی شان رکھتی ھے - ان تارکان ادب نے یہ بھی کیا ھے کہ اگر ایک شاعر نے کوئی غلطی کی یعنی غلط استعمال کیا یا ایک استاد کے باب میں کھدیجے کہ تصرف کیا تو اسے بھی متروکات میں شامل کر کے اپنی فہرست کی طوالت میں اضافہ کردیا ھے- مثلاً حضرت عشرت خواجہ کے المضات کو بھی متروکات ذیل میں لے آئے ھیں- خواجہ سرحوم نے لا علمی سے یا بے خیالی میں المضات کو غلط باندہ دیا تھا —

زھر پر ھیز ھوگیا مجھ کو-درد درماں سے المضات ھوا-

اسی طرح صاحب نوراللغات نے خواجہ مرحوم کی دوسری غلطی یا "تصرف استادانہ" یا شاعرانہ مجبوری کو جو "حلوۂ بیدود" کی شکل میں ظہور پذیر ھوئی تھی متروکات کی فہرست میں رکھہ دیا ھے- "سندیسا" کا ذکر پہلے آچکا ھے- یہ واقعات طویل استدلال سے مستغنی کرکے یقین دلاتے ھیں کہ ان کی فہم نے "متروک" کی تعریف ھی متروک قرار دیتی ھے- غرابت مخالفت قیاس- لغوی- ضعف تالیف وغیرہ کے تحت میں جو ذمایم اور نقایص بیان کئے گئے ھیں ان سب کو متروکات میں گڈمڈ کردینا ایسا کرنے والوں کی علمی استعداد اور فن-کی واقفیت کی قلعی کھولتا ھے- متروک کی تعریف یہ قرار دیجا سکتی ھے —

متروک وہ لفظ یا ترکیب ھی جو ایک وقت ایک زبان میں بغیر کسی قید اور تخصیص کے مستعمل ھو لیکن پھر اس کا استعمال بالکل یا اس کے ایک مختص معنی میں ترک کردیا گیا اس اھم موضوع پر کسی نے تفصیل اور دلیلوں

کے ساتھ بحث تو کی نہیں، ہاں کیا تو یہ کیا کہ اپنی زعم میں جن لفظوں یا صیغوں کو رکیک اور مذموم یا غلط سمجھا انہیں آنکھ بند کرکے متروکات کی فہرست میں داخل کردیا۔ لکھنئو والوں نے دہلی کی خصوصیات کو اور دہلی والوں نے لکھنئو کے خصوصیات اور اغلاط کو متروکات کی مثل میں نتھی کردیا اور سب نے پنجاب کے خصوصیات کو متروکات قرار دے دیا۔ اردو کے متروکات اور متروک کی تعریف ہر ایک کے ذہن سے پرے پرے ہی رہی۔ اور یہ بھی ہوا کہ ایک جگہ کے مستقل متروک کی پروا اس شخص نے جو وہاں سے ادبی واسطہ نہیں رکھتا مطلق نہ کی۔ مثلاً آگے ذکر آچکا ہے کہ صاحب نوراللغات نے اپنی ہاں متروکات کی فہرست کو فضول طول دیا ہے لیکن اس پر بھی وہ فہرست مکمل نہیں۔ جاننا چاہئیے کہ دہلی کے فصحا میں " دکھنا" متروک اور غیر فصیح ہے وہ اس کے بدلے " دکھائی دینا" کہتے ہیں۔ اگرچہ میں اس ترک کے خلاف ہوں کیونکہ مجھے کوئی برہان ناطق نظر نہیں آتی کہ کیوں ایک چار حرف کا لفظ ترک کرکے اس کی جگہ نو حرف کا لفظ وجوباً استعمال کیا جائے۔ میرے ہاں یہ لفظ ایک جگہ آگیا تھا۔ احباب نے ٹوکا۔ میں نے کہا آپ سے نکلے تو نکالدیجئیے۔ اس میں وہ سب قاصر رہے۔ آخر وہ اُسی طرح قایم رہا۔ یہاں جو یہ ذکر آگیا ہے تو میں ایک اصول کی بات بتانا چاہتا ہوں۔ ہم لوگ یعنی ہندوستان کے ہندو مسلمان خواہ کسی خطے اور حصے میں رہتے ہوں مذہبی عقیدت اور دینی احکام کی پابندی میں نہایت راسخ اور استوار ہونے کے باوجود تہذیب اخلاق کے باب میں نہ صرف یقین سے بلکہ عمل سے بھی ضعیف الاعتقاد اور ڈھلمل یقین ہیں۔ " شبہ شنکا" شگون بدشگون، سعد و نحس وغیرہ ارکان دین کے ساتھ ساتھ ہمارے دلوں پر مسلط ہیں۔ نذر نیاز، بھینٹ چڑھاوا، سامنے سے چھینک پڑی ابھی مت جاؤ!۔ بلی راستہ کاٹ گئی کسی سے لڑائی ہوگی۔ اُس طاقچے کو جمعرات کے دن سہرا اور گھی کا دیا چڑھاؤ۔ اس پیپل کے پیڑ کو پورنماسی کی رات کو دودھ پلاؤ اور کلاوہ

پهناؤ- "وہ پیرجی پرانے بخار کا تیر بہدف تعویذ دیتے ہیں"- "سول سرجن ہوجائیں تو ضرور ان پیرجی کو بلائینگے"- "وہ بھگت جی تلی کا حکمی جھاڑا کرتے ہیں"- کل مسہل ہولے تو جھڑوا لایا کرو"- مختصر یہ کہ جب افراد کے مزاج میں سودائیت غلبہ پا جاتی ہے تو نظام اعصابی ماؤف ہوکر ذکی الحس ہوجاتا ہے- یعنی ذرا سی سردی یا گرمی سے طبعیت بگڑ جاتی ہے- برائے نام تری یا خشکی کی زیادتی بیماری کی صورت پیدا کر دیتی ہے- خاص اسباب سے جو کیفیت افراد کی جسمانی صحت میں مریضانہ ذکی الحسی کی شکل میں صورت پذیر ہوتی ہے ویسی ہی کیفیت اِنسانوں میں من حیث الجماعت ذہنی صحت میں احساس کی مریضانہ شدت کی شکل میں صورت پذیر ہوجاتی ہے- جس کی آئینہ بردار اس کی زبان ہوا کرتی ہے- جنھوں نے علمی اصول پر زبانوں کی تحقیق کی ہے وہ ایک زبان کی ساخت، اس سے محاورں، کہاوتوں اور صنایع بدایع سے اس کے استعمال کرنیوالوں کے سیر اور تہذیب معاشرت کا مجسمہ تیار کر لیتے ہیں- جب کہ ہماری معاشری اور جماعتی حالت وہ ہے جس کی طرف ابھی اشارہ ہوا تو یہ امر لابد تھا کہ ہماری زبان شکوک اور واہمہ کی زیر مشق ہو- جبھی تو آپ دیکھتے ہیں کہ نقایص اور سقایم، عیوب اور ذمایم جتنے ہمارے ہاں بتائے جاتے ہیں اس قسم کے کسی اور زبان میں نہیں پائے جاتے- ایک ذم کا پہلو ہی ایسا جن ہمارے پیچھے پڑا ہوا ہے کہ شاید کوئی اس سے بچا ہوگا- جو بولو وہی لکھو نہیں تو فصاحت کی ٹکسال سے باہر- یہ کانوں کو بھلا نہیں معلوم ہوتا، وہ لفظ اب تک کسی نے استعمال نہیں کیا یہ روزمرہ کے خلاف، وہ محاورہ کی سند کا محتاج، وغیرہ وغیرہ- ان سب باتوں پر طرہ یہ کہ لے دے کے تین حروف علت تو ہماری زبان کی پونجی مگر وہ بھی منہہ کھول کر اپنا نام نہیں بتانے پاتے- کوئی کہتا ہے فارسی الفاظ کا الف گرانا جایز نہیں- کوئی حکم لگاتا ہے الف، واؤ، ی، کسی کا بھی تقطیع سے ساقط ہونا جایز نہیں- کوئی یہ فتوی

دیتا ھے کہ واؤ اور ی کا مضایقہ نہیں لیکن الف سالم الصوت اور تقطیع کے اندر رھنا چاھئے۔ یہ شاید اس ادب کے پاس سے کہ رام اور خدا میں یہ حرف آیا ھے۔اور یہ کسی کی سمجھہ میں نہ آیا کہ اردو نظم میں آخر ایسی کیا بات ھے کہ اس غریب تثلیث کی گوشمالی ناگزیر ھے * —

عرصہ | ایک صاحب فرماتے ھیں "عرصہ بمعنی مدت آج کل زبانوں پر بہت جاری ھے۔مگر احتیاط لازم ھے کیونکہ عرصہ بمعنی میدان ھے"۔محض یہ واقعہ کہ یہ لفظ آج کل اس معنی میں زبانوں پر بہت جاری ھے اس ترک کے خلاف بیٹھتا ھے۔پھر ھرج کیا ھے اگر دونوں معنوں میں استعمال کیا جائے۔لیکن لکھنے والے نے یہ غلط کہا کہ عرصہ بمعنی مدت آج کل زبانوں پر بہت جاری ھے۔ ھم تو شاھنشاہ اورنگ زیب کے وقت سے اس لفظ کو اس معنی میں سن رھے ھیں۔ نعمت خان عالی وقایع اول میں فرماگئے ھیں :-

یکے بشرط کہ فرداست کوچ تا دھلی   تواں بہ عرصۂ چل روز یا دو ماہ رسید

عادی - مشکور | یہ بھی ھورھا ھے کہ عرصہ کی طرح فارسی عربی کے وہ الفاظ جو ابتدا سے ابتک ایک خاص معنی میں مستعمل تھے،اب ترک کئے جارھے ھیں۔وہ لوگ یہ بھولتے ھیں کہ ایک لفظ کے لغوی معنی کے علاوہ اور معنی بھی ھوا کرتے ھیں اور کہ کلام کی عقلی حقیقت یا عقلی مجاز متکلم کے عندیہ اوراعتقاد پر منحصر ھے۔جب عادی اور مشکور مدتوں سے عادت گیرندہ اور احسان مند کے معنی میں استعمال ھورھے ھیں اور متکلم اور سامع دونوں کا ذھن انھیں معنوں کی طرف جاتا ھے تو اب قاموس اور صراح سے فتویٰ لیکر ان الفاظ کو اردو سے خارج کرنے میں کیا مصلحت ھے۔میں کہتا ھوں کہ گلاب کی مانند ان کو بھی مھند کیوں نہ مانا جائے۔جس طرح گُلاب سے گُلابی بنالیتے ھیں

---

* یہ موضوع اتنا تفصیل طلب ھے کہ اس سے یہاں بحث نہیں ھوسکتی اس لئے کسی آیندہ وقت پر ملتوی رکھا جاتا ھے —

اسی طرح مشکور سے مشکوری بنا لیا تو کیا ہرج ہوگیا۔ معنی یا املا اور ہجا کی تبدیلی کے ساتھ بے شمار الفاظ مفرس اور معرب ہوگئے ہیں۔ ذکی مرحوم فارسی عربی میں مسلمہ قابلیت رکھتے تھے اور مرزا غالب کے ارشد تلامذہ میں تھے انھوں نے مشکور استعمال کیا ہے۔ فرماتے ہیں:-

ہوئی تقدیم احساں احسن تقویم سے ثابت
نہو مشکور پھر کیوں بندہ لطف کبریائی کا

جناب ضامن کنتوری "گلزار نسیم اور تنقید نقاد" والے معنوں میں مشکور لکھتے ہیں—

عادی ہر اہل زبان کی زبان پر ہے۔ حضرت جلال نے اس بنا پر اس لفظ کو اردو سے خارج کیا تھا کہ اس کا وجود اردو کے ثقات شعرا کے کلام میں پایا نہیں جاتا۔ حکیم صاحب اگر نواب مرزا لکھنؤی کو ثقات شعرا میں نہیں سمجھتے تھے جو کہہ گئے ہیں—

ہم تو دشمن ہیں جعل سازی کے
آپ عادی ہیں رندی بازی کے

تو خواجہ وزیر لکھنؤی تو یقیناً ان ثقات حضرات کے حلقے کے ایک اعلیٰ رکن ہیں۔ فرماتے ہیں'

تیغ ابرو کی زباں عادی ہوئی
بات سیدھی بھی جو کی ٹیڑھی ہوئی

اسی پر اور الفاظ کے ترک کے اسباب اور علل کو قیاس فرما لیجئے--

اضافتیں یہ قرار دیا گیا ہے کہ تین مسلسل اضافتوں سے زیادہ کلام میں لانا ممنوع ہے۔ لیکن اس کی پابندی کم ہوتی ہے۔ حضرت ریاض ایک جگہہ چار اضافتیں لکھہ گئے ہیں۔ فرماتے ہیں:—

رہ گئے ہم گرد پس کاروان نقش کف راہرو دامن سخن

نقش کف پا بھی نہیں نقش آب　　　خاک سر آب روان سخن

دیکھئے چھوٹی بحر کے ان مصرعوں میں بارہ اضافتیں آئی ہیں —

اضافت وہیں تولا بد لانی پڑتی ہے جہاں تشبیہ اور استعارہ سے کام لیا جاے اور ان صنعتوں میں ہندی اردو سے کہیں بڑھی ہوئی ہے۔ہندی والے کس طرح اضافت کے بغیر ان کا نباہ کرتے ہیں؟ اس کے علاوہ فارسی میں اضافتوں کی اتنی بھر مار کیوں نہیں ہوتی۔خواجہ حافظ اور نظیری کی غزلیں پڑھئے اضافت کی وہ بہتات ان کی ہاں ہرگز نہیں جو اردو میں مرزا غالب اور اقبال کے ہاں پائی جاتی ہے۔بلکہ خود مرزا صاحب کی فارسی کلام میں اضافتوں کا وہ ہجوم نہیں جو ان کی اردو کلام میں موجود ہے۔یہ ضرور ہے کہ جب آپ نے دو تین کے سوا باقی تمام حروف تشبیہ متروک قرار دیدے * جیسے آسا، ساں، نمط۔صفت، رنگ وغیرہ تو پھر تشبیہ اور استعارہ کا بناہ ناممکن کے قریب ہوجاے گا۔ان سب امور کو نظر میں رکھہ کر راقم کی راے ہے کہ نثر میں اضافت وجوباً متروک قرار دی جاے اور نظم میں دو سے زیادہ اضافتیں نہ لائی جائیں۔نظم میں غزل بھی داخل ہے۔لیکن غزل گو شعرا سے میں یہ کہوں گا کہ اگر یہ درست ہے کہ غزل میں معشوق سے بات چیت کی جاتی ہے اور وہ معشوق اناث کی جنس کا ایک فرد ہے۔فعل خواہ کسی صیغہ میں لایا جاے۔تو انسب ہے کہ ایسی غزل کو اضافت سے معرا رکھا جاے۔کیوں کہ عورتیں اضافت نہیں بولتیں۔ریختی کے دیوانوں میں اضافت کا نشان کہیں نہ ملے گا غزل کا معشوق اسی زبان میں بات سننا پسند کرے گا۔جو وہ خود بولتا ہے —

نون | نون کے غنہ رکھنے یا اس کے اعلان کا قاعدہ بھی کلیہ کی حیثیت نہیں رکھتا۔یہ تو مانا کہ اضافت کے بعد اس کا اعلان نا جایز ہے، لیکن اضافت

---

* اس بات میں راقم کا کلی اتفاق ادب کے تارکوں کے ساتھ نہیں ہے —

کے بغیر اس کے اعلان یا غنہ ہونے کے متعلق کوئی التزام نہیں رکھا گیا۔ بس یہی کہدیا ہے کہ بلااضافت نون کا اعلان ہونا چاہئیے مگر جن الفاظ کا نون روز مرے میں غنہ بولا جاتا ہے اس کا اعلان مکروہ ہے۔ان الفاظ کی مکمل فہرست چاہئیے تھی—

مت | بعض ہندو فرقوں میں عورتوں اور ملک کے ایک خاص حصے میں اس لفظ کا جا وبیجا استعمال دیکھہ کر یہ حکم لگا دیا کہ مت نفی کے معنی میں متروک ہے۔راقم بھی اس معنی میں اس کے ترک کا حامی ہے لیکن فعل نہی حاضر کے صیغہ کےاستثنا کے ساتھہ اِس موقع پر مت کے بغیر نہی کی تاکید آدھی بھی نہیں رہتی—

اب میں اس قسم کی بحث کو بالفعل بند کر کے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ابتک کوئی اصول اور قاعدہ الفاظ اور ترکیبوں کے ترک کرنے کا اردو میں وضع نہیں کیا گیا ہے - راقم کے نزدیک ایک لفظ یا مرکب کو متروک اعلان کرنے سے پہلے ان اصولوں کا لحاظ رکھنا چاہئیے—

(ا) جولفظ کریہہ الصوت ہو یا ثقیل التلفظ جب کہ اس کا مترادف موجود ہو—

(ب) جس میں بذاتہ یا دوسرے الفاظ کے ساتھہ ملکر ذم کا پہلو نکلتا ہو—

(ج) علاوہ ان نقایص کے جو غرابت اور مخالفت قیاس لغوی کے تحت میں آتے ہیں ایسے الفاظ اور ترکیبیں جنکو پوری طور پر سمجھنے کے لئے عربی یا فارسی لغات دیکھنے ضرورت پڑے - یعنی اردو کو عربیرانی نہ بنایاجائے (عرب اور ایران کی زباں سے ماخوذ) —

(د) جو الفاظ سلاست ، فصاحت اور ترنم کے منافی ہوں اور اردو کی شخصیت کے قیام میں ہارج ہوں—

انھیں تعجرجه تعمیه هو سکتا هے-اصل میں ایسے اصول قایم کرنا کسی ایک انسان کا کام هے هی نہیں -انجمن ترقی اردو کا فرض هے که وہ ایک جامع اجلاس کسی مرکزی مقام پر منعقد کرنے کا انصرام کرے - جہاں ملک کے هرحصے کے ادیب اور منصف جمع هوں اور اس معامله اور زبان کے متعلق دوسرے امور کا فیصله پوری بحث مباحثه کے بعد هوکر قرارداد قایم کئے جائیں. راقم کے ذهن میں چند الفاظ اور باتیں ایسی هیں جنہیں ترک کردینا چاهئے مگر میرے متروکات دوقسم کے هیں لفظی اور معنوی - لفظی متروکات کا ذکر هر شخص کرتا هے اور انھیں سے اس مضمون میں ابتک بحث کی گئی هے - مناسب بلکه ضروری هے که متروکات کے دفتر میں معنوی متروکات کی جدا مثل ترتیب دیجائے—

معنوی متروکات

معنوی متروکات	میری راے میں امور ذیل کا (التزام) بطور معنوی متروکات کے هونا چاهئے—

(۱) خط عارض یا معشوق کی داڑهی مونچهه کا تذکرہ قطعاً ترک کردینا چاهئے - مشاهیر میں حضرت جلیل تک اس کا وجود پایا جاتا هے - تاج سخن میں لکھا هے—

نمود سبزۂ رخ پر سکوت ان کو هوا
یه خط وہ آیا هے جس کا کوی جواب نہیں

امید کی جاتی هے که غزلگو حضرات عاج کی یه تجویز بلا چوں چرا منظور فرمائنگے—

(۲) معشوق کی کم سنی—

وہ کم سنی میں کھیل بھی کھیلیں گے تو یہی
مٹی کے تیغ و ناوک و خنجر بنائیں گے

ابھی سن ھی کیا ھے جو بیباکیاں ھوں
انھیں آئیں گی شوخیاں آتے آتے
سہمے جاتے ھیں ڈرے جاتے ھیں وہ عاشق سے
کمسنی ھے ابھی اس سن میں جھجک ھوتی ھے

جلیل

وہ کمسنی کے سبب واقف عتاب نہیں
دم سحر ھے ابھی گرم آفتاب نہیں

غزل کی یہ بیہودگی شرافت اور صالح مذاق کے اسقدر منافی ھے کہ ایراد و تعریض کی محتاج نہیں - اس اخلاقی جرم سے بچنا چاھئے —

۳- معشوق کا روٹھنا سر آنکھوں پر- مگر گالیاں دینا اور کوسنا، سوقیت اور رکاکت کی خبر لاتا ھے- اس لئے ناشایستہ حرکت سے اُسے وجوباً باز رکھنا چاھئے-

۴- قصابی مضمون- یہ نام میں ایسے مضامین کو دیتا ھوں:-

نہ سوچے ھم کہ تہ تیغ ھوگی خلق اللہ
گھٹا نہ حوصلہ قاتل کے دل بڑھانے کا

معشوق نہ ھوا کسی شہر کے سلاٹر کا میر قصاب ھوا:—

لگائیں لاش پہ تلواریں اس نے مقتل میں
جو میرے بعد بھی آیا مرا ھی وار آیا

امیر

اتر کر اس نے مقتل میں جو کھینچا میان سے خنجر
قضا میداں سے بھاگی بیٹھ کر قاتل کے توسن پر

مہتاب داغ میں ۸۸ جگہ اس قسم کے قصابی مضمون آے ھیں- اس قبیل کے مضامین میں سب سے بڑی قباحت یہ ھے کہ معشوق کی جنسیت کے متعلق سامع کا ذھن ایک خاص جانب منتقل ھوتا ھے اور شاعر کے مذاق کو مذموم

ٹھراتا ہے۔ ستمگر اور ظالم کے ساتھہ سفاک اور قاتل معشوقوں کے ناموں میں رہنے دیجئے، مگر یہ قتل اور سفاکی، بوندی کی کٹاری، سروی کی تلوار اور اصفہانی شمشیر سے نہیں ہوتی۔اس کے لئے قدرت نے اُن کو اور ہتیاروں سے مسلح کیا ہے، جیسے تیغ ادا، تیر نظر، شمشیر تغافل، سنان مژگاں۔قدرت کی کارپردازی آپ کی اصلاح اور ترقی سے مستغنی ہے، یہ ہتیار آپ کے تیغ اور تیر سے زیادہ کاری ہیں اور معشوق کی جنسیت بھی قائم رہتی ہے —

۵-وصل-اس مضمون کے اشعار میں ایسی بد مذاقی اور عریاں نویسی سے کام لیا جاتا ہے کہ کوئی شاعر سینہ پر ہاتھہ مار کر یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں اپنی غزلیں اپنی ماں اور باپ اور بہن کے سامنے پڑھا کرتا ہوں۔معشوق کا عاشق کے ساتھہ تلوار بیچ میں رکھکر سونا، خلخال پائے دوست کی جھنکار، منہہ اور زبان کے مضامین، اور زیادہ کیا لکھوں۔بھلا ان باتوں میں شاعری کا کونسا کمال اور ادب کا کونسا معجزہ دکھایا جاتا ہے۔راقم کی ناقص رائے میں اس قسم کے مضامیں اور وصل کا یہ مفہوم یک قلم متروک قرار ہونا چاہئے۔ وصل کا اطلاق خلوت صحیحہ پر کرنا وجوباً متروک ہونا چاہئے اور اسکا مفہوم صرف اور محض عاشق معشوق کا ایک جگہ بیٹھنا جیسے دو پیارے دوست بیٹھتے ہیں۔شکوہ شکایت اور پیار محبت کی میٹھی میٹھی باتیں، باغ میں ساتھہ پھرنا وغیرہ وغیرہ ہونا چاہئے۔سونا، پلنگ اور شبستاں یا خوابگاہ میں معشوق سے تخلیہ کرنا وجوباً متروک ہوجانا چاہئے —

۶-جوبن کی نسبت یہ ضرور کہا گیا ہے کہ اس کا اطلاق شباب کی عام کیفیت تک محدود ہونا چاہئے، زنانہ سینے کی ایک خاص کیفیت پر نہیں۔لیکن اسپر کاربند کوئی نہیں ہوتا۔تذکرہ نویسوں اور رسالہ والوں کو چاہئے کہ ایسے شعر قلمزد کر دیا کریں۔اپنے شاگردوں کی غزل بناتے وقت استادوں کو بھی اسکا اور نیز دوسرے امور کا خیال چاہئے، جن کا ذکر اس ذیل میں آیا ہے

ہے-مختصر یہ کہ معشوق کا سر اور گردن، ہاتھ کو کہنی تک-پانوں ٹخنے تک، شاعری کی ملکیت ہونی چاہئیے-کمر کو وحدہٗ لاشریک کی مصداق پر مانکر اس کی نازکی کا تذکرہ کر سکتے ہیں-جسم کے باقی حصوں اور عضووں سے لادعوی ہو جانا چاہئیے—

۷-معشوق کا لباس-معشوق کی کج کلاہی اور ایک پیچ وغیرہ تو اب لوگ بھول گئے ہیں اور زیادہ توجہ زنانہ لباس کی جانب ہے-لیکن اکثر یہ ہوتا ہے کہ اپنی من مانتے کپڑے پہناتے ہوئے شاعر غریب معشوق کو ننگا کر دیتے ہیں عریاں نویسی کا یہ دوسرا قبیح اور مذموم پہلو ہے-جب یہ تسلیم ہو چکا کہ معشوق ہمیشہ اناث کی جنس سے ہے تو اس باب میں اور بھی احتیاط درکار ہے-لوگ پوشاک کا ذکر کرتے کرتے جسم کے ان حصوں کا بھی صراحتاً یا کنایتاً ذکر کر جاتے ہیں جن کو اس پوشاک میں مستور رہنا چاہئیے-نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کلام بالکل ننگا ہو جاتا ہے-دو پٹہ یا آنچل اس تذکرہ میں کافی ہے-یہ ساڑھی پہننے والوں اور دوسری قسم کی پوشاک والوں سب پر عاید ہوسکتا ہے-کیونکہ ہندوستان کی ہر زنانی پوشاک میں آنچل کا وجود ثابت ہے-دامن اور زیریں لباس کے گھیر کا بھی مضایقہ نہیں-یہ ایسی چیزیں ہیں جو کسی خاص فرقہ یا ملک کے حصہ سے مختص نہیں-پوشاک کی باقی چیزوں کا ذکر وجوباً متروک ہونا چاہئیے—

۸-غزل میں ایک اور انوکھا سوانگ بھرا جاتا ہے-شاعر اپنے آپ کو پرند بنا کر صیاد کے جال میں پھنسا تا ہے وہاں سے پنجرے میں منتقل کیا جاتا ہے جہاں میاں مٹھو بنا چڑیمار کو کوسا کرتا ہے-کبھی "دشت جنوں" میں تنکے چننا بھول کر جو اس کا منصبی فرض تھا سچ مچ کے تنکے چننے لگتا ہے اس سے اپنا گھونسلا بناتا ہے-وہ تو خیریت گزری کہ اس نشیمن کو بجلی نے فنا کر دیا ورنہ عجب نہ تھا کہ انڈوں بچوں کی نوبت آ جاتی-فہم قاصر نے

کہ اُن مضمونوں میں عاشقی اور شاعری کی کونسی شان اور نازک خیالی مضمر ہے- بلبل اگر پھول کی شیدا ہے تو ہو، آپ کو خدا نے انسان پیدا کیا ہے انسانیت کی باتیں کیجئے —

۹- دل کی تجارت- ہمارے شعری عاشق دل کے معاملے میں بھی بد نظمی سے کام لیتے ہیں- دل دینے میں ایسی جھک جھک اور تکرار ہوتی ہے کہ چھٹ بھیا دکانداروں سے سودا کرنا بھول جاتا ہے- گلی کوچوں کا وہ نظارہ آپ کی آنکھوں کے سامنے ہوگا جب پھیری والا سرمہ، مسی، فیتے اور چوڑیاں بیچنے آتا ہے یا ایک جہانیاں جہاں گشت "زری گوٹا پرانا" کی آواز لگاتا ہے- اکثر عورتیں اُن سے لین دین کرتی ہیں، دام چکانے میں پیسے پیسے پر وہ تکرار ہوتی ہے کہ الہی امان! یہی گت ان زبانی عاشقوں نے جو انفس جذبات اور لطیف حسیات کے لئے مردہ ہیں دل جیسی چیز کی بنا رکھی ہے- متاخرین تو لکھتے ہی تھے:—

غالب

کہتے ہیں نہ دیں گے ہم دل اگر پڑا پایا
دل کہاں کہ گم کیجے اس سے مدعا پایا

دل نہ ہوا کسی کی اچکن کا ٹوٹا ہوا بٹن ہوا کہ اس طرح پڑا مل جائے- اُستاد ذوق نے اس پر ترقی کی —

ذوق

مال جب اس نے بہت رد و بدل میں مارا
ہم نے دل اپنا اُٹھا اپنی بغل میں مارا

"ہم" نہ ہوئے تت پونجئے پھیری والے ہوئے کہ ایک گاہک سے سودا نہ بنا تو اپنا بقچہ باندھکر چلتے بنے اور آگے جاکر "سرمہ، مسی" پکارنے لگے داغ اور امیر کے ہاں بھی دل کا سودا ہوا ہے- جلال فرماتے ہیں:—

جلال

جلد دل کا فیصلہ کچھہ ہو چکے   لے چکو سودا یہ جتنے کو چکے

کبھی عاشق آج بیٹھتا ہے کہ ایک بوسہ دو تو دل دوں-یہ باتیں نہایت رکیک ہیں، ان میں ابتذال کی پھٹکار ہے-دل بھی کوئی بیع و شرا کی جنس ہے-وہ جب کسی پر آتا ہے تو کسی کی اجازت سے نہیں آتا، اپنے آپ آتا ہے اور کسی کے روکے نہیں رکتا-قوت ارادی کا اس میں دخل نہیں، عاشق بیپاری نہیں ہوا کرتے-دیکھئے اللہ بخشے میر تقی کس خوش اسلوبی سے دل کے ہاتھہ سے جانے کا نقشہ اُتار گئے ہیں-شاعر پر اگر یہ روحانی کیفیت کبھی طاری نہیں ہوئی تو اس کا بیان ہی کیا ضرور ہے اور پھر آپ بیتی نہیں کہہ سکتا تو جگ بیتی ہی کہے-لیکن عشق کے مسلک کو پینٹھہ اور نخاس تو نہ بنا دے—

میر

پڑ گئی اُس پہ اک نظر اِس کی   پھر نہ آئی اسے خبر اس کی

تھی نظر یا کہ جی کی آفت تھی   وہ نظر ہی وداع طاقت تھی

ہوش جاتا رہا نگاہ کے ساتھہ   صبر رخصت ہوا اک آہ کے ساتھہ

بیقراری نے کج ادائی کی   تاب و طاقت نے بے وفائی کی

یہ چند معنوی متروکات ہیں جن کی طرف شاعروں اور ادیبوں کی توجہ دلائی جاتی ہے-اس قبیل سے اور بہت سے امور احتراز کے قابل ہیں جن کا بیان طوالت کے خوف سے اس وقت ملتوی رکھا جاتا ہے—

لفظی متروکات

۱-نثر میں اضافت کا استعمال قطعاً ترک کیا جاے-اصطلاحیں، محاورے اور لفظوں کے مقررہ جگ مستثنیٰ ہیں جیسے علت غائی، نام خدا، گوشت خر دندان سگ وغیرہ—

۲-واؤ عاطفہ کے ساتھہ بھی اضافت کا سلوک کرنا چاھئے—

۳-تا بہ ابد-تا، بمعنی تک اور جب تک، تا چند وغیرہ فارسی روابط سے احتراز لازم ھے-یہ اُصول قرار پانا چاھئے کہ فارسی روابط اور مرکبات جہاں تک ھو سکے اُردو میں کم ملائے جائیں—

۴-نظم میں اضافت-غزل میں قطعاً متروک سمجھی جائے-نیچرل نظموں میں دو سے زیادہ اضافتیں ایک ساتھہ نہ لائی جائیں-اس کے متعلق آگے مفصل مذکور آ چکا ھے—

۵-نظم میں واؤ عاطفہ ایک دفعہ سے زیادہ مسلسل نہ آئے-کبھی ایسا بھی دیکھنے میں آیا ھے کہ پورے مصرعے کے تمام الفاظ تسلسل کے ساتھہ معطوف معطوف علیہ واقع ھوئے-اس اسلوب سے مصرعے کا مصرعہ فارسی ھو جاتا ھے—

آخر میں یہ عرض کرنا ھے کہ یہ مضمون اجتہاد کے طریق پر نہیں بلکہ استشہاد کے طور پر لکھا گیا ھے-راقم ممنون ھو گا اگر فن کے واقفوں، ادیبوں اور نظم، نثر کے لکھنے والوں نے اس طرف توجہ فرمائی-یہ نہ سمجھنا چاھئے کہ متروکات کے باب میں راقم کا یہ مذھب ھے:—

سر برھنہ نیستم دارم کلاہ چار ترک
ترک دنیا، ترک عقبیٰ، ترک مولا، ترک ترک

میں ادب اور زبان کے معاملوں میں "برچھیگردی" کے سخت خلاف ھوں جس کا ثبوت خود میرا کلام ھے-ھاں زیادت جیسی کلام کا سقم ھے ویسی ھی فن کے قواعد کی توضیع کا-میں دیکھتا ھوں کہ ایک فریق ایک امر میں ایک حد پر جاتا ھے تو دوسرا دوسری حد پر-یہ بازگشتی حرکت قدرت کے قانون کا خاصہ ھے-شاید اسی نہج پر جناب عزیز نے ایک صدی کے مردہ لفظ کو پھر زندہ کرنے کا خیال کیا-فرمایا ھے:—

هر داغ دل ہے گویا تاریخ میرے تن میں
جلوے ہیں رفتگاں کے پیدا اسی چمن میں

عربی کا ایک مشہور قول ہے "یجوزلشاعر مالا یجوزلغیرہ" یعنی جو دوسروں کو جایز نہیں وہ شاعر کو جایز ہے۔اس جواز کا جایز استعمال مفقود ہے۔اگر عریاں نویسی، ابتذال نگاری، باسلیقہ سرقہ اور زبان سے اخلاقی جرایم کا ارتکاب اس قول کا مفہوم ہے تو میں خاموش ہو جاؤں گا۔ ورنہ اتنا ضرور کہوں گا کہ اگر اس کا مفہوم انشا اور اسلوب سے علاقہ رکھتا ہے تو یہ ماننا پڑے گا کہ جتنی قیدیں نظم کہنے والوں پر عاید کی گئی ہیں وہ سراسر جابرانہ اور ناجایز ہیں اور اُس قول کے بالکل منافی۔نہ اس سے زبان کی ترقی ہو گی نہ تخیل شاعرانہ کی توسیع، ایسی کا جو بھو جو زبان جو ہمارے نقاد اور غیر مصنف ادیب بنانا چاہتے ہیں سرسبز نہیں ہو سکتی۔ ہمارا دستورالعمل یہ ہونا چاہئے :ع: مصلحت بین و کار آساں کن۔ورنہ خوف ہے کہ اگر اس خرج بخرج اور ترک بترک کی لے یونہیں بڑھتی گئی تو کہیں مرزا غالب کا یہ قول ہمارے حال کی مصداق نہ ہو جائے —

مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہو گئیں



تیتری

(رقص و سکون کی دونوں حالتوں میں)

از

(حضرت ابوالمعانی اختر شیرانی الافغانی سلمہ)

یہ تیتری ہے یا کوئی رنگ پریدہ ہے؟ بوے چکیدہ ہے؟
آغوش گل میں یا کوئی نقش دمیدہ ہے؟ عکس کشیدہ ہے؟

اُٹھے تو ایک بوسۂ رقصیدہ سامنے! پاشیدہ سامنے!
بیٹھے تو ایک لذت خوابیدہ سامنے! دامن کشیدہ ہے!

موج ہوا میں ہلکا سا طوفان رنگ و بو! ہیجان رنگ و بو!
اوج فضا میں چھوٹا سا نیسان رنگ و بو! جو صف کشیدہ ہے!

اک عکس ہے جما ہوا رنگیں غبار کا؟ کیف و خمار کا؟
یا شاخسار گل پہ عروس بہار کا! حسن رمیدہ ہے؟

ہلکی سی اک شعاع ہے طور کلیم پر، اوج نسیم پر!
رقاصۂ بسنت کا فرش شمیم پر، رقص پریدہ ہے!

موج شراب کی اسے اک تھرتھری کہوں؟ ننھی پری کہوں؟
یا موسم بہار کی اک تیتری کہوں؟ جو آرمیدہ ہے!!



ادبی بات چیت

۱ - فرانس

از

(جناب شاهد سہروردی صاحب)

مسٹر شاہد سہروردی ہندوستان کے اُن چند نوجوانوں میں سے ہیں جو اپنی بعض خصوصیات کی وجہ سے نہایت قابل قدر ہیں اور جو باوجود ہندی ہونے کے، اپنے وطن سے دور، یورپ کے ممالک میں محض اپنی قابلیت کی وجہ سے عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں - فنون لطیفہ اور ادب میں اُن کا ذوق نہایت پاکیزہ ہے - زبانوں کی تحصیل کا خاص ملکہ ہے - یورپ کی جتنی بڑی بڑی زبانیں ہیں وہ سب جانتے ہیں اور صرف جانتے ہی نہیں بلکہ اس خوش اسلوبی سے بولتے اور لکھتے ہیں اور اُن کے ایسے اچھے ادیب ہیں کہ اہل زبان بھی قائل ہیں - اُنھوں نے میری درخواست پر اُردو کے اس نمبر کے لئے یہ مضمون لکھ کر بھیجا ہے - میری درخواست یہ تھی کہ جنگ کے بعد یورپ کے ممالک میں ادبیات میں کیا انقلاب ہوا، آج کل ادب کا رنگ کیا ہے، کونسی ادبی تحریکات رواج پذیر ہیں اور عام میلان کس طرف ہے - مسٹر شاہد نے یہ مضمون فرانس پر

لکھا ھے اور آج کل کے ادبی رنگ پر بحث کی ھے - دوسرا مضمون وہ جرمنی پر لکھنے والے ھیں - میری درخواست پر وہ یہ مضامین بہت صاف اور سلیس لکھیں گے جیسے کوئی کسی کو خط لکھتا ھے —

اصل مضمون انگریزی میں تھا - ترجمہ ھمارے دوست پروفیسر وھاج الدین (اورنگ آباد کالج) نے کیا ھے اور خوب کیا ھے (اڈیٹر) —

اگر ھم موجودہ زمانے کے ان رسالوں پر جو کتابوں سے بحث کرتے ھیں ایک سرسری نظر ڈالیں تو ھمیں ان میں ایک چیز خاص طور پر تعجب خیز نظر آئے گی اور وہ یہ کہ گزشتہ جنگ عظیم کے بعد سے ھر ملک کے مصنفین ایسے واقعات پر قلم اُٹھانے لگے ھیں جو عام طور پر افسانوں کے دائرے سے باھر ھیں اور ان پر جو بحثیں ھوتی ھیں وہ ایک عجیب دلچسپ اور مخصوص انداز میں ھوتی ھیں - اب کوشش یہ ھوتی ھے کہ ان مباحث کو جو پہلے صرف بیچارے مورخین، ماھرین حیاتیات اور منجمین کی بے مزہ اور صبر آزما کاوشوں کے لئے مخصوص سمجھے جاتے تھے، عام لوگوں کے سامنے بھی دلچسپ بنا کر پیش کیا جائے اور یہ اسی کوشش کا نتیجہ ھے کہ تحریروں اور تصنیفوں میں ایک جان سی پڑ گئی ھے - اس میں شک نہیں کہ اس عمل کا آغاز جنگ سے پہلے ھو چکا تھا، چنانچہ ھم میں سے اکثر اشخاص ایسے ھوں گے جن کے دلوں میں فابر (Fabre) کی یاد اب تک موجود ھوگی - یہی وہ مصنف تھا جس نے حشرات الارض کی سوانح حیات کا مطالعہ انسانی نقطۂ نظر سے کیا، ھماری اور ان کی مختلف فعلیتوں میں ایک خاص مطابقت ڈھونڈ نکالی اور دنیا پر یہ حقیقت ثابت کر دی کہ اختلاف اجزا کے باوجود کل کائنات ایک ھی

رشتۂ وحدت میں منسلک ھے، فابر کی طرح ایک اور مصنف فلے ماریں (Flammarion) تھا، اس کے انتقال کو ابھی کچھہ زیادہ عرصہ نہیں ھوا، اس سن رسیدہ منجم نے ستاروں کی دنیا کے بھید کچھہ ایسے دلچسپ اور مانوس انداز میں بیان کئے کہ پڑھنے والوں کے دلوں پر مصطلحات اور اصطلاحی جملوں کی جو دھشت بیٹھی ھوئی تھی وہ نکل گئی اور یہی وہ چیزیں ھیں جن سے ھول کھا کر عام لوگ علوم طبیعی کی حدود کی طرف جاتے ھوے ھچکچاتے ھیں —

اس میں شک نہیں کہ فابر اور فلے ماریں جنگ سے پہلے کے مصنفین ھیں لیکن یہ لوگ ادیب نہیں بلکہ سائنس داں تھے - ان کی کوشش یہ رھتی تھی کہ اپنے مخصوص مباحث کے اشکال کو کم کر کے انھیں عام پڑھنے والوں کی ذھنی سطح پر لے آئیں - ھمارے زمانے کے مصنف ان کی طرح ماھر خصوصی نہیں ھیں - وہ صرف اھل فن ھیں اور ان کی یہ آرزو رھا کرتی ھے کہ اپنے قلم کی ایک ھلکی سی جنبش سے اس علمی مواد میں جان ڈال دیں جو مدرسوں میں بچوں کو پڑھایا جاتا ھے اور محض اس وجہ سے کہ درس میں داخل ھے ھمارے لئے مردہ ھے اور ھماری حیات اور تخیل پر اس کا اثر کچھہ زیادہ نہیں پڑ سکتا —

جب ژان ڈارک (Jeanne D' Arc) کی سہ صد سالہ برسی بڑی دھوم دھام اور مذھبی اھتمام کے ساتھہ فرانس میں منائی گئی تو اس سے مختلف پایے کے مصنفوں کو یہ خیال پیدا ھوا کہ اس برگزیدہ دوشیزہ کے سوانح حیات پر کچھہ لکھیں - فرانس میں اس موقع پر جو رسومات ھوتی ھیں ان سے فائدہ اُٹھا کر یہاں لوگوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ آبادی کے غالب حصے کے رجحانات کیتھاک (Cotholic) مذھب کی طرف ھیں اور وہ جمھوریہ فرانس کی غیر مذھبی پالسی کی تائید نہیں کرتے - چنانچہ پارس

قدیم تحریروں اور ماخذوں پر نظر ڈالی تو اس برگزیدہ لڑکی کی شخصیت نے اس کو بہت متاثر کیا-ایسی ایسی چیزیں اس کی نظر کے سامنے آئیں کہ اس کی معقولیت پسند ذہن بھی ان کی تہ کو نہ پہونچ سکا-طعن و طنز سے کام لینا تو درکنار، اُس نے اس خدا رسیدہ دہقانی لڑکی کے سامنے سر تسلیم خم کر لیا اور بے بس اور مجبور ہوکر، اپنی عادت کے خلاف اس کے تقدس اور اپنے عجز کا مقر ہوگیا —

مسٹر برنارڈشا نے بھی گزشتہ چھہ ماہ میں ژان ڈارک کی سوانح پر اظہار خیال کیا ہے، اس تصنیف نے یورپ کے علمی حلقوں کو اپنی طرف متوجہ کرلیا ہے-یہ ایک ڈراما ہے، جو یورپ میں ہر جگہہ کھیلا جا چکا ہے اور اب بھی کھیلا جاتا ہے-یہ ایک انگریزی ایکٹرس مس سی بل تھارن ڈایک (sybil Thorndike) کے لئے لکھا گیا تھا جو الہیہ پارٹ کھیلنے کا خاص ملکہ رکھتی ہے-مبصرین فن کی رائے ہے کہ وہ اپنے پارٹ کو کامیابی کے ساتھہ نہ کھیل سکی-یہ ڈراما برلن، پیرس، پریگ، ماسکو میں بہت مقبول ہوا ہے، مگر روم اور وانیا میں اسے ممنوع قرار دیا جا چکا ہے-اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں ژان ڈارک کی زندگی جس پہلو سے پیش کی گئی ہے وہ مذہبی اعتقاد کے خلاف ہے —

مسٹر برنارڈشاہ کی حیثیت بہ لحاظ صاحب فن ہونے کے اتنی زیادہ نہیں ہے جتنی کہ بحیثیت ایک پمفلٹ باز، اشتراکی، اور مصلح کے ہے، وہ ژان ڈارک، یا بقول خود "مقدس جون" کو دہقانی ذہانت اور عملی قابلیت کا ایک اعلیٰ نمونہ سمجھتے ہیں اور بس-وہ تسلیم کرتے ہیں کہ اس خاتون کی زندگی میں کچھہ ساعتیں مکاشفہ اور الہام کی بھی ہوتی تھیں، لیکن شلر کی طرح وہ ان کے وجود پر زور نہیں دیتے-ان کی کتاب کے سب سین (مجلسیں) یکے بعد

دیگرے پڑھتے چلے جاؤ، کہیں تم دیکھوگے کہ ژان ڈارک بادشاہ کو سکھا پڑھا رھی ھے، خود بادشاہ کی سیرت یہ ھے کہ وہ ایک کند ذھن نوجوان ھے جو ھر وقت سیب چوستا رھتا ھے اور عجیب و غریب لباس پہنتا ھے۔کبھی تم ژان ڈارک کو اس رنگ میں دیکھوگے کہ وہ بڑے بڑے طرے اور دستار والے با رعب جنرلوں کو اصول جنگ کی تعلیم دے رھی ھے اور حربی مدارس میں جو قواعد جنگ ان لوگوں نے سیکھے ھیں انھیں بالاے طاق رکھہ کر، ان کی بجاے اپنی پر زور طبعی ذھانت کے بناے ھوے اصول حرب پیش کر رھی ھے۔ مسٹر برنارڈ شا کی یہ خصوصیتیں صرف اسی تصنیف تک محدود نہیں ھیں، جو کچھہ وہ لکھتے ھیں اس میں ایک نہ ایک رجحان یا عمرانی مقصد ضرور پیش نظر ھوتا ھے، اس تمثیل (Play) کے پڑھنے والے کو محسوس ھوتا ھے کہ مصنف حسب عادت اپنے زمانہ کے انتہای جدید خیالات کی ترجمانی کر رھا ھے۔ مسٹر شا آئرش ھیں، انگریزی ظرافت نگاری ان کا پایہ بلند ھے اور یورپ میں عموماً اور جرمنی میں خصوصاً ان کی تحریریں نہایت مقبول ھوتی ھیں، لیکن ان کی ظرافت کا مزہ صرف انگریزوں ھی کو آ سکتا ھے۔اگر ظرافت کو چیستان کا مرادف مان لیا جاے تو اس میں شک نہیں کہ وہ اعلیٰ درجہ کے ظریف ھیں، لیکن بد قسمتی سے ان کی ظرافت زیادہ تر سطحی ھوتی ھے، اور کہیں کہیں تو اسکی حیثیت محض ایہام کی سی ھو جاتی ھے، اس میں شک نہیں کہ انھوں نے ھنسنے ھنسانے کی باتوں میں بہت بڑا حصہ لیا ھے، لیکن انسانی غور و فکر کو بہت کم اُکسایا ھے۔ان کے خیالات کا سرمایہ زیادہ تر ماخوذ ھے۔ اس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ انگریز مصنفوں کے زمرے میں صرف وھی ایک ایسے ھیں جو یورپ کے خیالات حاضرہ سے با خبر ھیں۔اس کا سبب غالباً یہ ھے کہ وہ آئرلینڈ میں پیدا ھوے۔اگر کسی کو مسٹر شا کے خیالات کا ماخذ دیکھنا ھو، تو اُسے چاھئیے کہ اِبسن (Ibson) برایو (Brieux) ویگنر (Wagner)

مارکس (Marx) اور اسٹرن ڈن برگ (Strindenburg) کی تصنیفات کو پڑھ جاے-ان کتابوں سے اُسے معلوم ہوجاے گا کہ مسٹر شا کے جذبہ اشتراکیت کی سوت کہاں سے پھوٹتی ھے-جب سے کہ روس میں اشتراکیت کا تجربہ شروع ہوا ھے' اسوقت سے یورپ میں تعلیم یافتہ طبقہ کی طرف سے مخالفت پیدا ہوگئی ھے-اور یہ اس لئے کہ یہ طبقہ صلح جو ھے اور ھنگامہ آرائی کا اھل نہیں-عمال اور مزارعین کے ساتھہ ھمدردی ہو چلی ھے-ھم یہ نہیں کہتے کہ خیالات کا موجودہ بہاؤ صحیح راستے پر ھے یا غلط راستہ پر' لیکن اتنا ضرور ھے کہ مسٹر برنارڈ شا نے بھی اسی عام احساس سے متاثر ہوکر ژان ڈارک کی شخصیت کو دھقانی زندگی کا ایک کامل نمونہ بناکر پیش کیا ھے' اور اس کے مقابلہ میں نالایق " ماھرین فن " اور زوال آمادہ اشرافوں کا خاکہ اُڑایا ھے-اس کی تمثیل کی آخری مجلس میں فردوس کا ایک منظر دکھایا گیا ھے-یہاں ایک شخص جو جدید وضع کے لباس (فراک کوٹ اور ٹاپ ھیٹ) میں ملبوس ھے ژان ڈارک کی خدمت میں اس کی ولایت کی سند پیش کرتا ھے' وہ اس پر متعجب ہوتی ھے اور پھر سے زندہ ہونے کی آرزو کرتی ھے' اس کے منہہ سے یہ الفاظ سن کر ھمارا دور جدید کا نمائندہ خوف سے چلا اٹھتا ھے کہ اس کا دوبارہ دنیا میں آنا ایک عذاب عظیم ہو جاے گا-ایک طرف یہ گفتگو ہو رھی ھے' اور دوسری طرف چارلس شاہ فرانس شب خوابی کا لباس پہنے ہوے ایک بادل کے ٹکڑے پر سر رکھے ہوے لیٹا ہوا ھے' اور بو کاشو (Boecacio) کے ولولہ انگیز افسانوں کی ایک ضخیم جلد کے مطالعہ میں مشغول ھے—

ژان ڈارک کے سوانح حیات کو اس طرح علمی بحثوں کے موضوع قرار دینے کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ ان علمی حلقوں میں جو ولایت' اور اولیاء اللہ کے قایل ھیں ادبی رد عمل کا آغاز ہوا-بد قسمتی سے جن لوگوں نے اس خاتون

کی حمایت میں قلم اٹھایا ھے وہ استعداد، جوھر ذاتی، اور ظرافت، غرض ھر اعتبار سے مسٹر برنارڈ شا سے پیچھے ھیں-ایم پورشے (M-Porche) نے جوتمثیل " عالی ظرف دوشیزہ " (La Vierge an grand coeur) کے نام سے لکھی ھے، اس کی بڑی خامی مبالغہ آمیزی ھے-اگر ایک طرف یہ کتاب اس سنجیدہ اور متین انداز سے خالی ھے جو شلر کی تصنیف کی امتیازی خصوصیت ھے تو دوسری طرف اس میں ژان دارک کی زندگی کے پر اسرار رخ کو اتنا بڑھا چڑھا کر دکھایا گیا ھے کہ اُس کی انسانیت پر پردہ پڑ گیا ھے حالاں کہ یہ انسانیت ھی اس کی زندگی کا حسین ترین پہلو ھے-اس پارٹ کو ایک مشہور ایکٹرس نے ادا کیا، لیکن اسے کامیابی نصیب نہ ھوسکی، اگرچہ اس حیثیت سے اسے ضرور کامیاب کہا جاسکتا ھے کہ اس میں اس دوشیزہ کی شخصیت کو مسٹر شا کے خلاف دوسرے ھی انداز سے پیش کیا گیا ھے- ایک موسیو دل تیل (M Delteil) ھیں یہ اگرچہ نوجوان ھیں لیکن بڑی قابلیت رکھتے ھیں، ان کی تصنیف " خیرالامور اوسطہا " کی مثال ھے، سنجیدہ تاریخی واقعات کو متانت کے ساتھہ مذھبی اعتقاد کی روشنی میں پیش کیا گیا ھے-ان کی تصنیف ھی کی بدولت بہت سے ایسے اشخاص جو پہلے پورا اعتقاد نہ رکھتے تھے اب ژان دارک کے حامیوں کی صف میں مل گئے ھیں یہ عام فہم ھے-اپنے مو قلم کی ھلکی جنبشوں سے انھوں نے اس ولیہ کی شخصیت کو جیتا جاگتا، اور ھم سب کے لئے مانوس بنا دیا ھے اور اس طرح ان عام فہم اور مقبول عام تصانیف کی فہرست میں جس کا حوالہ میں پہلے دے چکا ھوں ایک اور تصنیف کا اضافہ کیاھے —

جن لوگوں نے گزشتہ چند ماہ کے فرانسیسی ادب کا مطالعہ کیا ھے، ان کو یہ دیکھکر تعجب ضرور ھوا ھوگا کہ آج کل اس میں رومانیت (Romanticism) کا رنگ کتنا گہرا جھلکتا ھے، فرنسیسی مزاج خاص طور پر قدامت پسند واقع ھوا ھے، اس کے ثبوت کے لئے اس قوم کی مصوری،

سنگتراشی اور چمن بندی پر نظر ڈالنا کافی ہوگا' ان چیزوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قوم میں صحیح منظر کشی اور جسم انسانی کے خط و خال کو ہوبہو بیان کرنے کا کتنا ملکہ ہے - رومانیت دراصل المانی اور اینگلو سیکسن لوگوں کا مذہب ہے - اور اگرچہ فرانسیسی ادب میں بھی وکٹر ہیوگو (Hugo) کی طرح رومان نگار ہوئے ہیں' لیکن اس نے بہت جلد پارناسی* قدامت پسندی کی شکل اختیار کرلی - اس لئے کہ موخرالذکر طرز لوگوں کے مذاق اور ان کی ادبی ضروریات کی ہمنوا ہے' اگر خود وکٹر ہیوگو کی تصانیف سے تاریخی مناظر اور تاریخی اثرات کو خارج کردیا جائے تو اسکی حیثیت بھی ایک ایسے کلاسک (قدیم) مصنف کی سی رہجاتی ہے جو صناعوں کی طرح صورت نگاری میں خاص کمال رکھتا ہے - فرانسیسی رومانیت کل وجز پارناسیت (Parnassianism) نہیں ہے - بلکہ اس کے رد عمل کے طور پر اس نے مثالیت†

---

* پارناسیت (Parnassianis) لفظ Parnassus سے مشتق ہے' یہ وہ ایک پہاڑ ہے جو یونان میں اتھنس کے شمال مغرب میں واقع ہے اور خدائے نغمہ اپالو کا مسکن خیال کیا جاتا تھا' مذہب پارناسیت فرانسیسی شاعری کا ایک مشہور مذہب ہے اس مذہب کا مقولہ "L' Art pour l' art" " فن بحیثیت فن " ہے - اس خیال نے سب سے پہلے سنہ ۱۸۶۶ میں مذہب شاعری کی حیثیت اختیار کی صرف فنی حیثیت پرزور دیا جاتا ہے اور ذاتی تاثیرات اور اخلاقی پند و موعظت کو معیوب سمجھا جاتا ہے یہ مذہب فی الحقیقت رومانیت کی ایک شاخ ہے' اس کے بڑے بڑے حامی Catulle Mendes,Sully Prudhomme,Francois Coppee Armande Silvestr وغیرہ ہیں بعد میں اس مذہب نے مسخ ہو کر لفاظیت کی بالکل وہی شکل اختیار کرلی جس کے لئے ہمارا لکھنؤ بدنام ہے —

(مترجم)

† مثالیت (Symbolism) بحیثیت ایک مذہب ادبیات کے یہ چیز فرانس میں انیسویں صدی کے نصف آخر میں پیدا ہوئی' اس مذہب کے حامی فطرت کے خارجی مظاہرات کو ایک باطنی اور روحانی حقیقت کی نشانیاں سمجھتے ہیں اور اپنی

(باقی صفحہ آئندہ)

(Symbolism) کی شکل اختیار کرلی ھے ' یہ صورت کے اعتبار سے رومانیت ھی ھے۔ پارناسیت کی طرح مثالیت میں بھی ادب کی ظاھری شکل کا مسئلہ تھا' اور اگرچہ یہ مذھب اپنی خیال آرای کے لحاظ سے عجیب و غریب ضرور ھے ، لیکن اس میں ھمیں تحقیق و تلاش کا وہ پر جوش رجحان نظر نہیں آتا جو Novalis یا Coleridge کی تصنیفات میں ملتا ھے۔ مذھب مثالیت اپنا ایک علحدہ اسلوب رکھتا تھا جس کی اساس اصوات تھیں—

رومانیوں کا رجحان جس شکل میں ظاھر ھوتا ھے وہ نئے ملکوں کی سیر کی خواھش ھے جہاں کی زندگی ھماری زندگی سے مختلف ھوتی ھے ' اور جہاں کے عورت مرد انوکھے اور دلکش طرز طریقوں کے شیدا ھوتے ھیں ' یہ لوگ عجیب و غریب درختوں ' نئے نئے پھولوں ، غیر معمولی آرائش و زیبائش کے شوقین ھیں ' دیومالا ' خاندانی کہانیاں جو مائیں اپنی اولاد کو سناتی ھیں' انجان دلوں کے نغمے' یہ چیزیں انھیں مرغوب ھیں۔ چوں کہ مشرق کا رجحان بھی زیادہ تر یہی ھے اور وہ اپنے سونے اور جوھرات کے خزانوں اور بوقلمونیوں کے لئے مشہور ھے ' اس لئے وھاں کا شق ھمیشہ سے رومانیت کے تخیل کو اکساتا رھا ھے چنانچہ ھم دیکھتے ھیں کہ جس کتاب سے انگلستان میں رومانیت کی تحریک کا آغاز ھوا ، وہ بک فورڈ کا ناول "واتیک" ھے۔ یہ الف لیلی کی وضع کا ایک خیالی افسانہ ھے جرمنی میں اس تحریک کا آغاز شلے گل (Schlegel) کی سنسکرت زبان کے متعلق تصانیف اور گوئٹے کے دیوان (West - Ostliche) " پیام مغرب " سے ھوتا ھے۔ فرانس میں اس کی سب سے

تصانیف میں اسی پس پردہ حقیقت کو آشکار کرتے ھیں۔ جیسا کہ خود صاحب مضمون نے بتلایا ھے ' یہ مذھب پارناسیت کی واقعہ نگاری کی ضد پر پیدا ھوا' یہ لوگ خواب' اور روحانی مکاشفوں کو اکثر بیان کرتے ھیں' اس مذھب کے مشہور مصنف ' Stephane mallarme ' Paul Verlaine ' Maeterlinck وغیرہ ھیں—

پہلی مظہر و کڑ هیو گو کی کتاب (Orentales) هے —

شاید یہ فرانسیسی ادب کی تاریخ میں پہلا موقع هے کہ آج کل کی ادبیات جس آرزو سے لبریز نظر آتی هے وہ رومانیت کے مفہوم سے بہت قریبی تعلق رکھتی هے، اب عالم اور با کمال لوگ خوب سیر و سیاحت کیا کرتے هیں اور دور دراز ملکوں کے حالات لکھتے هیں۔ اج کل کے جوش کی شدت کو دیکھکر کسی کو یہ یقین نہیں آسکتا کہ طرز انشاء کی خشکی اور بے مزگی همیشہ سے اس ادب کی خصوصیات رهی هیں اس چیز کی ابتدا اب سے بہت پہلے اسی زمانہ میں هو چکی هے جب گاگنیں (Gangain) نے اپنی ایک کتاب میں تاهی تی (بحر سکاهل کا ایک جزیرہ) کی عورتوں کا حال لکھا۔ آج کل دهامل (Dumahel) جن کے کلام میں عصر جدید کے سب فرانسیسی شعرا سے زیادہ جدت پائی جاتی هے، برابر سیر و سیاحت میں مصروف رهتے هیں، اور نئے ملکوں کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا کرتے هیں۔ پال کلا ندیل (Paul clandel) فرانس کے زندہ شاعروں میں سب سے زیادہ مشہور هیں، یہ صوفی منش بھی تھیں۔ کسی زمانہ میں سفر کی حیثیت سے ان کا قیام جاپان میں بھی رہ چکا هے، انھوں نے بھی نظموں کا ایک اعلی اور کسی قدر ادق مجموعہ شایع کیا هے۔ (مشرق کے متعلق اپنی سب معلومات اس میں بیان کی هے ' (L' Connaissance - esit) (مشرق کے متعلق معلومات) نثر نما نظموں کا ایک مجموعہ هے۔ اس میں سر سری قلبی واردات کا بیان اور اقصائے مشرق کے علم و دانس کے تذکرے هیں نا یہ کتاب بہت لاجواب چھپی هے۔ توجے لیں (Dorgelis) ایک قابل اور نوعمر فرانسیسی مصنف هیں۔ ان کی ایک کتاب (Sur Laroute Mandarius) (چینیوں کے نقش قدم پر) هے، یہ کتاب فرانس کے مشہور معمور رسالہ (L' Illustration) میں مضامین کی شکل میں شایع هو چکی هے۔ اس میں مصنف نے رنگین بیان کے ساتھہ هندی چینی کمبوڈیا، سیام اور چین میں اپنی سیاحت کا حال لکھا هے۔ ایک اور صاحب

مان تھرلان فرانس کے سب سے زیادہ کثیر الاشاعت اخبار (L' Intransigient) میں ھسپانیہ کے دیہات اور سرحدی قصبات کے متعلق اپنے تجربات شایع کر رھے ھیں- آج کل ھسپانیہ نے یکایک تمام یورپ کے تخیل میں جگہ پالی ھے اور اکثر افراد کے رومانی رجحانات کا قبلۂ مقصود بن گیا ھے - یہ ملک قدیم روایتوں میں ڈوبا ھوا ھے' ادب اور فن کے اعتبار سے اس کا ماضی نہایت شاندار رہ چکا ھے اور آج بھی جب کہ یورپ کے دوسرے حصوں میں جمہوریت کی آندھیاں اُٹھہ رھی ھیں' اس ملک میں پرانی اشرافی (Anistocratic) زندگی کا توازن بدستور موجود ھے' گزشتہ سال ایک جرمنی کتاب (Der Unbe-kannte spanien (نا معلوم ھسپانیہ) لکھی جا چکی ھے' اس کتاب کو جو حیرت انگیز قبولیت حاصل ھوئی اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اُس میں اس سرزمین ھسپانیہ کے حالات درج تھے- جو قریب ھونے کے باوجود ھم سے دور ھے اور جہاں قدیم رنگینیاں اور سادہ عقیدے آج تک باقی ھیں- مان تھرلان کے جن مضامین کا ذکر سطور بالا میں ھو چکا ھے اس قدر بصیرت کے ساتھہ لکھے گئے ھیں اور ان میں اس ملک کی رنگینیاں کچھہ ایسے انداز میں بیان کی گئی ھیں کہ نا ممکن ھے کہ پڑھنے والے کے دل میں اس پیرے نیز (Pyrennese) پار ملک کے دیکھنے کی آرزو نہ پیدا ھو اور ملک بھی کیسا! جہاں پرانے پادری اور گرجا آج تک موجود ھیں' جہاں کا رقص ولولہ انگیز ھے محبتیں سادہ ھیں اور جہاں کی مہمان نوازی پرانے زمانے کے سورماؤں کی سی ھے - یہ وہ ملک ھے جس پر آج بھی ایک پراسرار پردہ پڑا ھوا ھے اور جہاں لوگ آج تک سیاسی اور مذھبی "پیر پرستی" پر ایمان لاتے ھیں--

سیاحت ناموں کے علاوہ زمانہ حال کی دوسری تصنیفوں سے بھی یہی رومانی رنگ جھلکتا ھے' فرانکوا ے ماریس نے ایک نہایت اھم اور دلچسپ کتاب "صحراے محبت" کے نام سے لکھی ھے - یہ صاحب Le baiser anx lepreux

(جذامیوں کے لئے ھدیۂ محبت) کے بھی مصنف ھیں' ان کا شمار زمانہ حال کے اُن مذھبی مصنفین میں ھوتا ھے جو عیسویت کے ان اُصولوں پر قائم ھیں جن کی مثال اور جن کی تعلیم "سینٹ فرانسس آف اے سی سی" کی زندگی سے ملتی ھے' محبت' مفاھمت اور تواضع ان کی زندگی کے اُصول ھیں' عشق میں مبتلا ھونے کے بعد انسان کو جو کشمکش اپنے مذھبی جذبہ انانیت پسندی سے کرنی پڑتی ھے اس کو یہ خاص طور پر سراھتے ھیں' یہ صاحب ایک مخصوص طرز تحریر کے مالک ھیں اور اگرچہ انھیں مشکل اور متروک الفاظ استعمال کرنے کا شوق ھے' تاھم ان کی تصنیفات کی سطح کے نیچے سنجیدہ مزاجی' ذھانت اور سرمدی حب الٰہی کے اعتقاد کی جھلک دکھائی دیتی ھے - وھی اعتقاد جو ایک دن انسان کو ھمیشہ ھمیشہ کے لئے آلام سے نجات دلائے گا—

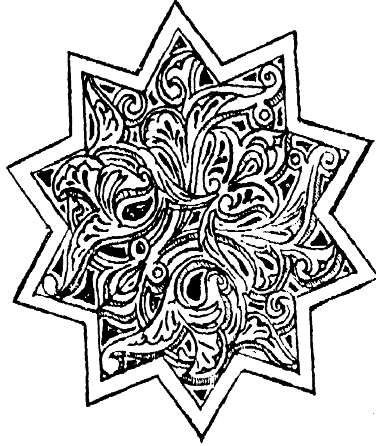
کے سل (Kessel) کی کتاب Les Roi Avengles (نابینا بادشاہ) اپنی نوعیت کے اعتبار سے مذکورۂ بالا تصنیف سے کسی قدر مختلف ھے' لیکن رومانی تاثر اس میں بھی بھرا ھوا ھے' اس کتاب کی اشاعت نے لوگوں کو کو متعجب کر دیا ھے اور اس پر بہت کچھہ بحث و مباحثے ھوتے رھتے ھیں' اس کتاب کو فرانسیسی مجلس عامی کے ادبی انعام پانے کا موقع بہت کچھہ تھا' لیکن چونکہ اس میں بہت قریب زمانہ کے تاریخی واقعات سے بحث کی گئی ھے' اس لئے رد اسے کر دیا گیا' اس میں سلطنت روس کے آخری زمانہ کا ذکر ھے - اصل قصہ ایک رسالہ کے افسر کے عشق کا ھے - یہ شخص اپنے ھی طبقہ کی ایک خاتون پر عاشق تھا' اسی سلسلہ میں سلطنت روس کی تباھی کی داستان بھی آگئی ھے - کے سل نے یہ کتاب کاونٹ ازواتسکی سابق سفیر روس متعینہ پاریس کی لڑکی کے ساتھہ مل کر لکھی ھے' اسے زار روس کے دربار کے حالات اس خاتون سے معلوم ھوے اور اپنے تخیل سے کام لیکر اس نے ان حالات کو

ایک ترکیبی حیثیت دی، جو لوگ ان آخری ایام سے کچھ بھی تعلق رکھتے تھے، ان سب سے مشورہ کیا۔ غرض کہ اس کد و کاوش کے بعد اِس نے اُس پرآشوب زمانہ کی جیتی جاگتی تصویر کھینچی ہے جب فوج قلت رسد کی وجہ سے مجبور تھی اور بہادری کے ساتھ درباری پارٹی کی خاطر اپنی جانیں قربان کر رہی تھی اور دوسری طرف دربار ہپناٹزم (نومیت) کے تماشوں اور راگ رنگ کی محفلوں سے اپنا جی بہلاتا تھا، خصوصاً اس نے راس پوتن کے جو حالات بیان کئے ہیں وہ منصفانہ نظر اور بلند تخیل کا نمونہ ہیں۔ راس پوتن سابریا کا دہقان اور پادری تھا اس نے اپنے پر اسرار اور ساحرانہ علاج سے ولی عہد کو اچھا کر دیا تھا اور اس وجہ سے بادشاہ بیگم اور اس کے توسط سے زار پر اس کا اثر بہت کچھ تھا، اس قوی ہیکل دہقان کی جو تصویر کے سل نے اپنے قلم سے کھینچی ہے۔ اس کے وہ کرتے جو شاہزادیوں کے ہاتھوں کی بوی ہوئی روئی سے بنے تھے، اس کی وہ رنگ رلیاں، لیکن ساتھ ہی ساتھ بہت لوگوں پر اس کے احسانات، اس کی زندگی، جو عورتوں میں گزری، لیکن اس کے باوجود اس کی بیوی اس کے متعلق یہی کہا کرتی تھی "اس سے زیادہ محبت کرنے والا شوہر ہونا ناممکن ہے" وہ اس کی سیرت جو خوبیوں اور کمزوریوں کا مجموعہ تھی اور اس سیرت کے متزاد اجزا جو سب روسیوں میں پاے جاتے ہیں، وہ اس کی ترحم آمیز قوت و طاقت جو صرف کھیتوں میں زندگی بسر کرنے والوں میں ہوتی ہے، یہ سب باتیں جس انداز سے بیان کی گئی ہیں وہ ایسا ہے کہ بہت دنوں تک پڑھنے والوں کی یاد سے محو نہ ہو سکے گا۔ اس کی موت کا سماں بھی نہایت پر زور انداز سے کھینچا گیا ہے، عزرائیل اور ساحر کی جنگ، خوبصورت شاہزادہ یوسو پوت کا اسے زہر ملی ہوئی روٹیاں دینا، اس کا زہریلی شراب کا پینا، یکے بعد دیگرے بندوقوں کی تین گولیاں کھانے کے بعد بھی اپنے قاتل کو محبت کے ساتھ

نام لے کر پکارنا، موت کی پرچھائیں کا محسوس کرنا، لیکن اپنے ارادے کے زور سے اس سے محفوظ رہنا، اسی حالت میں اس کوٹھری سے جس میں اس کو مقید کر دیا گیا تھا رینگ رینگ کر نکلنا اور نیم بستہ صحن سے ہوکر گزرنا، اس کے دماغ کا پاش پاش کر دیا جانا اور تب اس کی روح کا پرواز کرنا، یہ سب واقعات خاص زور کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں—

کے سل کی یہ تصنیف نہایت زبردست اور پر اثر ہے، اس کے مطالعہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ زندگی کی بہت سی ایسی باتیں جنھیں ہم آسان اور قابل توجیہ سمجھتے ہیں، فی الحقیقت پیچیدہ اور دقائق سے بھری ہوئی ہیں، کے سل کے قلم میں توازن و تعدیل کا وہی احساس موجود ہے جو ہر صاحب فن میں ہوتا ہے۔ وہ کبھی کسی طرف جنبہ داری کے خیال سے مائل نہیں ہوتا، جن افراد انسانی کا وہ ذکر کرتا ہے وہ جتنے جاگتے انسان ہوتے ہیں، خواہ زار روس ہوں، یا فوج کے جنرل، یا پھر معمولی خدمتگار، اس کا منظر کشی کا احساس بھی جنچا تلا اور اعلیٰ درجے کا ہے۔ اس کی تصنیفات میں حد درجے توازن اور موسیقیت پائی جاتی ہے اور وہ ان گنتی کے چند مصنفین میں سے ہے جو اشیا اور مقامات کے طول طویل بیانات دیکر اپنی کتاب کو غارت نہیں کرتے۔ ذہنی حالت کا لحاظ رکھتے ہوے مناظر کی عضوبندی کرنا اور موسیقیانہ توازن کو قائم رکھنا یہ چیزیں اس نے فن افسانہ نویسی کے استاد ایوان ترجی لوت سے حاصل کی ہیں کیونکہ وہ (کے سل) روسی زبان جانتا ہے اور اس نے ضرور اس مصنف کا گہرا مطالعہ کیا ہوگا۔ سنیت پڑس برگ کی راتوں کا جو حال اس نے لکھا ہے، وہاں کی بدنما برفستانی گاڑیاں، راتوں کے وقت کی بھیانک پرچھائیاں، زد رنگ کی پھیکی روشنی جس سے کبھی تو اس مرطوب شہر کے قصر چمک اٹھتے ہیں، اور کبھی دھندلے ہوجاتے ہیں، وہاں کی سایہ دار شاہراہیں، رات کے سناٹے میں اس شہر کی پر سکوت شوکت و

عظمت، یہ سب چیزیں جس انداز سے پیش کی گئی ہیں وہ یقیناً اس قابل ہے کہ دورجدید کے فرانسیسی ادب کی تاریخ میں یادگار کے طور پر باقی رہے۔ کیے سل ایک نازک مزاج، حساس اور صاحب تخیل مصنف ہے اور یقین ہے کہ اس کا مستقبل نہایت شاندار ہوگا۔



تبصرے

ادب

تاریخ

متفرق

اردو کے جدید رسالے

———:o:———

ادب



قاموس المشاهیر

مرتبہ مولوی نظام الدین حسن صاحب نظامی بدایونی

مطبوعہ نظامی پریس بدایون سنہ ۱۹۲۴ ع

جلد اول - صفحات - ۴ - ۳۲۴ - قیمت چھہ روپیہ

قاموس المشاہیر مشرق کی بیاگریفیکل ڈکشنری ہے - اس میں اون مشاہیر علماء فضلاء شعراء اور ملوک امراء کے تذکرے درج ہیں جنھوں نے بلاد مشرق میں نمایاں شہرت حاصل کی ہے —

اس قسم کی دو تین کتابیں اگرچہ اس سے پہلے بھی اردو میں شایع ہو چکی ہیں - لیکن یہ کتاب اپنی ترتیب کے لحاظ سے اردو میں پہلی کتاب ہے اور اس کی تدوین ویسی ہی عمل میں آئی ہے جیسی کہ یورپ کی کتب اسنئادیہ میں ہوا کرتی ہے اور مولانا نظامی نے اس کو ترتیب دے کر ادب اردو میں ایک مفید اور کار آمد اضافہ کیا ہے —

ہم نے قاموس المشاہیر کے جستہ جستہ مقامات دیکھے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے - کہ اس کی تالیف میں پوری احتیاط سے کام نہیں لیا گیا ہے اور اس وجہ سے اس میں بہت سی فروگزاشتیں ہوگئی ہیں - اکثر مشاہیر کے حالات نہایت تشنہ اور نامکمل ہیں اور ان میں اکثر ضروری اور اہم باتیں چھوٹ گئی ہیں — مثلاً

داغستانی مصنف ریاض الشعراء کا تذکرہ بہت ناقص لکھا ہے - یہاں تک کہ اس میں نام اور سنہ وفات بھی نہیں ہے —

تقی اوحدی کے احوال میں اس کے مشہور و معروف تذکرے عرفات العارفین و عرصات العاشقین کا ذکر نہیں ہے —

زلالي کے تذکرے میں اس کی مشہور مثنویات کا جو سبعه سیارہ کہلاتی هیں ذکر نہیں هے—

کتاب میں ایسے بہت سے مقامات هیں- ان کے علاوہ اکثر نام غلط هیں اور اکثر مقامات پر واقعات بھی غلط لکھے هیں- جو تذکرے انگریزی ماخذوں سے نقل کئے هیں اور ان کے اسماء کو صحیح کرنے کی مطلق کوشش نہیں کی هے —

ذیل میں هم بعض فروگذاشتوں کو نقل کرتے هیں- امید هے که آئندہ اشاعت میں اس قسم کے نقائص دور کردے جائیں گے—

——:o:——

صفحه	کالم	سطر	
٢	٢	٢٦	آذري رازي - صحیح غضائری رازی هے - (تذکرہ عوفی جلد جلد اول ص ٥٩) غضائری کے معنی هیں کاشی ساز و کاسه گر اور یه منسوب هے غضائر سے- غضائر جمع قیاسی هے غضارہ کی- غضارہ کے معنی هیں گل چسپیدہ- وہ ظروف سفالین جن پر کاشی اور چینی سے گل بوتے بنائے جاتے هیں غضار کہلاتے هیں- بعض یوروپین مصنفین نے غلطی سے غضائری کا تلفظ عین مہمله کے ساتھ ادا کیا هے- Uzdeeri Razi —
١٧	٢	٢٥	ابوعسیبا موفق الدین ابوالعباس احمد (مصنف عیون الانبا فے طبقات الاطبا) صحیح ابن ابی اصیبعه هے (فہرست کتب خانه خدیویه جلد خامس صفحه ٩٢)—
٢٣	٢	١١	ابن رشید - ابوالولید محمد - صحیح ابن رشد هے—
٢٧	١	٢١	ابن هوکل (مشہور سیاح و جغرافیه نویس) صحیح ابن حوقل هے (فہرست کتب خانه خدیویه جلد خامس صفحه ١٥٠)—
٣٢	١	١٠	ابوالفتح مصنف چار باغ اور ابوالفتح گیلانی کو علیحدہ
	٢	١٢	علیحدہ لکھا هے- لیکن حقیقت میں دو جدا جدا نہیں هیں بلکه ایک هی شخص هے- چار باغ ابوالفتح گیلانی کے مجموعه رقعات کا نام هے دربار اکبری صفحه ٦٥٦ و ٦٦٥)—
٣٣	٢	٢٧	ابوالفرج سنجری کو چنگیز خاں کا معاصر بتایا هے- حالانکه وہ عنصری کا اوستاد- آل سیمجور کا معاصر اور امیر بوعلی سیمجور کا مداح هے اور سنه ٤١٠ سے پہلے فوت هوا هے- مجمع الفصحا جلد اول صفحه ٧٠) اور اس کی وفات کے

صفحہ	کالم	سطر	
			قریباً دو سو سال بعد ساتویں صدی کے شروع میں چنگیز خاں نے خروج کیا ہے -(ابوالفدا جلد سوم صفحہ ۲۲۲)—
۴۶	۱	۱۴	آثار ماضیہ (حکیم ابو ریحان البیرونی کی ایک تصنیف کا نام) صحیح آثار الباقیہ عن قرون الخالیہ ہے اور اسے پروفیسر سخاؤ نے سنہ ۱۸۷۸ ع میں چھپوایا ہے (فہرست کتب خانہ خدیویہ جلد خامس صفحہ ۲)—
۶۳	۲	۱۰	احمد المکری (اندلس کا مورخ اور نفح الطیب کا مصنف) صحیح المقری ہے (فہرست کتب خانہ خدیویہ جلد ۵ صفحہ ۱۹۹)—
۷۶	۲	۶	ازرقی حکیم - ازرقی شاعر اور ازرقی مصنف اخبار مکہ ایک نہیں بلکہ دو علیحدہ علیحدہ شخص ہیں — ازرقی شاعر فارس کا نہیں بلکہ ہرات کا باشندہ اور طغان شاہ بن موید والی نیشاپور کا مداح و معاصر ہے -(عوفی جلد دوم صفحہ ۸۶) طغان شاہ سنہ ۵۶۸ ہجری میں بر سر حکومت ہوا (ابوالفدا جلد سوم صفحہ ۵۳) اور سنہ ۵۸۱ ہجری میں فوت ہوا (روضۃ الصفا طبع ایران جلد چہارم صفحہ ۱۵۰)— ازرقی مصنف اخبار مکہ کا نام ابوالولید محمد بن عبداللہ بن احمد الازرقی ہے اور اس نے ازرقی شاعر سے کم و بیش تین سو سال پہلے سنہ ۲۲۳ ہجری میں انتقال کیا ہے — R. Dozycat. Codicum Orientalium Bibliothecæ Academiæ Lugduno-Batavæ Vol. 11. pp.169.
۷۹	۲	۲۸	اسمعیل بن حسین جرجانی (طبیب مشہور) کی نسبت لکھا ہے کہ اس نے فارسی میں طب کی دو کتابیں اغراض الطب اور خف علائی لکھیں اور انہیں الب آرسلان کے نام سے معنون کیا - اسمعیل کو الب ارسلان (سنہ ۴۵۵ سنہ ۴۶۵) کا معاصر سمجھنا غلطی ہے - یہ سلطان علاء الدین تکش (سنہ ۵۶۸ سنہ ۵۹۶ کا معاصر ہے اور اسی کے نام سے اس نے کتابیں لکھی ہیں چنانچہ خوند میر کا بیان ہے کہ " سید اسمعیل بن حسین بن محمد الجرجانی زمان تکش خاں را بوجود خود مشرف داشت و

صفحه	کالم	سطر	
			بنام نامی آن بادشاه عالیشان ذخیرہ خوارزم شاہی و کتاب اعراض الطبیه و خفی علائی را بر صحایف روزگار نگاشت (حبیب السیر جلد دوم جز چہارم صفحه ۱۷۶)—
۱۰۰	۱	۱۹	تاج الدین عبدالوهاب بن آسکی مصنف طبقات الشافعیات- صحیح ابن السبکی اور کتاب کا نام طبقات الشافعیه ہے - R. Dozy. Voll. 11 . pp. 302.
۱۱۳	۱	۱۰	انوری (مشہور شاعر) کا نام اشهدالدین لکھا ہے حالانکه صحیح اوحدالدین ہے (عوفی جلد دوم صفحه ۱۱۷)
۱۲۳	۲	۵	بذتری (عرب کا مشہور شاعر) صحیح بحتري ہے R. Dozy. Vol. 11 pp. 5.
۱۳۲	۲	۶	بندرا بن داس-عالم گیر کے سنه ۴۰ جلوس میں اس نے خلاصته التواریخ لکھی ہے اس میں ہندوستان کی تاریخ آریاؤں کے زمانے سے عہد عالم گیر تک ترتیب دي ہے- خلاصته التواریخ بندرا بن کی تصنیف نہیں ہے بلکه ایسے سوجان راے نے تصنیف کیا ہے-بندرابن نے جو تاریخ لکھی ہے اس کا نام لب التواریخ ہے-اور عالمگیر کے سنه ۳۳ سال جلوس میں تصنیف ہوئي ہے- اس میں دس ابواب ہیں-پہلے باب میں سلطان معزالدین محمد سام کے عہد سے سنه ۱۰۱۱ تک سلاطین دہلی کے حالات ہیں-بقیه نو ابواب میں سلاطین دہلی کے ان ہم عصر بادشاہوں کا تذکرہ ہے جو ۱-دکن ۲-گجرات ۳-مالوہ ۴-خاندیس ۵-بنگال ۶-جون پور ۷-سندہ ۸-ملتان ۹-کشمیر میں بر سر حکومت رہے ہیں— (Wilson, Makenzie Collection-pp-. 375 Rieu , B.M. Cat. Persion . MSS . Vol . 1 . pp 228)
۲۱۱	۱	۷	کتاب لطایف الطوایف کو ملا حسین واعظ کاشفی کی تصنیف لکھا ہے حالانکه وہ ان کے فرزند ملا فخرالدین علی بن حسین کی تصنیف ہے (محبوب الالباب في تعریف الکتب والکتاب صفحه ۶۹۳ —
۱۴	۱	۱۹	خاوند شاہ مصنف روضته الصفا کے حالات میں اوسکی

صفحہ	کالم	سطر	
			دوسری تصنیفات کے حسب ذیل نام لکھے ہیں - ماثرالملوک اخبارالاخیار - دستورالوزرا - مکارم الاخلاق - منتخب تاریخ وصاف - غرایب الاسرار - جواہرالاخبار - پھر انہیں کتابوں کو صفحہ ۲۳۰ کالم ۲ میں خوند میر مصنف حبیب السیر کی تصنیفات بیان کیا ہے —
۲۲۷	۲	۸	خواجہ محمد پارسا کے حالات میں اونکی تصنیف کا نام فصل الکتاب لکھا ہے - حالانکہ صحیح نام فصل الخطاب لوصل الاحباب (محبوب الالباب فی تعریف الکتب والکتاب صفحہ ۵۰۷)
۲۳۰	۲	۸	" خوند میر (مصنف حبیب السیر) امیرخاوند شاہ مصنف روضۃ الصفا کا بیٹا اس کا پورا نام غیاث الدین محمد بن حمیدالدین خوند میر ہے '' خوند میر خاوند شاہ کا بیٹا نہیں بلکہ نواسہ ہے اور اس کے باپ کا صحیح نام ہمام الدین ہے — (Elliot . Vol . IV . pp 142 .)
۲۳۳	۲	۷	دارا شکوہ نے فارسی میں اپنکھت کا جو ترجمہ کیا تھا اس کا نام سرالاسرار لکھا ہے - حالانکہ صحیح نام سر اکبر ہے چنانچہ بمقام بنارس ندوۃ العلما کا جو گیارواں اجلاس اپریل سنہ ۱۹۰۱ عیسوی میں منعقد ہوا تھا - اوسمیں ایک علمی نمائش بھی قایم ہوئی تھی اور اس نمائش میں سر اکبر کا ایک قلمی نسخہ سنہ ۱۰۶۷ کا لکھا ہوا پیش ہوا تھا - جس کے خاتمہ پر کتاب کا نام اس طرح ثبت تھا " این ترجمہ اپنکھتہا ے ہر چہار بید کہ موسوم بہ سر اکبر ست وتمام نورالانوار محمد دارا شکوہ در مدت شش ماہ آخر دوشنبہ بست وششم ماہ رمضان سنہ یکہزار و شصت و ہفت ہجری در منزل نکبود باتمام رسانید '' — رسالہ الندوہ جلد سوم نمبر دوم بابت اپریل ۱۹۰۶ صفحہ ۱۵ —
۲۷۱	۲	۴	ساماني (مصنف کتاب الانساب) صحیح سمعانی ہے اور پورا نام یہ ہے - ابو سعد عبدالکریم بن منصور السمعانی

صفحہ	کالم	سطر	
			المروزی - سمعانی منسوب ہے سمعان سے اور سمعان بطن ہے قبیلہ تمیم کا (دول الاسلام امام ذہبی جلد دوم صفحہ ۵۴ مفتاح السعادہ جلد اول صفحہ ۲۱۱) —
۲۸۰	۲	۸	سبحانی (مشہور رباعی گو شاعر) صحیح سحابی ہے نجف کا باشندہ نہیں بلکہ استرآباد کا باشندہ ہے - نجف اشرف میں اس کی سکونت تھی — Rieu . Vol . II . pp . 272 .
۲۸۶	۱	۲۵	سرخوش کے تذکرہ شعرا کا نام کلمتہ الشعراء لکھا ہے - حالانکہ صحیح نام کلمات الشعراء ہے Rieu. Vol . 1 . 369
۲۹۲	۲	۱۸	سعدی شیرازی کے حالات میں ان کی دیوان ثالث کا نام قوانین لکھا ہے - حالانکہ صحیح نام خواتیم ہے (کلیات سعدی طبع بمبئی سنہ ۱۳۰۹ صفحہ ۳۷۳) —
۲۹۴	۱	۳	سکاکی کے حالات میں اس کی تصنیف کا نام مصباح العلوم لکھا ہے حالانکہ صحیح مفتاح العلوم ہے (مفتاح السعادہ جلد اول صفحہ ۱۸) —

خلفاے عباسیہ اور بہت سے علماے عرب کو اُن کے ناموں پر الف لام زیادہ کر کے حرف الف میں لکھا گیا ہے - جیسے البطنی - الراشد - الراضی - المامون - المتوکل المستعصم - المقدسی - المنصور وغیرہ یہ تریقہ صحیح نہیں - کیونکہ یہ الف لام اصلی نہیں ہے - ان تمام اسماء کو ان کے حروف اصلی میں لکھنا چاہئے - البطنی کو حرف بے میں الراضی کو حرف رے میں المامون و المنصور وغیرہ کو حرف میم میں علی ہذا القیاس —

لیکن باوجود اس کے ہم قابل مولف کی محنت کی داد دئے بغیر نہیں رہ سکتے - اُردو میں اس قسم کی کتابیں شاذ ہیں جن سے طلبہ کو اپنے علمی مطالعہ میں مدد مل سکے - مولانا نظامی نے اس کتاب کی تالیف سے بلا شبہ اُردو زبان میں اضافہ کیا ہے - پہلی طبع میں اس نوع کی کتاب میں اس قسم کی فرو گزاشتوں کا ہونا معمولی بات ہے - اُمید ہے کہ دوسری طبع میں پورے طور سے صحت کر دی جائے گی —

کتاب مولف یا انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد سے مل سکتی ہے —

(ہ - ق)

فہرست مخطوطات فارسی مخزونہ کتب خانہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال

Descriptive Catalouge of the Persion Manuscripts in the Collection of the Asiatic Society of Bengal, by Wladimir Ivanow, late Assistant keeper of the Mohammadan Mss., Asiatic museum, Russian Academy of Sciences, Calcutta, 1924 pp. xxxvll. 934. Rs. 42 – 8.

بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے کتب خانہ میں فارسی زبان کی جس قدر قلمی کتابیں ھیں ان کی یہ توضیحی فہرست ھے - اسے ایک روسی مستشرق ولد یمر ایوانو نے مرتب کیا ھے جو ایک عرصہ تک روس کی ایکاڈیمی آف سائنس کے ایشیاٹک میوزیم میں اسلامی کتابوں کے مددگار محافظ رہ چکے ھیں اور ادبیات اسلامیہ کی نسبت وسیع واقفیت رکھتے ھیں —

یہ فہرست ایسی جامع اور مکمل نہیں ھے جیسی کہ ریو، ایتھے وغیرہ مستشرقین کی فہرستیں ھیں لیکن پھر بھی اس میں ایسی معلومات جمع ھیں کہ اُن کی وجہ سے ھم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اس کی اشاعت سے فارسی ببلیو گرافی میں ایک قابل قدر اضافہ ہوا ھے —

اس فہرست کی ترتیب و تدوین میں مولف نے بالکل ریو اور ایتھے کی فہرستوں کا اتباع کیا ھے اور ھر کتاب کے بیان میں بالالتزام امور ذیل کی پابندی کی ھے —

(۱) کتاب کا نام اور اُس کا عہد تصنیف
(۲) مصنف کا نام اور اُس کا سنہ وفات
(۳) اُس بادشاہ یا امیر کا نام جس کے نام پر یا عہد میں کتاب لکھی گئی ھے
(۴) کتاب کے ایڈیشن اور ترجموں کی کیفیت
(۵) مشرق و مغرب کی تاریخی کتابوں اور فہرستوں کے ریفرنس جن کی وجہ سے کتاب اور اُس کے مصنف کی نسبت مزید واقفیت حاصل کرنے میں رھنمائی ھوتی ھے اور اس بات کا پتہ چلتا ھے کہ یہ کتاب سوسائٹی کے علاوہ یورپ اور ھندوستان کے کون کون سے کتب خانوں میں موجود ھے —

اس کتاب کی ترتیب میں فاضل مولف نے کم و بیش چالیس کتابوں سے امداد

لی ہے اور جگہ جگہ ریو ایتھے فلوگل' پرچ' براون' ڈورن' پیزی وغیرہ مستشرقین کی ضخیم ضخیم تصنیفات کے حوالے دئے ہیں مثلاً

Rleu, Catalogue of the Persion
Mss . In the Brilish Museum.,

Ethe, Catalogue of the Persion
Mss . In the Library of the India office

Ethe, Neupersische Library,

Partsch, Die Hands chriften
Verzeichnisse der Koniglichen
Bibliothek Zu Berlin.

Dorn, Catalogue des Manuscrits
et XylograPhe Orientanx de
La Bibliothegue Imperiale
Pnblique de ft . Petersbourg.

Brouin, Literary Histry
of Pessia.

„ Catalogue of the Persion
In the Library of the
University of Cambridge

Pizzi, Storia deua Poesia
Persiuna,

Borthold, Turkestane, at the
Mongol Jnvasion,

مطبوعات کی کیفیت مسٹر ایڈ ورڈس Edwards کی کتاب Catalogue of the Persion Printed Books In the British Museum .
سے ماخوذ ہے۔ سلاطین کے سنین حکومت استیلی لین پول S . Lane, Pool کی کتاب Muhammadan Dynasties سے نقل کئے ہیں۔

اس فہرست میں (۱۷۸۱) کتابوں کا تذکرہ ہے۔ اور فنون کے اعتبار سے ان کی تقسیم اس طرح کی گئی ہے۔

تاریخ ۲۱۱ (1 - 211)

تراجم اور تذکرے	۶۶	(211 - 278)
جغرافیہ اور سفرنامے	۱۰	(279 - 289)
قصص اور حکایات	۴۳	(290 - 333)
ادب وانشاء	۸۶	(334 - 420)
منظومات	۵۳۳	(421 - 954)
دینیات (تفسیر - حدیث - فقہ وغیرہ)	۱۹۳	(955 - 1148)
تصوف	۲۰۷	(1149 - 1356)
حکمت وفلسفہ و اخلاق و لغت وغیرہ	۲۷۳	(1357 - 1630)
متفرق	۸۸	(1631 - 1719)
ضمیمہ اول (عربی- فارسی- پشتو- اور اردوکتابیں)	۲۸	(1720 - 1748)
ضمیمہ دوم (فارسی کتابیں)	۳۲	(1749 - 1781)

——:o:——

اس ذخیرہ میں جو کتابیں خاص اہمیت رکھنے والی ہیں اون کی تفصیل یہ ہے —

تاریخ

مجمل فصیحی (278 D 9.) اس کو فصیحی خوانی نے سنہ ۸۴۵ ہجری میں مرتب کیا ہے - اس میں سنین کے تحت میں تاریخی واقعات جمع ہیں- نہایت نایاب و کمیاب کتاب ہے - اس کا ایک نسخہ بانکی پور کی اورنٹیل لائبری میں بھی موجود ہے —

مجمل مفصل (275 D , 43) سنہ ۱۰۶۵ ہجری کے قریب ہندوستان میں تصنیف ہوئی ہے-اس میں آغاز سال ہجری سے سنہ ۱۰۶۵ ہجری تک حالات جمع ہیں —

حدیقۃالصفا (141 D , 45) اس کو یوسف علی بن غلام علی نے سنہ ۱۱۷۳ ھ میں تصنیف کیا ہے -اس کے پہلے حصہ میں شاہان قدیم-خلفاے اسلام اور ان کے معاصر سلاطین عالم کے حالات ہیں دوسرے حصہ میں ہندوستان کے شاہان تیموریہ کا تذکرہ ہے - تیسرے حصے میں ہندوستان کے ان فرمان روا خاندانوں کی تاریخ تحریر ہے جو بنگالہ دکن گجرات سندہ مالوہ جون پور-کشمیر وغیرہ میں برسر حکومت رہے ہیں-خاتمہ دو حصوں پر منقسم ہے-پہلے حصے میں حکماء کے حالات ہیں دوسرے میں شعرا اور صوفیہ وغیرہ کا تذکرہ ہے —

خلاصۃالاخبار (154 D , 106) اس کو محمد اسلم نے لکھا ہے-اس میں

امیر دوست محمد خاں کے کارنامے سنہ ۱۲۵۴ ہجری تک مذکور ہیں—

تاج المآثر (110 , D 34) سلاطین ہندوستان کی قدیم تاریخوں میں نہات نایاب کتاب ہے-اس میں سلطان شہاب الدین محمد بن سام اور اس کے جانشین قطب الدین ایبک اور شمس الدین ایلتمش کے حالات ہیں--

تاریخی مراسلات

انشاء قاسم طبسی (350 , F . 9) اس سے سلاطین دکن اور شاہان ایرانی کے تعلقات کا پتہ چلتا ہے—

رقعات میر عبداللطیف (364 , F - 6) اس سے عہد جہانگیر اور شاہ جہاں کے سیاسی حالات معلوم ہوتے ہیں—

گلشن عجائب (392 , F - 40) اس میں مرزا فرخ سیر اور محمد شاہ کے مراسلات جمع ہیں—

تاریخی منظومات

تواریخ قطب شاہ (691 - D , 65) اس میں سلاطین قطب شاہیہ کے حالات ابتداء سے سنہ ۱۰۰۰ ہجری تک مذکور ہیں اور اسے ہیرا لعل خوش دل نے نظم کیا ہے—

انور نامہ (872 , N a , 7 -) سنہ ۱۱۷۴ ہجری میں تصنیف ہوا ہے-اس میں انور الدین خاں والی کرناٹک کے حالات ہیں--

نجیب نامہ (870 , N a, 86) اس کا دوسرا نام نامہ طرفہ ہے-سنہ ۱۱۸۵ ھ تصنیف ہوا ہے-اس میں نجیب الدولہ نواب نجیب خاں روھیلہ کے حالات میں مذکور ہیں—

ظفر نامہ (886 , N a , 87) اس میں عہد جنرل لیک (Lake) کے واقعات مذکور ہیں جو سنہ ۱۸۰۰ ع سے سنہ ۱۸۰۷ ع تک واقع ہوے ہیں—

شعرا اور صوفیہ کے تذکرے

مذکرالاحباب (219 , D 98) اسے میر بہاء الدین حسن نقیب الاشراف بخارائی نے سنہ ۹۷۴ ع میں مرتب کیا ہے-نہایت نایاب اور قابل قدر تذکرہ ہے اس کی ۳۰۸ صفحات ہیں—

طبقات الصوفیہ (234 , D 232) یہ تذکرہ پیر ہرات شیخ الاسلام ابواسمعیل عبداللہ بن محمد الانصاری المتوفی سنہ ۴۸۱ ہجری کی تصنیفات سے ہے اور دنیا کی نایاب کتابوں میں اس کا شمار ہوتا ہے —

ابوعبدالرحمن محمد بن حسین السلمی المتوفی سنہ ۴۱۲ ع سے عربی زبان

میں صوفیائے کرام کا ایک تذکرہ لکھا تھا (Brockel mann . Geschichte der Arabeischen littera Tur —

(V0l 1 . PP . 200)

خواجہ عبدالله انصاری نے اپنے مجالس وعظ و تذکیر میں بزبان فارسی اس کا ترجمہ فرمایا۔یہ ترجمہ ہرات کی قدیم زبان میں تھا۔مولانا عبدالرحمن جامی نے اوسے مروجہ فارسی میں لکھا اور اس کا نام نفحات الانس من حضرات القدس رکھا—

گلزار ابرار (259 D. 262,) اسے محمد غوثی بن حسن بن موسی شطاری نے سنہ ۱۰۲۲ میں مرتب کیا ہے۔هندوستان اور خاص کر گجرات کے اولیا الله کا ایک ضخیم تذکرہ ہے—

شرایف عثمانی (277. D. 227,) مشاهیر بلگرام کا تذکر ہے۔اسے غلام حسن صدیقی فرشوری بلگرامی نے تصنیف کیا ہے۔اور اس کی تصنیف کی وجہ الفاظ ذیل میں بیان کی ہے—

میر سید غلام علی متخلص بآزار ... بسبیل نسب نامه جمع فرمودند و بے اطلاع ما مردم اکثر اقوال سماعی و قیاسی که معتمد علیه نبودند درج نمودند و بعد چندی یوم بزیارت حرمین شریفین آز بلگرام براہ دکن سفر حجاز گردیدند ... الان بحسب آب خور در آن ملک (دکن) استقامت دارند و از انجا کتابی مسمی بماثرالکرام في تاریخ بلگرام و نسخهٔ سرد آزاد نام تالیف فرموده ببلگرام فرستادند۔چوں بنظر جمعی از فضلا و بعضے از روساے بلگرام گذشت بسبب آنکه اکثر اقوال خلاف واقع تاریخ و اسناد و وثایق فرامین بودند هر یک بزرگان بملاحظه آن بگرداب حیرت در افتادند که هر گاه بنیان ایشاں سر تا سر خلاف واقع و مخالف اسناد و تواریخ سلف است بجز آنکه ساقطه از اعتبار است چه تواں گفت قطع نظر بناے کتاب محتوی بر صدق وصواب می باید تا جماعهٔ خلق را دلیل یقینی باشد و معتمد علیه گردد۔ (الخ)

دوادین

شعراے ذیل کے دوادین نہایت نایاب و کمیاب ہیں:۔

دیوان قطرن بن منصور تبریزی المتوفی سنه ۴۶۵ هجری (408, Nb , 111)

دیوان مختاری' سراج الدین عثمان بن محمدالغزنوی المتوفی قریب سنہ ۵۴۴ھ ہجری (1753. M. 19)—

دیوان سوزنی' شمس الدین محمد بن علی النفسی المتوفی سنہ ۵۶۹ ہجری (449. Nb, 71)—

دیوان شرف الدین شفروہ محمدفضل‌اللہ الاصفہانی المتوفی ۶۰۰ ہجری (465. Nb. 13)

دیوان امامی-ابو عبداللہ محمد بن عثمان‌الہردی المتوفی سنہ ۶۶۷ ہجری (489. Nb. 15)—

کلیات عماد فقیہ--خواجہ عمادالدین کرمانی المتوفی سنہ ۷۷۳ ہجری (583. Nd. 14.)—

دیوان آذری-شیخ جلال‌الدین حمزہ بن علی البیہق المتوفی سنہ ۸۶۶ہجری (606. Nb. 1,)--

دیوان سہیلی-امیر نظام الدین احمد المتوفی سنہ ۹۰۷ ہجری وزیر سلطان حسین مرزا (643. Nb. 72,)—

دیوان عبیدی-عبداللہ خاں بن محمود خاں شیبانی والی ہرات (سنہ ۹۳۰ تا ۹۳۹) (1759. Oa, 14)—

دیوانی تقی اوحدی-تقی الدین بلبانی (733. Nb. 29)—

صوفیانہ نظمیں

مثنویات مولانا جمالی دہلوی (648 N. 75. 143) اس مجموعہ میں ۲۷ مثنویاں ہیں منجملہ اون کے بعض نام یہ ہیں-مصباح الارواح-کنزالدقایق-تنبیہ العارفین-روح القدس-مفتاح الفقر-فاتح الابواب وغیرہ—

کتب دینیہ

امام ابوجعفر محمد بن جریرالطبری المتوفی سنہ ۳۱۰ کی تفسیر کبیر کا فارسی ترجمہ (955 Aa. 19) جس کو امیر منصور بن نوح سامانی (سنہ ۳۵۰-سنہ ۳۶۵) کے حکم سے علمائے بخارا و سمرقند وفر غانہ نے مرتب کیا ہے-نہایت نایاب اور نادر الوجود کتاب ہے-سوسائٹی میں اس کا مکمل نسخہ نہیں ہے-بلکہ درمیانی جلد ہے جس کے ۸۰۰ صفحات ہیں-اور اس میں سورۂ آل عمران سے سورۂ کہف تک پندرہ سوروں کی تفسیر ہے—

فن حرب

سوسائٹی کی نایاب ترین کتابوں میں "آداب الحرب والشجاعہ" (M. 160

1608.) ایک قابل ذکر کتاب ھے۔یہ کتاب ۴۲۲ صفحات پر تمام ھوئی ھے۔محمد بن منصور القرشی نے جو مبارک شاہ اور فخر مدبر کے لقب سے مشہور ھے اسے سلطان شمس الدین ایلتمش بادشاہ دھلی (سنہ ۶۰۷ ھجری سنہ ۶۳۳ ھجری) کے نام پر تصنیف کیا ھے۔اس میں جنگ کے وہ آداب و قوانین مذکور ھیں جو ساتویں صدی کے مسلمانوں میں رائج تھے —

———:o:———

اس فہرست کی ترتیب و تدوین میں مولف سے متعدد مقامات پر غلطیاں ھو گئی ھیں مثلاً —

ترجمہ تاریخ طربی (No. 1)

اس کے متعلق لکھا ھے کہ ابوعلی محمد بن محمدبلعمی نے منصور بن نوح سامانی کے حکم سے سنہ ۳۵۲ میں ترجمہ کیا اور محمد بن عبدالملک الهمدانی نے اس میں مستظهر باللہ عباسی کے عہد خلافت تک حالات اضافہ کئے —

یہ سمجھنا کہ محمد بن عبدالملک ھمدانی المتوفی سنہ ۵۲۱ نے فارسی ترجمہ پر حالات اضافہ کئے ایک صریح غلطی ھے۔اس میں شک نہیں کہ محمد بن عبدالملک سے تاریخ طربی کا تکملہ لکھا ھے لیکن وہ فارسی ترجمہ کا نہیں ھے بلکہ اصل عربی کتاب کا ھے اور ذیل طبری کہلاتا ھے اور حاجی خلیفہ نے بھی اس کا ذکر کشف الظنون میں کیا ھے —

تاج الماثر (No. 155)

اس کے مصنف کا نام حسن (صدرالدین محمدبن حسن) نظامی لکھا ھے اور ایلیٹ کی تاریخ میں بھی یہی نام ھے (Elliot History of India. Vol. 11 pp. 204) —

اس کتاب کو صدر الدین محمد کی تصنیف قرار دینا ایک اہم تاریخی غلطی ھے۔حقیقت یہ ھے صدرالدین محمد تاج الماثر کے مصنف کا نام نہیں ھے بلکہ اس کے اصل نسخہ کے کاتب کا نام ھے اور اس نے کتاب پر ایک تقریظ لکھی ھے جو کتاب کے آخر میں بطور خاتمہ شامل ھے اور اس کا عنوان یہ ھے —

"ذکر فصلی کہ ملک الافاضل والعلماء مولانا صدر الملۃ والحق ملا محمد بن محمد المحوبتی رحمۃ اللہ کہ نسخۂ اصل ملتمس منہ بخط اوست در مدح این کتاب و مولفش در آخر نسخۂ اصل نوشتہ است" —

اس تقریظ میں مصنف کتاب کا نام "نظام الحق والملۃ و الدین الحسن

النظامی النیشاپوری" لکھا ھے-یہ حسن نظامی مشہور شاعر نظامی عروضی سمر قندی کا فرزند ھے جو ادب فارسی کی مشہور کتاب چہار مقالہ کا مصنف ھے (تاریخ گزیدہ-چھاپہ عکسی طبع لنڈن صفحہ ۸۲۶)—

جدول بادشاهان تیموری (No. 167.)

اس رسالہ کا صحیح نام "مجموعہ مرزا مهدی خاں صفوی" ھے-یہ نام تاریخی ھے اور اس سے سنہ ۱۱۴۲ سن تالیف بر آمد ھوتا ھے—

احقر خاندان مصطفوی و اقصر دودمان مرتضوی ابوالفاخر نظام الدین محمد هادی الحسینی الصفوی الملقی بہ شاہ مرزا و المخاطب بہ مرزا مهدی خاں صفوی از کتب سیر و سوانحی کہ بنظر رسیدہ بود بعد استخراج و استنباط بر نہج سطور ذیل ترسیم و ترقیم نمود و بالهام ملک مجید تاریخ اتمام این ارقام کہ رقم زدہ کلک تیرہ فام احقر انام است "مجموعہ مرزا مهدی خاں صفوی" موسوم گردید—

طلسمات خیال (No. 403.)

اس کے مصنف کا نام منشی نولکشور لکھا ھے-لیکن حقیقت میں یہ کتاب منشی کیول رام کی تصنیف ھے اور اس کے فرزند منشی نول کشور نے بعد اتمام اس پر خطبہ لکھا ھے اور اس خطبہ میں اس کی تاریخ تصنیف اس طرح بیان کی ھے—

بحمد اللہ کہ طبع قبلہ گاهی چہ نیکو پایۂ معنی بیفزود
پئے تاریخ سالش هاتف غیب طلسمات خیال وے بفرمود

(محبوب الاحباب فی تعریف الکتب و الکتاب طبع حیدر آباد صفحہ ۳۶۴)

تذکرۃ الامرا جو امرائے دربار مغلیہ کا ایک ضخیم تذکرہ ھے-اسی منشی کیول رام کی تصنیفات سے ھے (Elliot. History of India, Vol. VIII, pp 192)

خمسہ نظامی (No. 466)

(۲) لیلی مجنون-اس کی نسبت لکھا ھے کہ یہ کتاب ابو المظفر شروان شاہ کے نام پر لکھی گئی ھے-لیکن یہ غلطی ھے-صحیح یہ ھے کہ مولانا نے اس کو اخستان شاہ کے نام پر لکھا ھے—

صاحب جہت جلال و تمکین یعنی کہ جلال دولت و دین
تاج ملکان ابو المظفر زیبندۂ ملک هفت کشور
شاہ سخن اخستان کہ نامش مہر یست کہ مہر شد غلامش

اخستان کا پورا نام خاقان کبیر جلال الدین اخستان شاہ ھے

اور یہ فرزند اور جانشین ہے خاقان اعظم فخرالدین منو چہر شروان شاہ کا خاقانی شروانی نے ان دونوں بادشاہوں کی مدح میں متعدد قصاید لکھے ہیں جو اس کے دیوان میں موجود ہیں —

(۴) خسرو شرین—اس کتاب کا سن تصنیف سنہ ۵۷۶ لکھا ہے-اور اس تاریخ کے معین کرنے میں غالباً ایو کا اتباع کیا گیا ہے-لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس بارے میں ایو اور اس کے متبعین دونوں سے غلطی ہوگئی ہے-مولانا نظامی نے اس مثنوی کو اتابک اعظم شمس الدین محمد جہان پہلوان بن ایلدگز کے زمانہ میں لکھنا شروع کیا اور اس کی وفات کے بعد اس کے برادر اور جانشین مظفر الدین قزل ارسلان کے عہد حکومت میں اختتام کو پہونچایا—

مولانا نظامی نے مثنوی کے اخیر حصہ میں اس کے اختتام محمد بن ایلدگز کی وفات اور قزل ارسلان کی قدر دانی کے مفصل حالات لکھے ہیں-جن کا محاصل یہ ہے کہ جب مثنوی تمام ہوئی تو قزل ارسلان سے مولانا کو دربار میں طلب کیا-خسرو شرین کے اشعار سن کر تحسین و آفرین کی اور کہا کہ آپ نے میرا نام ہمیشہ کے لئے زندہ کر دیا ہے-اور اس کا صلہ دینا میرا فرض ہے-اس کے بعد دریافت کیا کہ بھائی صاحب (محمد بن ایلدگز نے آپ کو دو گاؤں دینے کا ارادہ کیا تھا-وہ دیے یا نہیں-مولانا نے جواب دیا کہ شاہ سعید نے بیشک ایسا ارادہ کیا تھا-لیکن اس کے پورا ہونے سے پہلے ان کا انتقال ہوگیا-اس پر قزل ارسلان نے مولانا کو دو گاؤں عطا کئے -

بلے شاہ سعید از خاص خویشم   پذیرفت انچہ فرمودی ز پیشم
چوں رخت عمراو کشتی روان کرد   مرا نے' جملہ عالم رازیاں کرد

جہاں پہلوان محمد بن ایلدگز کا سنہ ۵۸۱ ع میں انتقال ہوا ہے (دول الاسلام ذہبی طبع حیدرآباد جلد ثانی صفحہ ۹۷-حبیب السیر جلد دوم جز چہارم صفحہ ۱۲۶ اس اعتبار سے یہ مثنوی سنہ ۵۸۱ ع کے بعد تمام ہوئی ہے—

(۵) سکندر نامہ کی نسبت لکھا ہے کہ سنہ ۵۹۷ ھ کی تصنیف ہے اور اس کے بعد بیان کیا ہے کہ یہ کتاب دو حصوں میں منقسم ہے —

پہلے حصے (سکندر نامہ بری یا شرف نامہ اسکندری) کی نسبت لکھا ہے کہ اتابک نصرت الدین ابوبکر کے نام پر لکھا گیا ہے —

دوسرے حصے سکندر نامہ بحری یا خردنامہ اسکندری) کی نسبت لکھا ہے کہ سلطان عزالدین مسعود بن نورالدین ارسلان کے نام پر معنون ہے —

اس کتاب کی نسبت مولف سے دو غلطیاں ہوئی ہیں-اول یہ کہ دونوں

حصوں کو ایک ہی سنہ میں تصنیف ہونا بیان کیا ہے-حالانکہ دونوں حصے دو مختلف سنین میں تصنیف ہوے ہیں-پہلا حصہ سنہ ۵۹۷ ھ میں اور دوسرا سنہ ۵۹۹ ھ میں تمام ہوا ہے-دوسرے حصے کی تاریخ تصنیف خاتمہ میں اس طرح مذکور ہے—

زهجرت چنان بردهم یاد گار   لوز نه گذشته زپا نصد شمار

دوم یہ کہ حصہ دوم کو عزالدین مسعود کے نام سے منسوب کیا ہے-حالانکہ یہ بادشاہ اس حصے کے تمام ہونے سے آتھہ سال بعد سنہ ۶۰۷ ھ میں برسر حکومت ہوا ہے-(دول‌الاسلام ذهبتی جلدثانی صفحہ ۸۴ و صفحہ ۸۵ تاریخ ابوالفدا-طبع قسطنطنیہ جلد ثالث صفحہ ۱۱۳)—

دیوان واقف (No. 877)

واقف کا نام نورالدین وطن پتیالہ (Patyala) اور سال وفات سنہ ۱۲۰۰ م ۱۷۸۶ لکھا ہے جو غلط ہے—

واقف کا صحیح نام نورالعین وطن بتّالہ ہے اور سنہ ۱۱۹۵ ہجری میں ان کا انتقال ہوا ہے (خزانہ عامرہ طبع کانپور صفحہ ۴۵ نتائج الافکار طبع مدراس صفحہ ۴۵۲)—

عروس عرفان (No. 1283)

اس کے مصنف کا نام اس طرح لکھا ہے " محمود بن باقر محمد پیشکی قادری " شیخ محمد باقر محمود بحری کے والد نہیں بلکہ مرشد ہیں-قاضی محمود بحری نے سنہ ۱۱۱۱ ہجری میں ایک مثنوی دکنی زبان میں " مسن لگن " کے نام سے لکھی ہے اور اس میں حمد و نعت کے بعد اپنے مرشد کے سجائد و مناقب بیان کئے ہیں اور اس کے ضمن میں ان کا نام محمد باقر لکھا ہے (من لگن طبع مدراس سنہ ۱۳۰۷ ہجری صفحہ ۷)—

قاضی محمود بحری کے والد کا صحیح نام بحرالدین اور لقب قاضی دریا ہے-(تاریخ اردوے قدیم صفحہ ۸۶)—

——:o:——

اکثر مشاہیر کے سنین وفات چھوڑ دیے ہیں حالانکہ وہ تاریخ و تراجم کی کتابوں میں آسانی کے ساتھہ مل سکتے ہیں اور چند سنین جو ہمیں یاد ہیں ذیل میں درج کرتے ہیں—

(6) حمداللہ مستوفی قزوینی سنہ ۷۶۶   منتظم ناصری در تحت سنہ ۷۶۶ صاحب تاریخ گزیدہ

(513) شاہ ولی محمد اکبرآبادی سنہ ۱۰۵۷ مخبر الواصلین
شارح مثنوی مولانا روم

(733) تقی الدین اوحدی بلبانی سنہ ۱۰۳۰ صبح گلشن طبع بھوپال صفحہ ۸۸
صاحب تذکرۃ الشعراء

(797) محمد سعید اشرف مازندرانی سنہ ۱۱۱۶ نتائج الافکار صفحہ ۳۷
استاد زیب النساء بیگم

(909) علاء الدین وصالی سنہ ۹۹۸ نتائج الافکار صفحہ ۲۸۹
صاحب ترجیع بند (ما مقیماں)

(1411) ابوالفر فراہی صاحب سنہ ۵۷۹ ملتظم ناصری در تذکرت سنہ ۵۷۹
نصاب الصبیان

(1431) ملا عبدالرشید تتوی سنہ ۱۰۷۷ خزانہ عامرہ صفحہ ۳۲۴
صاحب منتخب الغات و فرہنگ رشیدی

کتاب میں ان کے علاوہ اور بہت سی اغلاط و فروگزاشتیں موجود ہیں۔جن کی تصحیح اس مختصر سے مضمون میں غیر ممکن ہے - ہم امید کرتے ہیں کہ ارکان طبع ثانی میں ان کی اصلاح کر دیں گے۔

(حکیم سید شمس اللہ قادری)

———:o:———

مقتل فریب مغربی معمل خانے

یہ ایک ۵۸ صفحہ کا چھوٹی تقطیع کا رسالہ ہے جس کے مصنف سید طالب علی صاحب طالب الہ آبادی ہیں، سائنس کی ترقی، نئے نئے آلات کی ایجاد اور زمانۂ جدید کے تجربے اور تحقیق کے ذوق نے اس میں شک نہیں کہ انسانی معلومات کے دائرے کو بہت وسیع کر دیا ہے اور اس سے ہمیں بہت سے فائدے بھی پہونچ چکے ہیں، لیکن دوسری طرف اختبار و تجربے کے شوق کا ایک ادنی نتیجہ یہ ہے کہ آدمی محض اپنے ذوق تحقیق کی خاطر بے زبان جاندار مخلوق پر طرح طرح کے ظلم کرتا ہے اور ان کے جواز کے لئے یہ دلیل پیش کرتا ہے کہ ان باتوں سے اضافہ علم مقصود ہے، یہ کتاب اسی "طالبانہ شوق تشریح و تحقیق" کے خلاف ایک طرح کا احتجاج ہے، جناب مصنف نے علم تشریح الاعضا کو خاص طور پر ہدف ملامت بنایا ہے اور تجربے کے پردے میں بے زبان جانوروں پر جو مظالم ہوتے ہیں

انھیں اپنے مخصوص چبھتے ہوے انداز میں ظاہر کیا ہے ' کتاب میں دس بڑے بڑے علوانات جیسے "قتل روح" "تجربات بے درد" کلب مغرور" گربہ مسکین" وغیرہ ھیں - ہر علوان کے تحت جراحی عمل کی مختلف قسموں کا بیان اور تجربوں کا حال ہے ' یہ تجربے اکثر ناکامیاب ہوتے ھیں —

ہم اس موقع پر یہ بحث چھیڑنا نہیں چاھتے کہ جناب مصنف کا نقطۂ خیال خالص علمی انسانی اور اخلاقی حیثیت سے صحیح ہے یا غلط' لیکن یہ ہم ضرور کہیں گے کہ اس کتاب میں صرف تصویر کے ایک رخ کو بہت بڑھا چڑھا کر دکھایا گیا ہے' بے زبان جانوروں کا عامل کے تیز آلات کے نیچے تڑپ تڑپ کر جان دینا و تعی ایک پر اثر نظارہ ہے' لیکن انسانوں کا ایسے امراض کی وجہ سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر جان دینا جن کی تحقیق کافی طور پر نہیں ہوئی ہے' اس سے بھی زیادہ جگر خراش منظر ہو سکتا ہے ہندوستان میں جس رد عمل کی ابتدا جناب مصنف کی اس کتاب سے ہوتی ہے وہ انگلستان میں بہت پہلے شروع ہو چکا ہے - ورڈس ورتھ کے الفاظ سنئے —

فطرت کی کہانی تو سریلی ہے لیکن ہمارا ذہن دخل در معقولات کر کے اشیا کی حسین صورتوں کو بگاڑ دیتا ہے تشریح (چیر پھاڑ) کے شوق میں ہم قتل پر بھی اتر آتے ہیں —

Sweet is the love which nature brings
Our meddling Intelleet
Mis shapes the beauteons forms of thing
We munder to lisseet

اس میں شک نہیں کہ یہ خیال قابل غور ہے لیکن یاد رکھنا چاھئے کہ جذبات کے علاوہ عقل کا بھی ہم پر آخر کچھ حق تو ضرور ہے' اسے بھی جانے دیجئے تو پوری انسانی نسل کیا اتنے ایثار اور مستحسن ظلم کی بھی مستحق نہیں!

کتاب کی عبارت شروع سے آخر تک طنزیہ ہے اور الجھی ہوئی ہے' عجیب و غریب ترکیبوں کا استعمال کیا گیا ہے "ہم ایک دن بحیرۂ حیات کی حدیث طبیعیہ والی تہ تک پہونچ کر رہیں گے" "ثمردار ترقی" "سایۂ باز انداختۂ آئینۂ جذبات" "خوش صوت جملے" وغیرہ کہیں کہیں انگریزی الفاظ کا عجیب و غریب ترجمہ کیا گیا ہے Foxhound سگ روباہ شکار یا Labaratony کا معمل خانے حالانکہ اس کے لئے صرف لفظ "معمل" کافی تھا کہ اس میں خود ظرفیت موجود ہے "دورۂ مغزیہ" رگ قلبیہ' رگ حلقیہ نفسیہ وغیرہ خدا معلوم کن اصطلاحات کے ترجمے ہیں' اصل الفاظ دئے جاتے تو مقابلہ ممکن تھا —

کتاب معمولی کاغذ پر چھپی ھے الناظر پریس لکھنو سے چار آنہ میں مل سکتی ھے —

(و)



گوتم بدھ

اس مضمون میں منشی امیر احمد صاحب علوی بی اے نے ھندوستان کے سب سے بڑے اخلاقی رہنما کی مختصر سوانح عمری اور اسکی تعلیمات بیان کی ھیں - پہلے یہ الناظر لکھنو میں مسلسل شایع ھوتا رھا اور اب ایک دو جز کے رسالہ کی صورت میں علیحدہ طور پر الناظر پریس کی طرف سے شایع ھوا ھے ظاھر ھے کہ اس مختصر رسالے سے مہاتما بودہ کی سوانح نگاری کا فرض پوری طرح ادا نہیں ھوتا' اور نہ جناب مصنف نے اس کا دعوی کیا ھے' پھر بھی ان کی زندگی کے اھم واقعات سب کے سب اس میں آگئے ھیں' ولادت' ۲۹ سال کی عمر تک محل کی چار دیواری کے اندر رھنا' اتفاقاً آبادی کی طرف آن نکلنا اور انسانی مصائب کے نمونے دیکھنا' جوگ لینا' پھر سکون اور شانتی کی تلاش میں پھرنا' بودھی درخت کے نیچے عرفانی نور کا پرتو دیکھنا' ان سب چیزوں سے بحث کی گئی ھے' آخر میں اس کی تعلیمات کا نہایت مجمل بیان بھی ھے - کتاب کی عبارت بھی خاص طور پر دلچسپ ھے' اور چونکہ مضمون مختصر ھے اور نظر زیادہ گہری اور تاریخی نہیں ھے' اس لئے اس طرز کو شروع سے آخر تک خوب نباھا ھے' عام اردو داں حضرات اور مدارس کے طلبہ کے لئے اس کتاب کا مطالعہ فائدے سے خالی نہ ھو گا —

کاغذ معمولی اور لکھائی چھپائی غنیمت ھے الناظر پریس لکھنو سے ۴ آنہ میں مل سکتی ھے —

(و)

———:o:———

سرگزشت وزیرخاں لنکران

یہ ایک فارسی تمثیل ھے جس کے لکھنے والے مرزا جعفر قراجہ داغی ھیں - مرزاے موصوف شاہ کج کلاہ ایران فتح علی شاہ قاچار کے بھتیجے شہزادہ جلال الدین

مرزا کی سرکار میں ملازم تھے' شہزادہ کے ایما سے انہوں نے کئی ترکی تمثیلات کو ایرانی لباس پہنایا ۔ جامعہ لکھنئو کے پروفیسر محمد عبدالقوی صاحب فانی ایم-اے نے ان کے اس ڈرامے کو اپنے اردو ترجمے کے ساتھہ چھپوایا ھے ' اصل کے مقابل ترجمہ بھی دیا گیا ھے جو خاصہ سلیس اور عام فہم ھے ' کتاب کے شروع میں ۳۲ صفحات کا ایک مقدمہ بھی ھے جو ڈرامے کی تاریخ سے متعلق ھے اس میں مختلف قوموں کے ڈراموں کا تھوڑا بہت حال بھی لکھدیا ھے ' چونکہ اس حصے کی حیثیت محض تقریبی ھے اس لئے فاضل مترجم اس جامع نہ بنا سکے ' بہرحال چونکہ اصل فارسی ڈرامہ جامعہ لکھنئو کے نصاب میں شریک ھے ' اس لئے یہ مقدمہ ڈرامہ کی تقابل تاریخ کے لحاظ سے طلبا کے لئے ضرور مفید ہوگا —

اصل ڈرامہ کی زیادہ دلچسپ نہیں ھے ' لیکن اس حیثیت سے کہ اس میں معاشرتی حالات سے بحث کی گئی ھے سبق آموز ضرور ھے ' ویسے بھی فارسی ڈرامے باعتبار فن ابھی کچھہ زیادہ ترقی نہیں کی ھے ' مستثر وطہ کا زمانہ تو ادب عالیہ کی اس صنف کچھہ ایک بھی ایسی مثال پیش نہیں کرسکتا جسے حقیقی معنوں میں ڈرامہ کہ سکیں کچھہ ترجمے البتہ قابل قدر ھیں جیسے انگریزی کے ھنری دی فورتھہ کا ' یا فرانسیسی ڈرامہ نویس موتیر کے پسل LiemMalade Imaginnaire کا ترجمہ طبیب اخبار زیر تبصرہ ڈرامہ واقعہ نگاری کی حیثیت سے اچھا ھے ' لیکن سیرت نگاری کے اعتبار سے کچھہ نہیں ' ترجمہ کے علاوہ کتاب کے آخر میں بھی مشکل الفاظ کی ایک فرھنگ لگادی گئی ھے ' جس سے یہہ ڈراما طلبا کے لئے کافی طور پر آسان اور مفید ہوگیا ھے ' اھل ذوق حضرات جنھیں فارسی ڈراموں کا رنگ دیکھنا ہو ' اور طلبا جنھیں مصطلحات جدیدہ کے جاننے کی ضرورت ہو ' اس کو ضرور مفید پائیں گے ' کتاب ۵ جزکی ھے ' لکھائی ھے ' چھپائی ' کاغذ سب کچھہ اچھا ھے قیمت ایک روپیہ چار آنہ " آسی پریس — محمود نگر ' لکھنئو " سے مل سکتی ھے —

(و)

———:0:———

شہاب کی سرگزشت

یہ افسانہ مولانا نیاز فتح پوری کی تازہ ترین تصنیف ھے ' پہلے مسلسل ان کے رسالے نگار میں شایع ہوتا رہا ' اور اب ' دفتر نگار ' کی طرف سے کتابی صورت میں شایع کیا گیا ھے —

افسوس ھے کہ اس افسانہ میں ھمیں پلاٹ کی کوئی ایسی خوبی نظر نہیں

آتی جس کی مولانا نیاز جیسے کہنہ مشق اہل قلم سے توقع ہو سکتی تھی - سوائے تقریروں یا خطوں کے اس کتاب میں کچھ نہیں ہے ' اور اگر ان حصوں کو حذف کردیا جائے جو برائے نام ربط قائم رکھنے کے لئے جابجا داخل کردے گئے ہیں تو اس کو افسانہ کو شہاب کی سرگزشت کے بدلے " تین تعلیمیافتہ دوستوں کی مکالمت " کہا جاسکتا ہے —

اس افسانہ کے سرورق پر یہ لکھا ہوا دیکھکر کہ یہ اردو زبان کا پہلا افسانہ ہے جو تحلیل نفسی کے اصول پر لکھا گیا ہے " ہماوے شوق کی کوی حد نہ رہی تھی ' اس لئے کہ ہندوستان تو ایک طرف خود انگلستان ' حتیٰ کہ جرمنی اور آسٹریا میں بھی جو تحلیل نفسی (Psychoanalysis) کے مولد ہیں ' کسی نے اس اصول پر افسانہ نگاری کی ہمت نہیں کی ' لیکن تحلیل نفسی کے اصول تو در کنار ' ہمیں تو اس کتاب میں کوی خاص بات ایسی بھی نظر نہیں آئی کہ جس کی بنا پر اسے نفسیاتی افسانہ ہی (psychdogieal novels) کہا جا سکے ' اس تقریبی جملہ کو استعمال نہ کیا جاتا تو اچھا تھا ' ہم نے پوری کتاب کو شروع سے آخر تک پڑھا لیکن ہمیں تو اس میں کہیں بھی اشارۃ یا کنایتاً کی " تحت - شعوری یا غیر شعوری " کا شائبہ نظر نہ آیا —

کتاب میں شہاب کی سیرت کو عجیب و غریب انداز سے پیش کیا گیا ہے - وہ ایک فلسفی ہے ' لیکن ایسا فلسفی کہ جس کی نظیر آج تک نہیں پیدا ہوئی اگر فلسفی کا تصور جناب مصنف کے ذہن میں یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو مروجہ اصولوں کے خلاف عمل کرے ' اور مروجہ خیالات کی مخالفت کرے ' فلسفی ہے تو ممکن ہے کہ شہاب بھی فلسفی ہو ' ورنہ اگر انصاف سے دیکھا جائے تو اس کی ہر گفتگو بتلاتی ہے کہ وہ اس نو جوان گریجویٹ طبقہ کا ایک ذہین فرد ہے جو فلسفہ کی دو چار درسی کتابیں پڑھکر ہر چیز کو فلسفیانہ طرز میں بیان کرنے کی کوشش کرتاہے اپنے مخاطبوں کے ہر قول کو اُلٹ دیتا ہے اور ہر رائج الوقت خیال یا رائے کی مخالفت کرتا ہے غرض سیرت نگاری میں مصنف کو زیادہ کامیابی نہیں ہوئی ہے —

افسانے کی زبان کے متعلق تو کچھ کہنے سننے کی گنجائش ہی نہیں ہے ' صرف اتنا کہدینا کافی ہوگا کہ ہمارے ملک میں آے دن جو گوہرفشانیاں ادب لطیف کے نام سے کی جاتی ہیں ' اس کا بہترین نمونہ ہے ' وہی الجھے ہوے ' عربی آمیز ' انگزی نما جملے ' وہی غیرمانوس ترکیبیں ' چند مثالیں ملاحظہ ہوں —

" میں اپنی رائے محفوظ رکھتے ہوے پوچھتا ہوں اب یہ کس طرح ممکن ہے کہ میں شادی سے انکار کروں " —

"یہ صبح و شام اپنے صحیح فرائض زندگی کو بھول کر گھنٹوں تک سنورنے والیاں، یہ اپنے بے باک تبسموں، اپنی دلپرنگاہوں، اور اپنی جری و شوخ چتونوں سے دنیا کو مالوف کرلینے کی آرزو رکھتے ہوے خود کسی سے محبت نہ کرسکنے والیاں"........

"تبسموں کی روشنی اور ہلکے ہلکے قہقہوں کی آواز سے مضامین ایک موسیقی درخشاں دوڑ رہی تھی"

"میری فرصت تمہیں مخاطب کرنے کے لئے، یا تمہاری کسی تحریر کا جواب دینے کے لئے بہت تنگ نظر آتی ہے"...

اس وقت ما اپنی سفید ساری میں خاص محویت کے عالم میں سمندر کے اندر ہلکے ہلکے ہچکولے لینے والے جہازوں کو دیکھہ رہی تھی" ہم نے لفظوں پر خط کھینچ دیا ہے، انگریزی میں In her white sari کہہ سکتے ہیں لیکن اس جملہ میں لفظ" جلوس" کی سخت ضرورت ہے ورنہ مظروف نہایت مضحکہ خیز ہو جاتا ہے"۔
"جس وقت اس پر دوسرے دن کا آفتاب طلوع ہوا" یہ بھی انگریزی عبارت کی نقل ہے، اور کسم از کسم ہمیں خوش نہیں آتی۔ ایسی مثالیاں بے شمار ہیں۔ چند ترکیبیں ملاحظہ ہوں—
لرزہ مسترحم، ارتعاش ملتجی، سیلاب خندہ، تابناک اضطراب، —
"سینہ کی مثلث عریانی جو بلاوز کی تراش کا نتیجہ ہے "ملتہب تمنائیں" —

کاش فاضل مصنف اس حقیقت کو سمجھہ لیں کہ ٹیگور کے تصوفانہ گیتوں کے لئے جو زبان موزوں ہے وہ ہر جگہ بھلی نہیں ہوتی، اگر چندے یہی حالت رہی تو "ادب لطیف وہی" مسلم شکل اختیار کرلے گا جو فرانس میں مذہب پارناسیت (Parnassianism) نے اختیار کی تھی، اور خدا معلوم اس سے اردو کو کیا صدمہ پونچے۔

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی
سنائیں رہ کہ تو میروی بہ ترکستان است

مولانا نیاز کی علمی قابلیت سے کسی کو انکار نہیں، کاش وہ اسے صحیح راستوں

پر لے لائیں-ندی کے زور کی طرح قلم کا زور بھی صرف رخ کے پھیر سے مضریا مفید ہو جاتا ہے'—

کتاب معمولی کاغذ پر چھپی ہے' دفتر نگار بھوپال سے ۱ روپیہ میں مل سکتی ہے — (و)

———:O:———

تاریخ



اسلامی خلافت کارنامہ حصہ اول

مرتبہ مولانا محمد موسیٰ خاں صاحب رئیس دتاولی

اردو زبان میں جتنی تاریخی کتابیں لکھی گئی ہیں یا لکھی جاری ہیں ان میں بہت زیادہ خامیاں نظر آتی ہیں تحقیق سے بہت کم کام لیا جاتا ہے لیکن چند کتابیں ایسی ہیں جو معیار پر پوری اترتی ہیں ان کتابوں میں سے یہ ایک کتاب ہے جس میں موجودہ یوروپی مورخین کا رنگ اختیار کیا گیا ہے-مولف نے اپنی تالیف میں اسلام سے قبل دنیا کے مختلف مذاہب اوضاع و اخلاق پر مختصر بحث کی ہے اور ان کے مذہبی و اخلاقی عروج و زوال کو ظاہر کیا ہے کہیں کہیں نسل کے مسائل حل کرنے کی کوشش کی ہے اس بیان میں محنت و کاوش سے کام لیا گیا ہے مختلف انگریزی-عربی اور فارسی کتابوں کے حوالے دئے ہیں جہاں کہیں واقعات مشتبہ ہیں ان میں تصدیق بھی طلب کی گئی ہے-مولف نے مختلف اسناد دیدیہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اسلام سے پہلے تمام دنیا تاریکی و ظلمات سے گری ہوئی تھی-تہلوں بر آعظم قعرمذلت میں پڑے ہوے تھے اور راہ و راست سے بھٹک چکے تھے اس لئے انسان کی اصلاح کے لئے ایک رہبر کی ضرورت تھی-کتاب پر ایک گہری نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فاضل مولف نے منشائے نظر ضرورت بنی قرار دیکر مختلف واقعات کو یکجا کیا ہے اور ان سب سے ایک ہی نتیجہ مرتب کرنے کی کوشش کی ہے-جو واقعات ان کے مقصد کے موافق ہیں وہ لے لئے گئے ہیں اور جو مخالف ہیں ان کو بالکل نظر انداز کیا گیا ہے اور واقعات کی ترتیب غیر فطری اور غیر ارتقائی ہوگئی ہے—

دوسری تاریخوں میں ہمیں ایک نقص بہت عیاں نظر آتا ہے یعنی

قدیم تواریخ کے حوالے غلط دے جاتے ھیں فاضل مولف نے اس کتاب میں قدیم تاریخوں میں سے اکثر حوالے دے ھیں اور ان میں بیشتر درست ھیں لیکن کئی جگہہ غلطیاں کی ھیں جن میں سے ہم صرف چند پیش کرتے ھیں— ملاحظہ ہو صفحہ ۱۵ ”عیسوی صدی سے تقریباً دو ہزار برس پہلے جب کہ تمام یورپ

کس مپرسی کی حالت میں پڑا ہوا تھا اس زمانے میں اس بر اعظم میں یونانی قوم کا ستارہ عروج پر تھا“—

حالانکہ واقعہ یہ ھے کہ یونانی تہذیب کی ابتدا تو سنہ ۷۵۳ ق م کے بعد ہوتی ھے جب انہوں نے (Theseus تھیس کی سرکردگی میں قریطش کی سیادت کا جوا اتار پھینکا تھا—

صفحہ ۳۵ ”اندلس میں پہلے آئی بیری اور لگوائی اور اس کے بعد یہاں فینیقی آے اور

پھر یونانی اور پھر قرطاجنی“ یونانیوں نے ھسپانیہ پر کب قبضہ کیا تاریخ تو اس قبضہ کے متعلق بالکل خاموش ھے-یونان کا صرف ایک جرنیل اسکندر تھا (اسکندر اعظم کے عزیزوں میں سے تھا) جس نے جزیرہ صقلیہ کا رخ کیا تھا-وہ ھسپانیہ تک نہیں پہنچا—

صفحہ ۸۷ ”کارتھیجیا یا قرطاجنہ کی قدیم سلطنت جو افریقہ میں تھی اس کے رہنے

والے لوگ بھی حسام ھی کی نسل میں ہوں گے جو اس افریقہ کی پرانی عظیم الشان سلطنت کے بانی تھے—“

قرطاجنہ کی تاریخ تو بالکل صاف ھے اس سلطنت کی بنیاد اس فینیقی امیر جماعت نے ڈالی تھی جو صدور [Tyre] کی عسوی تحریک سے بھاگ کر افریقہ کو چلی آئی تھی اس لئے قرطاجنی سامی نسل میں سے ھیں کیونکہ فینیقی بھی بابل کے قریبی علاقوں میں سے آئے تھے—

فاضل مولف نے ایران کے افسانوں کو بالکل تاریخ کی حیثیت دی ھے-فردوسی کا شاھنامہ تاریخی واقعات کی بیخ و بنیاد نہیں قرار دیا جاسکتا ھے—

صفحہ ۱۲۴ ساکیامنی کی پیدائش کی تاریخ سنہ ۶۸۸ ق م مقرر کی گئی ھے اور

تاریخ وفات سنہ ۵۵۰ ق م مقرر کی ھے حالانکہ جدید تاریخی تحقیق سے یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچ چکا ھے کہ بدھ کی تاریخ پیدائش سنہ ۵۶۸ ق م ھے اور تاریخ وفات ۴۸۸ ق م ھے-یہ تاریخیں غالباً مہاویر کے متعلق ہوں لیکن تاریخ پیدائش پھر بھی غلط ہوگی—

صفحہ ۱۵۰ ”پانچویں صدی قبل مسیح میں اس ظالم جابر اور مشرک سلطنت

(بابل تہذیب ثانی) کا ایرانیوں کے ہاتھ سے ہمیشہ کے لئے خاتمہ

ہو گیا"—

بابل کا شہر سنہ ۵۳۸ ق م میں کیخسرو کے ہاتھوں فتح ہوا نہ کہ پانچویں صدی میں—

صفحہ ۱۵۴ "یمن کے بادشاہ ابرہہ الاشرم نے ہاتھیوں کی فوج لے کر مکہ مکرمہ پر خانۂ کعبہ کو ڈھا دینے کی غرض سے چڑھائی کی تھی"—

ابرہہ یمن کا بادشاہ نہ تھا بلکہ نجاشی کی طرف سے حاکم یمن تھا جس نے پہلے حاکم اریاط کو قتل کرکے نجاشی سے وہاں کی حکومت کا پروانہ حاصل کیا تھا—

صفحہ ۱۶۵ "سنہ ۷۰ ق م میں یونانیوں نے حملہ کرکے اس جدید یہودی سلطنت کو نیست و نابود کر دیا"—

اس وقت یونانیوں میں کونسی قوت موجود تھی جو وہ بیت المقدس پر حملہ کرتے - سلا اور اس کے بعد پامپی نے سنہ ۷۸ ق م سے قبل ہی ان کی سلطنت کا قریب قریب خاتمہ کر دیا تھا - متھری ڈیٹس [Mithridates] باقی رہ گیا تھا اس کا بھی چند ہی سالوں میں خاتمہ ہوگیا—

کہیں کہیں مولف نے جغرافئی غلطیاں کی ہیں' ملاحظہ ہو

صفحہ ۱۴۸ "عرب کے شمال میں آبنائے سویز - جنوب میں دریائے فرات"—

اگر یہ ہے تو کیا شداد کے زمانے میں صفا اور عدن اسی دریا پر آباد کئے گئے تھے؟—

ایک جگہ انوکھا نظریہ قایم کیا ہے اور اس میں کوئی دلیل یا سند پیش نہیں کی—

صفحہ ۱۰ "لا مذہب اُصول کے لوگ اخلاقی یا کسی انتظامی قانون کی پابندی کے واسطے اپنے کو مجبور خیال نہیں کرتے تھے"—

اس سے غالباً مولف کے نشانۂ ملامت ایپی کیورین ہیں یہ لوگ فی الحقیقت ایسے نہیں تھے جیسا کہ ان کو بیان کیا گیا ہے - ایپی کیورس کا فلسفہ یقیناً دہریت کی تعلیم دیتا تھا لیکن اخلاق کے متعلق اس نے نہایت سخت فلسفہ قائم کیا ہے - وہ کہتا ہے کہ انسان کی سب کوششوں کا مطمع نظر راحت ہے اور اسی مطلب کے لئے تمام نیکی عمل میں آتی ہے - نیز اس کا قول ہے کہ ہمیں شہوانی لذتوں سے بچ کر حقیقی مسرت کے لئے کوشش کرنی چاہئے—

کتاب میں نقائص ضرور ہیں لیکن پھر بھی موجودہ اسلامی تاریخوں کے مقابلے میں اس کی حیثیت بہت ارفع و اعلیٰ ہے اور اس میں ہمیں مستند تاریخ کا

رنگ نظر آتا ہے۔ مولف اس ترتیب کے لئے مستحق مبارک باد ہیں۔

چھپائی عمدہ ہے کاغذ اچھا ہے۔ کتاب مذکور محمدی پریس علی گڑہ سے ایک روپیہ آٹھہ آنہ میں مل سکتی ہے۔

(ا)

———:o:———

ثانی اثنین، ذوالنورین، ابوالحسنین

یہ مولانا محمد عبدالحلیم صاحب شرر کے تین لکچر ہیں جو انہوں نے لکھنو میں ایک منتخب مجمع کے سامنے پڑھے تھے۔ پہلے لکچر میں حضرت ابوبکر صدیق دوسرے میں حضرت عثمان غنی اور تیسرے میں حضرت علی کے حالات ہیں تاریخی حیثیت سے یہ لکچر خاص وقعت رکھتے ہیں۔ اُس زمانے کے حالات اور واقعات بہت وضاحت، صفائی اور تاریخی تنقید کے ساتھہ بیان کئے گئے ہیں۔ جس تاریخ کا لگاؤ مذہب سے آپڑتا ہے وہاں مورخ کو بڑی دشواری پیش آتی ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ذاتی خیالات یا عام تعصبات کی وجہ سے حالات و واقعات کو یا تو اصلی حالت میں بےلاگ طریقہ سے نہیں دکھایا جاتا یا ان کی توجیہ یا تاویل کرنی پڑتی ہے۔ مولانا شرر کے یہ لکچر اس سے بالکل پاک ہیں۔ صحابۂ رسول اللہ اور خصوصاً خلفاے راشدہ اُن نفوس میں سے ہیں جن کے کارنامے دنیا میں ہمیشہ عزت و احترام سے دیکھے جائیں گے۔ لیکن آخر وہ انسان تھے اور اس لئے مورخ کو ان کے حالات اسی نظر سے دیکھنے چاہئیں۔ مولانا شرر نے نہایت صفائی اور آزادی سے واقعات کی تنقیح کی ہے اور اپنی رائے کے اظہار میں کہیں تامل نہیں کیا ہے۔ اگرچہ یہ رسالے حجم میں کچھہ زیادہ نہیں لیکن ان کے پڑھنے سے ایسی بصیرت ہوتی ہے جو بڑی بڑی کتابوں کے مطالعہ سے نہیں ہوتی۔ اس قسم کی تحریریں ملک کے لئے نہایت مفید ہیں۔ ان سے لوگ بہت سے حالات و واقعات پر آسانی سے عبور کرسکتے ہیں اور بہت سی غلط فہمیاں رفع ہو جاتی ہیں۔ جو صاحب آنحضرت (صلعم) کے بعد کے حالات پڑھنا چاہتے ہیں اور خلفاے راشدہ کی سیرت اور اُن کے واقعات سے دلچسپی رکھتے ہیں انہیں یہ لکچر ضرور مطالعہ کرنے چاہئیں۔ ہمیں یقین ہے کہ اِن سے اُنہیں ضرور فائدہ ہوگا۔

———:o:———

سیر الصحابہ

مسلمانوں کے لئے یہ کچھہ کم موجب فخر نہیں ہے کہ انہوں نے تاریخ نویسی میں وہ رتبہ حاصل کیا جو اس سے پہلے دنیا کی کسی قوم کو حاصل نہ تھا - انہوں نے تاریخ کو فسانے کے دائرہ سے نکال کر فن کی حیثیت تک پہنچا دیا - اسلام کے پہلے ھی دور میں مذھبی تحفظ کے خیال سے روایات کی تحقیق' راویوں کی تنقید' تنقید کے اصول مرتب ھوے' رجال حدیث کے حالات قلم بند کئے گئے - تصنیفات و تالیفات کے دور اور طبقے قائم ھوے - غرض اس طرح فن رجال و اسانید کے دفتر تیار ھو گئے جس کی روشنی میں ھر مورخ تاریخ نگاری کا صحیح راستہ تلاش کر سکتا ھے اور اسلامی سیرۃ نگار جو ائمہ خلفاء یا مشاھیر اسلام کی سیرت لکھنی چاھتا ھو اس کے لئے تو یہ سڑک بالکل خس و خاشاک سے پاک ھے —

مولانا سعید انصاری نے جو اس کتاب کے مصنف ھیں اردو میں تمام صحابہ کی سیرت اور ان کے حالات لکھنے کا بیڑہ اُٹھایا ھے جو حقیقت میں بڑا کام ھے یہ کتاب اس کی پہلی قسط ھے - اس میں پہلے ایک مقدمہ ھے - مقدمہ میں اُن جلیل القدر فقہاے صحابہ' تابعین اور تبع تابعین کا ذکر ھے جن کے ذریعہ سے علوم نبوی کی نشر و اشاعت ھوئی اور جو روایات اسلامی کی مستحکم عمارت کے لئے بمنزلہ سنگ بنیاد اور فن رجال و اسانید کے لئے ایک سر چشمہ کی حیثیت رکھتے ھیں - پھر مصنفین سیر و تاریخ محدثین اور ان کی تصنیفوں پر کچھہ تنقید کی ھے اُسی سلسلہ میں ایک عنوان "کتب رجال کے نقایص" کا قایم کر کے لکھا ھے کہ "اسلام کا اصل الاصول قرآن مجید' عمل متواتر' احادیث صحیحہ اور اجماع صحابہ ھے لیکن رجال کی کتابوں میں متعدد روایتیں اُن کے خلاف ملتی ھیں" "اور اکثر مصنفین نے تو جرح و نقد کی زحمت بھی گوارا نہیں کی" ھم کو حیرت ھے کہ کتب رجال جن کی غایت محض جرح و تعدیل ھے ان میں اس قسم کی روایتوں کا کیونکر دخل ھو سکتا ھے - اچھی بری روایتوں کا میدان تو حدیث کی کتابیں ھیں - تعجب ھے کہ کتب رجال اور کتب حدیث کا فرق و امتیاز پیش نظر نہ رکھا گیا - بھر حال لایق مصنف نے پہلا نقص نص قرآنی کی مخالفت کا بیان کیا ھے جس سے اُصولاً کسی کو اختلاف نہیں ھو سکتا لیکن اس کے نظائر میں جو سماع موتی' آنحضرت کی امیت' نکاح' متعہ وغیرہ کی روایتوں کو پیش کیا ھے اس میں بہت کچھہ کلام کی گنجایش ھے اس لئے کہ اُن میں باھمی توفیق و تطبیق بآسانی ممکن ھے - اسی تصادم کے سلسلہ میں مصنف نے قرأت' خلف الامام اور



رفع یدین کی حدیثوں پر لمبی چوڑی بحث کر کے صحیح بخاری اور دیگر صحاح کے راویوں پر لے دے کر نے میں پوری طاقت صرف کر دی ہے - ہماری رائے میں ایک سیرۃ کی کتاب ایسے اخلاقی مسائل اور الجھاؤ کی بحثوں سے بالکل علیحدہ رہنی چاہئے - روایت اور درایت کی بحث میں مصنفین نے محدثین کے بیان کئے ہوئے اصول بتا کر لکھا ہے کہ "محدثین نے بے شبہ ان اصول سے احادیث کے نقد میں کام لیا ہے لیکن ان ہی لوگوں نے اسماءالرجال کی کتابوں میں ان کو ہاتھ بھی نہیں لگایا اس کا یہ اثر ہوا کہ آج کتب رجال میں جو بے سر و پا باتیں ملتی ہیں وہ اسی غلطی کا نتیجہ ہیں"—

اگر یہ صحیح ہے تو بظاہر ان جملوں کا مفہوم اور کیا ہوسکتا ہے کہ رجال کی کتابیں جو روایات کے پرکھنے کا واحد ذریعہ ہیں' بے اعتباری کی آگ میں جھونک دی جائیں—

اسی ضمن میں مصنف نے روایتوں پر حکومت کے اثرات' کا سلسلہ چھیڑ دیا ہے اور نظیر میں واقعہ حرہ کی روایت کو پیش کرکے مجاہد پر جو دور اول کے مشہور مفسر ہیں محض اس لئے کہ اُن کے قلم سے اہل مدینہ کے متعلق لمداھلنتھم کا لفظ نکل گیا ہے' یہ طعن کیا ہے کہ "یزید کی سیہ کاریوں کی داد دینے کا طریقہ اس سے بہتر کیا ہوسکتا ہے کہ تمام صحابہ' تابعین اور تبع تابعین کو مداہن کہا جائے"—

مجاہد کے اصل الفاظ یہ ہیں وبعث یزیدالی اہل المدینۃ عشرین الفاً فاباحواالمدینۃ ثلاثا یصنعون ماشاء واللہ اھلنتم —

ہماری رائے میں تو مجاہد نے کوئی بیجا بات نہیں کہی - اگر سیاسی امور میں مدینہ والے مداہنت اختیار نہ کرتے اور ابتداہی سے جس چیز کے وہ دل سے مخالف تھے اس کے لئے کچھ بھی ہاتھ پانوں ہلاتے تو کیا عجب تھا کہ سیاست کی بساط پر کوئی ایسی چال پیدا ہوجاتی کہ یوں بنی ہاشم کو شہ مات نہ ہوتی اور اسلام کے اتنے مہرے جلد اور آسانی سے نہ پٹتے اور اشراف مدینہ پر یہ مصیبت نہ آتی - علاوہ اس کے مجاہد کے لفظ "لمداھلنتھم" کا دامن اس قدر دراز کیوں ہوگیا جس کے لپیٹ میں تمام صحابہ' تابعین اور تبع تابعین آگئے—

اس کے بعد اسی تیر کا نشانہ حسن بصری رحمۃاللہ علیہ کو بنایا ہے - لکھتے ہیں کہ "حسن بصری ربیع بن زیاد والئی خراسان کے دفتر میں کام کرچکے تھے جو امیر معویہ کا نائب تھا اِس لئے اِس نمک خواری کا اثر دیکھو کہ وہ محمد بن ابی بکر کو فاسق بن ابی بکر کے نام سے یاد کیا کرتے تھے" پھر لکھتے ہیں کہ "جانتے ہو؟ یہ

فاسق کون تھا؟ محمد بن ابوبکر جو رسول اللہ کے صحابی، حضرت ابوبکر کے فرزند اور حضرت علی کے آغوش پروردہ تھے۔حضرت علی ان کی مدح کرتے اور فضیلت دیتے تھے''۔۔

بے شبہ وہ ابوبکر کے بیٹے، اور شاید وہ مولانا کی تحقیق جدید کی رو سے صحابی بھی ہوں مگر کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ حسن بصری رح کے خیال میں وہ اپنے مشہور عمل غیر صالح اور نالایق کرتوتوں کی وجہ سے اہل ابی بکر نہیں بلکہ اہل فسق میں شمار ہونے کے مستحق ہوں۔ہمارے خیال میں تو اگر سرے ہی سے اس روایت ہی کو بے اصل ٹھیرا دیا جائے تو بہت اچھا ہو کیوں کہ صوفیانہ درایت کے لحاظ سے ہم کیوں کر صحیح سمجھیں کہ حضرت حسن بصری نے اپنے پیر و مرشد خاتم الولایت مولانا علی علیہ السلام کے ممدوح اور آغوش پروردہ کی نسبت ایسا لفظ زبان سے نکالا ہوگا۔حقیقت یہ ہے کہ مشاجرات صحابہ اور تابعین میں اس قسم کے ظن و تخمین سے کام لے کر جادۂ اعتدال پر قائم رہنا بہت کٹھن اور دشوار ہے۔۔

روایت بالمعنی کی بحث میں آپ لکھتے ہیں کہ '' حضرت عایشہ، ابوہریرہ، عبداللہ بن عباس، ابوسعید خدری، جابر، عبداللہ بن عمر، عمرو بن العاص روایت باللفظ نہ کرتے تھے بلکہ صرف مطلب ادا کیا کرتے تھے''۔اس التزام کے ثبوت میں اِن حضرات کے اقوار وقبال کا حوالہ پیش کرنا ضروری تھا۔۔

مقدمہ کے بعد مصنف نے مہاجرین اولین کے کچھ مناقب، قرآن وحدیث سے بیان کرکے شیخین کی سیرت لکھنی شروع کر دی ہے اور چونکہ مصنف کا خیال ہے کہ تاریخ کی کتابیں ماخذ کے لحاظ سے زیادہ بلند رتبہ نہیں ہوتیں اور صحابہ کے حالات تاریخ سے زیادہ احادیث میں موجود ہیں اور صحت کے اعتبار سے پایہ بھی احادیث کا تاریخ سے بڑھا ہوا ہے اس لئے مصنف نے احادیث صحیحہ کو پیش نظر رکھا ہے اور سب سے زیادہ مستند کتاب، صحیح بخاری سے واقعات زیادہ تر انتخاب کئے ہیں اور اصل موضوع کے لحاظ سے یہی ایک خصوصیت، اس کتاب کے صحت و اعتبار کے لئے کافی ضمانت ہے۔۔

(ملظور)

———:o:———

تاریخ القران

اس کتاب کے مصنف مولوی مفتی عبدالطیف صاحب رحمانی نے بڑی جانکاہی اور محنت شاقہ اُٹھاکر ان شکوک و شبہات کو رفع کرنے کی کوشش کی ہے جو بعض

رطب ویابس احادیث اور آثار کی بنا پر قرآن مجید کے محفوظ ہونے کے متعلق پیدا ہوے یا ہوسکتے ہیں، مثلاً اس قسم کی روایتیں کہ " قرآن آنحضرت صلعم کی زندگی میں کتابی طریقہ پر ایک جا جمع نہیں ہوا تھا، خلیفہ اول نے جمع کرایا—

یا یہ کہ " قران کی بعض سورتیں بہت بڑی تھیں وہ مختصر کرادی گئیں یا یہ کہ خلیفہ اول کے عہد میں بعض آیتیں لکھنے سے رہ گئیں تھیں خلیفہ سوم کے وقت میں لکھی گئیں " یا یہ کہ ,, قرآن کی آخری دو سورتیں یعنی معوذتین عبداللہ بن مسعود کے نزدیک قرآن میں داخل نہیں یا یہ کہ قرآن کی موجودہ ترتیب ابی ابن کعب اور حضرت علی کے قرآن کی ترتیب کے خلاف ہے "—

لایق مصنف نے ان تمام احادیث و آثار پر بحیثیت روایت و درایت بحث و تنقید کر کے انکو ساقط الاعتبار قرار دیا ہے اور اُن کے مقابلے میں وہ صحیح روایتیں اور محققانہ اقوال پیش کئے ہیں اور اُن تمام گرد و پیش کے حالات کو پیش نظر رکھکر یہ ثابت کردیا ہے کہ عہد نبوی ہی میں قرآن نے بحیثیت کلام الٰہی اور دستورالعمل اسلام ہونے کے ہر مسلمان کے قلب و دماغ میں جگہ کرلی تھی، ہر زبان پر اُس کا ذکر تھا - نمازوں میں اس کی قرآت اور اوراد میں اس کی تلاوت تھی، نماز کی امامت میں اس کی شرط تھی - فوجی عہدوں کے تقرر میں خاص طور پر اس کا لحاظ کیا جاتا تھا - عہد نبوت میں نہ صرف قرآن کے حافظ ہی بہت سے تھے بلکہ ایسے صحابہ بھی موجود تھے جنھوں نے پورے قرآن کو ایک جا لکھا اور جمع کیا جیسے ابوالدرداء، ابی بن کعب، معاذ بن جبل، زید بن ثابت، عبادہ بن صامت وغیرہ—

مصنف نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ اس زمانہ میں سامان کتابت وغیرہ بھی موجود تھا، اُس وقت بجاے موجودہ کاغذ کے حریر اور باریک جھلی پر کتابت ہوتی تھی - لکھنے والوں کی بھی اسوقت میں کمی نہ تھی چنانچہ صرف قریش میں (۱۷) کاتب تھے اور آنحضرت صلعم نے مدینہ میں چونکہ باضابطہ کتابت کی تعلیم کا انتظام فرمایا تھا بہت سے لوگ لکھنا سیکھہ گئے تھے - انؔ لوگوں میں جن سے پیغمبر صاحب وحی وغیرہ کے لکھنے پڑھنے کا کام لیتے تھے ان کی تعداد (۲۴) تھی - بہر حال مصنف نے اس بات کو بخوبی ثابت کر دیا کہ قرآن مجید قرن اول میں اوراق و صحایف پر تمام و کمال لکھا اور جمع کیا گیا اور اس کے نشر و اشاعت میں روز افزوں اضافہ ہوتا رہا یہاں تک کہ عہد عمری میں ہزارہا نسخے قرآن مجید کے لوگوں کے پاس موجود تھے—

پس قران کے اس تواتر اور توارث عملی کے مقابلہ میں کوئی خبر واحد خواہ وہ کتنی ہی صحیح کیوں نہ ہو کسی طرح قابل لحاظ اور لایق اعتبار

نہیں ہوسکتی"—

اس رسالہ میں کتابت کی بعض غلطیاں ایسی رہگئی ہیں جن سے کہیں کہیں مطلب خبط ہوجاتا ہے—

(منظور)

———:o:———

متفرق

———:o:———

مینا بازار

یہ مولانا محمد عبدالحلیم صاحب شرر کا نیا تاریخی ناول ہے-مولانا کے اکثر ناول تاریخی ہیں اور ان سے اردو داں طبقے میں تاریخ کا عجیب شوق پیدا ہوگیا ہے-اگرچہ اس ناول سے مولانا شرر کے کمال کا اندازہ نہیں ہوسکتا لیکن مینا بازار کا جو نقشہ انہوں نے کھینچا ہے وہ پڑھنے کے قابل ہے—

دلگداز پریس لکھنؤ سے ایک روپیہ میں مل سکتا ہے -

———:o:———

تفریح دل

حاجی خطیب قادر بادشاہ صاحب المتخلص بہ بادشاہ مرحوم رئیس وانمباڑی (علاقہ مدراس) نے اپنی فرصت کے وقت میں کچھہ لطائف مختلف قسم کے جمع کئے تھے وہ اب ان کے فرزند خطیب محمد عبدالرشید صاحب نے ایک رسالے کی صورت میں طبع کرکے شائع کرادئے ہیں-دل بہلانے کی اچھی چیز ہے-مگر کوئی خاص بات نہیں-قیمت ۲ آنہ خطیب محمد عبدالرشید نمبر۷۸ گوڈون اسٹریٹ مدراس سے مل سکتی ہے—

———:o:———

سراج المنیر (حصۂ چہارم)

یہ حافظ منیرالدین احمد صدیقی سندیلوی منیر' بیرسٹر ایٹ لا کے اردو اور فارسی کلام کا مجموعہ ہے-اس میں نعتیہ' صوفیانہ اور عاشقانہ سب قسم کی نظمیں

ھیں- کلام صاف ستھرا ھے اور حضرت ماہر کی طبیعت میں لگاؤ اور سوز ھے- معلوم ھوتا ھے کہ اس سے قبل ان کے کلام کے تین حصے شایع ھوچکے ھیں، یہ چوتھا حصہ ھے- سید محمد عبدالوحید رضوی ملصرم ریاست سروھی (راجپوتانہ) سے آٹھہ آنے میں مل سکتا ھے—

—:o:—

بہارستان

سدرشن صاحب کے قصے اور ناول اس سے پہلے ملک میں شایع اور مقبول ھوچکے ھیں- اور ان میں سے بعض پر اس رسالے میں تبصرہ بھی ھو چکا ھے- یہ ان کی کہانیوں کا نیا مجموعہ ھے- جس میں پندرہ چھوٹے چھوٹے قصے اور ایک مختصر ڈراما ھے سدرشن صاحب کو مختصر قصے لکھنے کا بہت ھی اچھا سلیقہ ھے- اس مجموعے میں بعض قصے بہت پر درد اور دلچسپ ھیں- اور ان میں قابل مولف نے انسانی فطرت کے بعض راز اس خوبی سے بیان کئے ھیں کہ پڑہ کر جی خوش ھوتا ھے- انھوں نے صرف دلچسپی اور تفریح ھی کا سامان جمع نہیں کیا بلکہ ان کے مطالعہ سے اخلاقی سبق بھی حاصل ھوتے ھیں- ھمیں اس بات کی خوشی ھے کہ سدرشن صاحب اپنے فن میں ترقی کر رھے ھیں اور اپنے قلم سے ملک کو فائدہ پہنچا رھے ھیں- اس فن میں انھوں نے ملک کے نامور قصہ نویس منشی پریم چند کی تقلید کی ھے جنھوں نے بہارستان پر ایک مختصر دیباچہ لکھا ھے—

کتاب مجلد چھوٹی تقطیع پر ۳۲۷ صفحے کی ھے- قیمت ایک روپیہ چودہ آنے ھے رام کتھا بک ڈپو، لاھور سے مل سکتی ھے—

—:o:—

سفر نامۂ مظہری

یہ حاجی مظہرعلوم انصاری مرحوم کا سفرنامہ ھے جو اُن کے بڑے بھائی مولوی محمد حلیم صاحب انصاری نے اپنے عزیز بھائی کی وفات کے بعد اُن کے روز نامچوں وغیرہ سے مرتب کرکے شایع کیا ھے—

مرحوم کی زندگی عجیب و غریب تھی- ھمیشہ چلتے پھرتے اور کام کرتے گزری- دل میں سیاحت اور آزادی کی امنگ تھی، ایک جگہ بیٹھہ کر پابندی کے ساتھہ کام کرنے سے طبیعت اکتاتی تھی- اس لئے چند روز ملازمت کرکے اسے ترک کردیا تجارت کی طرف توجہ کی- ایسی تجارت نہیں کہ جیسیں دکان جماکر بیٹھنا

پڑے بانکہ مال لیکر شہر شہر پھرتے اور نہادانہ نہاپانی کھاتے پیتے اور کاروبار کرتے چلے جاتے تھے- لیکن ایک مدت بعد یہ مشغلہ بھی چھوٹ گیا، اور رسالہ مخزن میں ملازمت کی- یہاں بھی اُن سے زیادہ تر چلنے پھرنے ہی کا کام متعلق تھا- مخزن کو ان کی وجہ سے بڑی رونق ہوئی اور اس رسالہ کی مقبولیت اور عروج میں مرحوم کا بھی حصہ ہے- اس کے بعد مرحوم آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سفیر ہوگئے اور کچھہ عرصہ کے بعد انجمن ترقی اردو کے سفارت اختیار کی یہ میدان اُن کے لئے بہت وسیع تھا- خوب کام کیا- ہرملک اور ہر قماش کے شخصوں سے ملنے کا اتفاق ہوا- ہرملت اور ہرقوم کے لوگوں سے صحبت رہی- یہی وجہ تھی کہ وہ مردم شناس بھی تھے اور زمانہ شناس بھی- بعض ایسے ایسے لوگوں سے انھوں نے قومی کاموں کے لئے چندے وصول کئے جو آن کو جان پر اور جان کو مال پر قربان کردیتے ہیں- وہ بہت بے تکلف زندہ دل اور بے لاگ آدمی تھے- جہاں جاتے لوگوں کو اپنا گرویدہ کرلیتے اور اس لئے ان کے احباب کا حلقہ بہت وسیع تھا- اس سفرنامے میں جہاں جہاں وہ پہنچے ہیں اور جس جس سے ملے ہیں سب کا حال بے کم و کاست بیان کردیا ہے- ہرمقام کے آثار قدیمہ، تاریخی حالات معاشرت، جن جن سے ملاقات ہوئی ہے اُن کی سیرت، مختصر مگر بہت سلیقے سے بیان کی ہے- جولوگ قومی کام کرنا چاہتے ہیں، یا جو ہندوستان کی سیاحت اس غرض سے کرنا چاہتے ہیں کہ وہ اپنے ملک کو صحیح طور سے سمجھیں، یا جو چاہتے ہیں کہ ایک سرگرم قومی سفیر کا کارنامہ پڑھیں تو انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہئے--

(کتاب مولوی محمد حلیم صاحب انصاری ناظم دینیات مسلم ہوسٹل یونیورسٹی الہ آباد سے دو روپیہ آٹھہ آنے میں ملسکتی ہے - صفحات ۲۴۱ مجلد-)

———:o:———

اردو کے جدید رسالے

———:o:———

نورس

جس طرح غلے اور میوے کی فصل ہوتی ہے یا شادیوں کا خاص موسم ہوتا ہے اسی طرح کتابوں کی بکری اور رسالوں کی اشاعت بھی فصلی ہونے لگی ہے-

گزشتہ دو سال سے اردو زبان میں رسالوں کی ایسی بوچھاڑ ہونی شروع ہوئی ہے کہ ہرمہینے کوئی نہ کوئی نیا رسالہ نکل آتا ہے۔ اگرچہ بڑھتی ہوئی تعداد دیکھہ کر جی خوش ہوتا ہے لیکن ساتھہ ہی اُن کی ناپائیداری سے دل کڑھتا بھی ہے۔ اب حال یہ ہے کہ جہاں کسی کو لکھنے پڑھنے کا شوق ہوا تو سب سے پہلے رسالہ نکالنے کا خیال آتا ہے - پڑھنے والے کم اور اخبار اور رسالہ روز افزوں - نتیجہ یہ ہے کہ بہت کم زمانے کے ہاتھوں پنپنے پاتے ہیں اور سارا روپیہ، محنت اور جد و جہد رائگاں جاتی ہے اور اس کا اثر اُن رسالوں پر بھی پڑتا ہے جن کی بقا ملک کے لئے ضروری ہے لیکن ایڈیٹری کی ہوس مجبور کردیتی ہے اور ابتدا میں اس جوش کا روکنا ایسا ہی مشکل ہے جیسے چڑھتے ہوے دریا کا۔اس کا نشہ دولت اور حکومت کے نشے سے بھی کہیں بڑھ کر ہے۔ جسے اس کا چسکا پڑ جاتا ہے پھر وہ کسی طرح چھڑائے نہیں چھوٹتا۔بعض اڈیٹر (جن میں سے بعض سے ہم ذاتی طور پر واقف ہیں) ایسے ہیں کہ وہ دنیا کی ہر شے ترک کرنے پر آمادہ ہیں، مگر نہیں ترک کر سکتے تو رسالہ۔ البتہ ایسے رسالے جو کسی خاص مقصد سے نکلتے ہیں اور ملک یاکسی جماعت یا خاص حصۂ ملک کی حقیقی خدمت انجام دے رہے ہیں اُن کا جاری رکھنا لازم ہے —

رسالہ نورس جو حال ہی میں اورنگ آباد کالج سے شایع ہوا ہے ایک خاص مقصد مد نظر رکھتا ہے۔اس کی غایت کالج کے طلبہ میں انشا پردازی اور ادب کا ذوق پیدا کرنا ہے۔ چنانچہ اس پہلے نمبر میں زیادہ تر مضامین طلبہ ہی کے لکھے ہوے ہیں۔ کالج کی عمر ابھی دو سال کی ہے اور اس لئے یہ نام بہت موزوں ہے اور اس کا مقصد قابل تحسین ہے - کالج میں پڑھ کر ہر شخص عالم و فاضل نہیں ہوسکتا' لیکن ایک تعلیم یافتہ شخص کے لئے یہ ضرور ہے کہ وہ اپنے مافی الضمیر کو شایستہ طریقے سے ادا کرسکے۔ اگر اس رسالے سے یہ مقصد حاصل ہو گیا تو سمجھنا چاہئے کہ اس نے اپنا فرض ادا کردیا۔شروع میں علمی خبریں ہیں جن کا جاننا طالب علموں کے لئے بہت ضروری ہے - مضامین بھی دلچسپ اور مفید ہیں۔ آخر میں کالج کا ذکر ہے اور اس کے مختلف شعبوں میں جو کچھہ ہو رہا ہے اس کی تفصیل درج ہے طلبہ کے لئے یہ بہت اچھی چیز ہے۔ ہمیں امید ہے کہ کالج کے پروفیسر اور طلبہ اس کی ترقی میں کوشش کریں گے اور اس کا ہر نمبر پہلے سے اچھا ہوگا —

انجمن ترقی اردو کے مطبع میں ٹائپ میں بہت صاف ستھرا چھپا ہے رسالہ دو ماہی ہے اور سالانہ قیمت تین روپیہ —

——:o:——

قوس قزح

یہ بھی ایک نیا ماہواری رسالہ ہے جو محمد وحید گیلانی صاحب کی ادارت میں لاہور سے شایع ہوا ہے - اردو میں نئے نئے رسالے اس کثرت سے نکل رہے ہیں کہ اڈیٹر کو اپنے رسالے کی تمہید یا مقصد بیان کرنے میں بڑی مشکل پیش آتی ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی اپنے قصور کی معذرت کرتا ہے یا خجالت رفع کرنے کے لئے کچھ کہنا چاہتا ہے - مگر ہمیں اڈیٹر صاحب قوس قزح کا یہ ابتدائی جملہ بہت پسند آیا "جس حالت میں ملک میں ہفتہ وار، پندرہ روزہ اور ماہوار رسالے اس کثرت سے نکل رہے ہیں، مجھ سے گمنام شخص کا ایک اور رسالہ جاری کردینا بالکل بے حقیقت معلوم ہوتا ہے اور سوائے اس کے کہ یہ سمجھ لیا جائے کہ مجھے کوئی مفاد مد نظر ہو اور کیا ہوسکتا ہے؟ لیکن میں کہتا ہوں کہ یونہی سہی "مرگ انبوہ جشنے دارد" آپ بھی سمجھ لیں کہ جو مطمح نظر دوسرے رسائل کا ہوتا ہے وہی قوس قزح کا ہے"—

لیکن یہ جملہ عام بد گمانی کی وجہ سے قلم سے نکل گیا ہے ورنہ اُن کا ارادہ بہت بلند ہے "میرا عزم با لجزم ہے کہ قوس قزح میں ایسے نرالے، حیرت انگیز اور دلچسپ مضامین درج ہوا کریں گے جو کم سے کم پنجاب کے اور کسی اردو رسالے میں شایع نہیں ہوتے" یہ محض دعوی ہی نہیں بلکہ اس مقصد کے پورا کرنے میں انہوں نے ایک حد تک کوشش بھی کی ہے - شروع میں دنیا کے عجائبات اور دلچسپ معلومات کے تحت میں بہت سی کام کی اور دلچسپ باتیں جمع کردی ہیں - افسانے بھی درج کئے گئے ہیں - ظرافت کی چاشنی بھی دی گئی ہے لیتھو کی چند تصویریں بھی ہیں - لکھائی چھپائی بھی اچھی ہے اور تا امکان رسالے کو دلکش بنانے میں اہتمام کیا گیا ہے - تاہم اس کے بعد بھی یہ سوال باقی رہتا ہے کہ کیا اس کے لئے درحقیقت کسی نئے رسالے کے جاری کرنے کی ضرورت تھی؟—

سب سے نئی اور انوکھی بات یہ ہے کہ "قوس قزح بفضلہ تعالی مضامین کے بارہ میں اردو رسائل یا اجرتی مضامین کا محتاج نہیں، اس کے پاس اپنا ذخیرہ مضامین کا اس قدر ہے کہ انشاءاللہ کبھی ختم ہونے میں نہیں آئیگا" - یہ بے نیازی اور ہمت ہر طرح قابل تعریف ہے - سالانہ چندہ کی مقدار رسالے میں کہیں نظر نہیں پڑی—

---:o:---

حسن خیال

مشاعرہ ایک بہت دلچسپ صحبت ہوتی ہے - شاید اس کا وجود ہندوستان کے سوا کسی ملک میں نہیں - ان صحبتوں کی وجہ سے اردو شعر و سخن کو بہت فروغ ہوا ' لوگوں کو زبان کی طرف توجہ ہوی اور تنقید کلام میں طرح طرح کی موشگافیاں کی گئیں - لیکن یہ ذوق لفظی تنقید سے آگے نہ بڑھا - مشاعرہ کا میدان ہمیشہ غزل تک محدود رہا اور اس تقلید میں کبھی اسے وسعت دینے کا خیال نہ ہوا البتہ ایک زمانے میں کرنل ہالرائڈ کے زیر ہدایت لاہور میں ایک مشاعرہ قائم ہوا تھا جسمیں بجاے مصرعۂ طرح کے نظم کے لئے کوی مضمون تجویز کیا جاتا تھا - چنانچہ مولانا حالی کی بعض بے مثل نظمیں اُس زمانے کی یادگار ہیں - بہر حال یہ صحبتیں اُستادوں کے زور سخن اور مبتدیوں کی مشق کے لئے خوب ہیں اور ہمارے زندہ دل شعرا کی بدولت اب تک قائم ہیں - کچھ عرصے سے ایک ایسا ہی مشاعرہ اورنگ آباد میں بھی قائم ہوا ہے اور اسی کی ایک صحبت میں جو کلام پڑھا گیا تھا اس کا انتخاب "حسن خیال" کے نام سے شایع کیا گیا ہے - یہ خوشی کی بات ہے کہ اس دور افتادہ اور اُجڑے شہر میں ابھی ایسے لوگ موجود ہیں جن کا کلام پڑھنے کے قابل ہے - سکرٹری صاحب نے توقع دلای ہے کہ اگر یہ مشاعرہ مستقل طور سے قائم ہوگیا تو یہ رسالہ ماہانہ کردیا جائیگا - ہمیں امید ہے کہ مولوی محمد حسین صاحب محوی جنھوں نے یہ شوق پیدا کیا ہے اور دوسرے احباب مثلاً حضرات اثر و انیس وشمیم وغیرہ اسے کامیاب بنانے میں ضرور کوشش کریں گے —

———:o:———

الناظر کا انعامی مضمون

اڈیٹر صاحب الناظر نے ہمیں اپنے پرچے کے انعامی مضمون پر ریویو کرنے پر توجہ دلائی تھی ' لیکن ہم نے تبصرہ سے عمداً احتراز کیا کیوں کہ یہ بحث ایسی نہیں جو چند سطروں میں طے ہو جاے - مگر اڈیٹر صاحب نے اس کے بعد خط کے ذریعہ سے تبصرہ کی فرمائش کی - لہذا تعمیل ارشاد میں ہم ایک سرسری نظر اس مضمون پر ڈالتے ہیں —

مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ آزاد کی اُردو شاعرانہ ' نذیر احمد کی عامیانہ اور سوقیانہ اور حالی کی روکھی پھیکی ہے - اُردو میں اگر کوئی اعلیٰ ادیب اور انشا پرداز ہوا ہے تو وہ شبلی ہے - ظاہر ہے کہ ایسا فیصلہ بالغ نظر ادیبوں

کی نظر میں کیا وقعت رکھہ سکتا ھے —

علاوہ ادبی تنقید کے مضمون نگار نے مولانا نذیر احمد مرحوم کے حق میں سخت نا انصافی کی ھے - وہ شبلی کو علامہ' حالی کو مولانا' محمد حسین آزاد کو پروفیسر' (یہ بھی غنیمت) لکھتے ھیں - لیکن نذیر احمد کو ھر موقع پر ڈپٹی نذیر احمد لکھتے ھیں - جو شخص عربی کا اتنا بڑا جید عالم ھو' جس نے قرآن کا بے مثل ترجمہ کیا ھو اور اُصول و اخلاق اسلام پر اعلیٰ درجہ کی کتابیں لکھی ھوں وہ اتنا بھی حق نہیں رکھتا کہ اس کے نام کے ساتھہ مولوی یا مولانا کا لفظ لکھا جاے - حالانکہ فرنگی محل' ندوہ اور جامعۂ ملیہ کے معمولی طالب علموں کے ناموں کے ساتھہ بھی مولوی اور مولانا کے لفظ لکھے جاتے ھیں - ھم خوب جانتے ھیں کہ یہ لفظ عمداً لکھا گیا ھے اور اس سے لکھنے والے کی نفس کی کیفیت اور اس کی نیت کا پتہ چلتا ھے - ایسے شخص سے کسی صحیح تنقید کی توقع رکھنا عبث ھے - مولانا شبلی زندہ ھوتے تو اُن سے بڑہ کر کوئی اس پر نفریں نہ کرتا —

آج کل یہ عام دستور ھو گیا ھے کہ لوگ فصاحت و بلاغت' معنی و بیان' لفظ و محاورہ' ادب و انشا کے متعلق ادھر اُدھر سے چن کر اچھی خاصی باتیں لکھہ جاتے ھیں لیکن موقع و محل کو نہیں دیکھتے - وہ سمجھتے ھیں کہ اِن اُصول کو بیان کر کے اُن کے تحت میں جو لکھہ دیا وہ جائز ھے - اگر صحیح ذوق نہیں ھے تو اصول کچھہ کام نہیں آتے - یہ حقیقت ھمیں اس مضمون میں جگہ جگہ نظر آئی —

مولانا آزاد کی نثر کے نمونے دربار اکبری سے نقل کر کے لکھے گئے ھیں - حالانکہ معلوم ھے کہ اس میں بہت کچھہ تصرف کیا گیا ھے اور مولانا حالی کی تصانیف میں تو بقول مضمون نگار "بلند اور پر زور عبارت ملنی مشکل ھے" - جب آدمی کو بات کہنے کا سلیقہ نہیں ھوتا تو وہ چیخ پکار اور شور غل سے کام لیتا ھے - یہی بعض انشاپرداز کرتے ھیں اور خیال کیا جاتا ھے کہ وہ بہت بلند اور پر زور عبارت لکھتے ھیں - مولانا حالی جس طرح الفاظ کا صحیح اور برجا استعمال کرتے ھیں اور واقعات اور کیفیات بیان کرنے میں جیسا انھیں ڈھب آتا ھے اور جس طرح انھوں نے بیسیوں ٹھیٹ اُردو کے لفظوں کو رواج دیا ھے اور بر موقع استعمال کیا ھے اس کی نظیر ھماری انشا پردازی میں نہیں ملتی - ھمارے ایک فاضل بزرگ جو عربی فارسی اُردو انگریزی اور فرنچ میں اعلیٰ دستگاہ رکھتے ھیں اور اُن کا ادبی ذوق مسلم ھے' وہ فرماتے تھے کہ ھماری زبانوں میں نثر تھی ھی نہیں مولانا حالی پہلے شخص ھیں جنھوں نے معقول اور پاکیزہ نثر لکھی - مگر الناظر کے مضمون نگار کی نظروں میں اُن کی نثر "بلا کی پھیکی اور بے مزہ" ھے —

قابل مضمون نگار نے جو بعض نمونے مولانا شبلی مرحوم کی تصانیف سے انتخاب کر کے لکھے ہیں اُن سے اندازہ ہوتا ہے کہ اُن کے ذہن میں " بلند اور پر زور " عبارت کا کیا مفہوم ہے مثلاً

" ایک طرف نود سالہ پیر ضعیف ہے جس کو دعا ہاے سحر کے بعد خاندان نبوت کا چشم و چراغ عطا ہوا تھا' جس کو وہ تمام دنیا سے زیادہ محبوب رکھتا تھا - اب اسی محبوب کے قتل کے لئے اس کی آستینیں چڑھ چکی ہیں اور ہاتھ میں چھری ہے "—

اس عبارت کو پڑھ کر اُردو کے ادنیٰ ناتک نظر کے سامنے پھر جاتے ہیں—

" اگر اس پہاڑ میں سخت سردی نہ ہوتی تو یہ غار بڑے بڑے اژدر اور موذی جانوروں کے دارالسلطنۃ ہوتے" دارالسلطنۃ کا لفظ یہاں کس قدر موزوں ہے !—

شاید یہی چیزیں قابل مضمون نگار کی زبان میں " اختراعات فائقہ " ہیں—

مضمون نگار صاحب ہلا ہوا' نواڑے' پتنغ پتنغ کر' کو متروک سمجھتے ہیں اور کھلنڈنا' جھپٹنا' بگٹٹ' تھٹور' کو پڑھنے اور سننے والوں کے لئے گرانی اور نا گواری کا جب خیال فرماتے ہیں - اُن کے خیال میں چھڑ خانی' پھٹکنا' لتاڑ' چھدا رکھنا' تتو تھمبو' تلملہٹ' اولو' پتکھا پن اور اسی قسم کے دوسرے لفظ عامیانہ اور سوقیانہ اور ادبی مذاق کے لئے سخت نا گوار ہیں - انہیں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ہر لفظ ایک خاص حیثیت رکھتا ہے اور اس کی خوبی اور برائی کا انحصار استعمال کرنے والے کے ذوق پر ہے - لفظ بذاتہ نہ بھلا ہے نہ برا - ایک اچھے سے اچھے لفظ کا بے موقع استعمال اسے نا گوار اور برا بنا دیتا ہے اور ایک معمولی اور عامیانہ لفظ کا صحیح اور بر محل استعمال عبارت میں خاص شان پیدا کر دیتا ہے - متروکات کے متعلق مناسب ہوگا کہ وہ جناب پنڈت برجموہن دتا تریہ صاحب کیفی کا مضمون مطالعہ فرمائیں جو اسی رسالہ میں درج ہے—

قابل مضمون نگار نے بار بار اپنے مضمون میں " عام بول چال " عامیانہ اور سوقیانہ کا لفظ استعمال کیا ہے اور عام لوگوں کی بول چال کا ذکر بڑی حقارت سے کرتے ہیں - معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے زبان کتابوں سے سیکھی ہے - جو لوگ کتابوں سے زبان سیکھتے ہیں وہ زندہ زبان کی حقیقت سے نا واقف ہوتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اصل زبان یہی ہے اور یہی رہے گی - مولانا شبلی مرحوم کا بھی یہی حال تھا - وہ دوسروں کے مقلد ہیں اور سب سے بڑے مقلد مولانا حالی کے - خاص کر سوانح

نویسی اور ادبی تنقید انہوں نے حالی ہی سے سوکھی ہے اور زبان میں آزاد، حالی اور نذیر احمد سے خوشہ چینی کی ہے۔یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی نثر میں کوئی خصوصیت پیدا نہ کر سکے —

یہاں اس کے متعلق بحث کی زیادہ گنجائش نہیں ، لیکن مختصر طور پر اس قدر عرض کرنا بیجا نہ ہوگا کہ عام یا عامیانہ بول چال کو حقارت سے دیکھنا ایک عالمانہ خود پسندی اور بے تہی کی علامت ہے۔یہی عام بول چال زبان کا سرچشمۂ قوت ہے جس سے وہ ہر وقت غذا اور تقویت حاصل کرتی رہتی ہے۔زبان کو عام انسانی معاشرت اور حالات سے دوش بدوش رہنا ضرور ہے۔ایسی صورت میں لازم ہے کہ وہ عوام کی بول چال سے فیض حاصل کرتی رہے ، ورنہ وہ مردہ ہوجاے گی۔ ہندوستان کی اکثر زبانوں کا یہی حشر ہوا۔جب نحویوں نے اپنے قواعد و ضوابط کے جکڑ بند سے انہیں مقید کرنا شروع کیا اور وہ کتابوں میں محدود ہوگئیں تو اسی وقت سے ان میں انحطاط پیدا ہونے لگا اور کچھہ دنوں میں مردہ ہوکے رہ گئیں۔عام بول چال زندہ زبان کے لئے بمنزلہ دل کے ہے جس سے ہر وقت اُسے خون پہنچتا رہتا ہے اور جس وقت یہ رسد بند ہوجاتی ہے تو زبان سوکھنی شروع ہوجاتی ہے اور کتابوں کے اوراق میں بند ہوکے رہ جاتی ہے۔تمام دنیا کی زبانیں جو مردہ کہلاتی ہیں اسی طرح مردہ ہوئیں۔کیا ہم اُردو کو ابھی سے محدود ، مفلوج اور مردہ کرنا چاہتے ہیں ؟

میں آخر میں مولانا نذیر احمد کی ایک عبارت نقل کرتا ہوں جو مضمون نگار صاحب نے اپنے مضمون میں لکھی ہے۔اُس کے آخر میں اُن کی راے لکھوں گا۔اس سے اُن کی ادبی ذوق اور تنقید کی حقیقت معلوم ہوجاے گی —

" ادھر تو نصوح اور سلیم دونو باپ بیٹوں میں یہ گفتگو ہو رہی تھی ، اُدھر اتنی ہی دیر میں فہمیدہ اور بڑی بیٹی نعیمہ میں خاصی ایک جھوڑ ہوگئی۔نعیمہ اس وقت دو برس کی بیاھی ہوئی تھی۔پانچ مہینے کا پہلونٹی کا لڑکا گود میں تھا۔ ناز و نعمت میں پلی ، نانی کی چہیتی ، ما کی لاڈو ، مزاج کچھہ تو قدرتی تیز ، باپ کے لاڈ پیار سے وھی کہاوت ہے،کریلا اور نیم چڑھا اور بھی چڑچڑا ہوگیا تھا۔ ساس نندوں میں بھلا اس مزاج کی عورت کا کیوں گزر ہونے لگا تھا۔گھونگھٹ کے ساتھہ منہ کھلا اور منہ کا کھلنا تھا کہ سسرال کا آنا جانا بند ہوگیا۔اب چھہ چھہ مہینے سے ما کے گھر بیٹھی ہوئی تھی مگر رسی جلی پر بل نہ گیا۔باوجودیکہ اجڑی ہوئی میکے پڑی تھی،مزاج میں وھی طنطنہ تھا ، کوار پنے ہی میں سوا گز کی زبان تھی۔کچھہ یوں ہی سا لحاظ بڑی بوڑھیوں کا تھا ، سو بیاہے سے ان کو بھی

دھتکار بتائی۔بیٹا چلے پیچھے تو اور بھی کھل کھیلی ' مردوں کا لحاظ اٹھا دیا۔ فہمیدہ نے میاں کے روبرو بیٹیوں کا بیڑا اٹھاتے تو اٹھا لیا لیکن نعیمہ کے تصور سے بدن پر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور جی ہی جی میں کہتی تھی کہ ذرا بھی اس بھڑوں کے چھتے کو چھیڑوں گی تو میرا سر مونڈ کر بھی بس نہ کرے گی"—

اس پاک صاف ستھری عبارت کے متعلق مضمون نگار صاحب کی یہ رائے ہے کہ "اس زبان کے بولنے سمجھنے کا پورا پورا لطف تو گزشتہ صدی میں دلی کے بعض محلے اور کوچے ہی کے لوگ اٹھا سکتے تھے" اس سے بڑھ کرنا انصافی اور بد مذاقی ہو نہیں سکتی۔ہم نے یہ عبارت کئی بار پڑھی مگر ایک لفظ بھی ایسا نہ ملا جو اس وقت نہ بولا جاتا ہو یا ٹکسال باہر ہو۔اس سے بہتر زبان اس موقع کے لئے ہو نہیں ہو سکتی۔ہر جملہ موتیوں کی لڑی معلوم ہوتا ہے۔اگر لائق مضمون نگار اُن الفاظ اور جملوں کی جگہہ جنہیں وہ قابل اعتراض سمجھتے ہیں دوسرے الفاظ اور جملے رکھہ کر دیکھتے تو انہیں اپنی تنقید کی ساری حقیقت معلوم ہوجاتی۔مولانا نذیر احمد اور مولانا حالی کا بڑا احسان اردو زبان پر یہ ہے کہ انہوں نے ٹھیٹ اردو کے ایسے الفاظ اور محاورات جو صرف بول چال میں زبانوں پر تھے' ادبی زبان میں داخل کردئے۔ان سے زبان کی رونق دو بالا ہوگئی اور مطالب کے ادا کرنے میں خاص لطف پیدا ہوگیا۔یہ بڑی جرأت کا کام تھا اور اُن کی یہ جرأت' بہت ہی قابل تحسین ہے' ورنہ خود پسند اور بے تہ انشا پردازوں کے ڈر سے جو بد قسمتی سے اپنے آپ کو ادیب بھی سمجھتے ہیں ہر شخص یہ جرأت نہیں کرسکتا۔آج ان دونوں بزرگوں کی بدولت سیکڑوں نئے پر معنی اور پر مغز لفظ اور محاورے ہمارے ادب میں آگئے ہیں جو اب ہر انشا پرداز استعمال کرتا ہے اور تو اور مولانا شبلی کی تصانیف ان الفاظ اور محاوروں سے بھري پڑی ہے جو اُنھیں ان دو حضرات کی بدولت حاصل ہوے ہیں—

بہر حال یہ مضمون ایک طالب علمانہ مشق کی حیثیت سے بہت اچھا ہے اور اڈیٹر صاحب الناظر کا جو اصل مقصد تھا' یعنی رسالہ کا اشتہار' وہ بھی اس سے حاصل ہوگیا ہے —

———:o:———

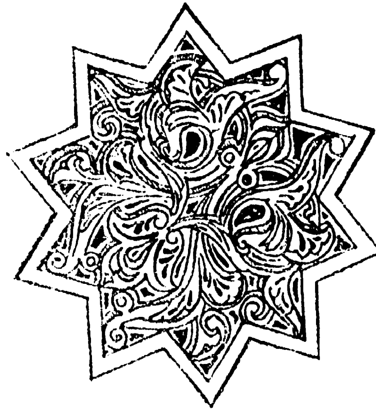
رسالہ تاج (حیدرآباد دکن) میں اسی پر ایک مضمون مولوی سید جلال صاحب نے تحریر فرمایا ہے۔ اگرچہ اس کی اُٹھان اچھی ہے لیکن مضمون

نکلتا ہے۔ افسوس اڈیٹر صاحب تاج نے بوجہ عدم گنجائش زیادہ لکھنے کی اجازت نہیں دی۔ رسالۂ تاج ترقی کر رہا ہے۔ گزشتہ سے پیوستہ رسالہ میں ایک بہت بڑا مضمون قدیم اُردو پر چھپا ہے۔ اس کے مولف ہمارے دوست حکیم شمس اللہ صاحب قادری ہیں۔ انہوں نے اس کی تالیف میں بڑی تحقیق اور محنت سے کام کیا ہے اور یہ بہت قابل قدر مضمون ہے۔ اب کتاب کی صورت میں علیحدہ بھی چھپ گیا ہے۔ انجمن ترقی اُردو سے مل سکتا ہے —

—:o:—

تصحیح

جولائی کے رسالۂ اُردو میں اختر شیرانی صاحب کی ایک نظم "نوائے گل" کے عنوان سے چھپی تھی اُس کے اس مصرعے میں "بہار ہے "اگر" خدائے گل تو ہوئے گل کو جانئے دعائے گل"۔ یہ "اگر" مصرعے میں داخل نہ سمجھا جائے —



اس رسالہ کی طباعت میں حسب ذیل غلطیاں رہ گئی ہیں براہ کرم درست کر لی جائیں

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۵۳۶	۱	عہد	عہدہ	۶۱۹	۷	کرتے	کرتے کرتے
۵۳۶	۹	مقربہیں	مقرھیں	۶۲۳	۳	مزاجی	مجازی
۵۵۹	۲۰	اُس خوب	اُس کو خوب	۶۲۴	۲۰	کہ لو گو	کہ گو
۵۶۴	۱	وڑے	کوڑے	۶۲۵	۱۶	ولاردری	ولاادری
۵۶۴	۲۲	گوی	گویا	۶۲۸	۳	پائدار	ناپائدار
۵۹۲	۲۲	و اور ہم	وہ اور ہم	۶۲۸	۱۰	جہالت	جہاد
۶۰۲	۱۱	پہلوتی	پہلو تہی	۶۲۹	۱۲	متلی الفر	مستلی الظفر
۶۰۳	۱۲	رکھا	رکھتا	۶۳۶	۱۲	باودرچیوں	باورچیوں
۶۰۴	۷	آفرین	آفرینی	۶۳۷	۳	مردہ رہ را	مردہ را رہ
۶۰۵	۲۲	حبادو	جادو	۶۴۲	۲۰	اُن پر	اُن پہ
۶۰۶	۱۱	کو سسر	کو ثمر	۶۵۴	۳	متروکی	متروکات کی
۶۰۶	۲۱	سارہ	ساز رہ	۶۵۸	۲	کو کبھی	کے کبھی
۶۰۷	۲	ارارم	آرام	۶۶۰	۲۲	اتاع	اتباع
۶۰۸	۵	کے فلسفیانہ	کے انہیں فلسفیانہ	۶۶۲	۲	واجو	واجد
۶۱۵	۱۴	جمیت	جمعیت	۶۶۳	۲	خوشی کی کسی	خوشی کسی
۶۱۶	۱۲	گرہ نی	گرنی	۶۶۴	۱۰	گریہاں	غریباں
۶۱۷	۸	چپانے	چھپانے	۶۶۵	۲۳	ان کو چوتھی	ان کے چوتھے
۶۱۸	۴	نما	نماے	۶۷۴	۵	لئے	لے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۶۷۹	۱۶	فہم نے	فہم
۶۸۶	۱۹	عاج	عاجز
۷۰۱	۱۵	روش	روشنی
۷۰۲	۱۰	کھلا	کھیلا
۷۰۷	۱۴	شق	شوق
۷۰۸	۱۳	بھی تھین	بھی ہیں
۷۰۸	۱۸	ہیں نا یہ	ہیں یہ
۷۰۸	۲۱	معمور	مصور
۷۱۲	۳	تم	یخ
۷۱۲	۱۱	جتلے	جیتے
۷۲۰	۱۵	ایسے	اسے
۷۲۲	۱۹	تریقہ	طریقہ
۷۲۳	۱۲	منشرقین	مستشرقین
۷۲۶	۲۰	میں مذکور	مذکور
۷۲۷	۱۹	سرد	سرو
۷۲۷	۲۸	دوادین	دواوین
۷۲۷	۲۹	دوادین	دواوین
۷۲۸	۱۷	دیوانی	دیوان
۷۲۹	۸	طربی	طبری
۷۲۹	۱۴	سے تاریخ طربی	نے تاریخ طبری
۷۳۰	۳۰	شئے کا پوراہ	شاہ کا پورا
۷۳۱	۱۶	اراہ	ارادہ
۷۳۲	۵	لوز	نود
۷۳۲	۲۰	سجائد	محامد
۷۳۸	۶	مضامین	فضا میں
۷۳۸	۲۲	مسلم	مسخ
۷۳۸	۲۵	سمائیں	کہ ایں
۷۳۹	۱۶	دیدیہ	دے کر یہ

فہرست مضامین رسالۂ اُردو جلد پنجم بابتہ سنہ ۱۹۲۵ع

تبصرے:—

رسالہ اُردو کے خریداروں کے ساتھہ خاص رعایت

رسالہ اُردو کے خریداروں کو انجمن ترقی اُردو کی شایع کی ہوئی کتابیں فی روپیہ چار آنہ کمی قیمت کے ساتھہ دی جائیں گی۔اُمید ہے کہ ناظرین اس رعایت سے فائدہ اُتھائیں گے

دیگر مقامات کی کتابیں جو بطور ایجنسی انجمن میں فروخت ہوتی ہیں ان کی قیمتوں میں کوئی کمی نہیں کی جا سکتی —

آنریری سکرتری

انجمن ترقی اُردو-اورنگ آباد (دکن)



اطلاع

رسالہ اُردو نمبر ۹ سے نمبر ۱۵ تک اور نمبر ۱۷ سے نمبر ۲۰ تک موجود ہیں اور بہ حساب فی رسالہ دو روپیہ سکۂ انگریزی علاوہ محصول ڈاک مل سکتے ہیں —

المشتہر

انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد دکن

(کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں)

کتاب	قیمت
نیرنگ ارض	۱ روپیہ ۴ آنہ
سیر المصنفین	۲ روپیہ
Hindustani Simplified (اردو آموز)	
دنیش چندر دت صاحب ایم اے	۳ روپیہ
شرح Hindustani Simplified	۱ روپیہ
رسالہ نماز Prayer Book	۱ روپیہ
معراج العاشقین	۶ آنہ
ابتدائی تعلیم کی رام کہانی	۱ روپیہ ۴ آنہ
ہندو تیوہاروں کی اصلیت اور ان کی	
جغرافیائی کیفیت	۶ آنہ
وہ جاندار جو نظر نہیں آتے	۴ آنہ
جہان آرا بیگم	۸ آنہ
(تصانیف نور الہی و محمد عمر صاحبان)	
موجودہ لندن کے اسرار	۱ روپیہ
ناٹک ساگر یعنی دنیاے ڈراما کی تاریخ	
مجلد	۳ روپیہ
تین ٹوپیاں	۸ آنہ
ظفر کی موت	۴ آنہ
قزاق	۸ آنہ
بگڑے دل	۸ آنہ
(دارالاشاعت پنجاب لاہور کی کتابیں)	
صبح زندگی	۱ روپیہ ۸ آنہ
شام زندگی	۱ روپیہ ۴ آنہ
شب زندگی ہر دو حصہ	۲ روپیہ ۴ آنہ
منازل السائرہ	۱ روپیہ
سنجوگ	۱۰ آنہ
جوہر قدامت	۱ روپیہ ۸ آنہ
تحفہ سائنس	۲ روپیہ ۸ آنہ

کتاب	قیمت
مشاہیر ہند	۲ روپیہ ۸ آنہ
نیلی چھتری	۱ روپیہ ۴ آنہ
بہرام کی گرفتاری	۱ روپیہ
اختر النسا بیگم	۱ روپیہ ۸ آنہ
دکھ بھری کہانی	۲ آنہ ۶ پائی
روشنک بیگم	۲ روپیہ
رانی کرونارت	۱ آنہ
رسوم دہلی	۴ آنہ ۶ پائی
ان پورنا دیوی کا مندر	۱ روپیہ ۸ آنہ
ایام غدر	۱ روپیہ ۴ آنہ
نقش فرنگ	۱ روپیہ ۴ آنہ
پریم پچیسی مکمل	۳ روپیہ
پریم بتیسی حصۂ اول	۱ روپیہ ۸ آنہ
بانگ درا مجلد	۵ روپیہ ۸ آنہ
بانگ درا غیر مجلد	۴ روپیہ
نعمت خانہ	۱ روپیہ ۴ آنہ
خواب راحت	۴ آنہ
چندن ہار	۲ آنہ
انمول موتی	۱ آنہ ۶ پائی
سوکن کا جلاپا	۶ آنہ
گوہر مقصود	۶ آنہ
لیلی	۲ روپیہ
سواء السبیل	۱ روپیہ
سخندان پارس	۱۰ آنہ
قوانین دولت	۴ آنہ
مینا	۱۲ آنہ
چترا	۱۲ آنہ

مطبوعات انجمن

جاپان اور اس کا تعلیمی نظم و نسق

سرکار نظام نے نواب مسعود جنگ بہادر ناظم تعلیمات ممالک محروسہ سرکار عالی کو جاپان کے تعلیمی نظام کے مطالعہ اور تحقیق کے لئے بھیجا تھا۔ نواب صاحب موصوف نے وہاں رہ کر اس عجیب و غریب ملک کے حالات اور خاصکر تعلیمی نظم و نسق کو نہایت غور اور تحقیق سے مطالعہ فرمایا۔ کتاب کے ابتدائی حصہ میں جاپان کی تاریخ اور اس کی ترقی کے اسباب پر نہایت دلچسپ اور فاضلانہ بحث کی ہے۔ جو ہمارے اہل وطن کے لئے بہت سبق آموز ہے۔ اُردو میں یہ پہلی کتاب ہے جو جاپان پر اس طرز میں لکھی گئی ہے۔ ہر محب وطن کا فرض ہے کہ اس کتاب کو شروع سے آخر تک پڑھے جو علاوہ دلچسپ ہونے کے پر از معلومات ہے۔ خاصکر ان لوگوں کے لئے اس کا مطالعہ ناگزیر ہے جو ملک کی تعلیم سے تعلق رکھتے ہیں (حجم ۳۸۲ صفحہ)

قیمت فی جلد مجلد تین روپیہ کلدار

سرگزشت حیات یا آپ بیتی

اس کتاب میں حیات کے آغاز اور اس کے نشو ونما کی داستان نہایت دلچسپ طرز پر بہت ہی سلیس زبان میں بیان کی گئی ہے۔ حیات کی ابتدائی حالت سے لے کر اس کا ارتقا انسان تک پہنچایا گیا ہے اور تمام تاریخی مدارج کو اس سہل طریقہ سے بتایا گیا ہے کہ ایک معمولی پڑھا لکھا ہوا آدمی بھی سمجھ سکے اور اگرچہ جدید سے جدید علمی تحقیقات بھی اس میں آگئی ہے مگر بیان کی سلاست میں فرق نہیں آیا۔ یہ کتاب جدید معلومات سے لبریز ہے اور ہر شخص کو اس کا مطالعہ کرنا لازم ہے۔

(حجم ۳۰۰ صفحہ)

قیمت فی جلد مجلد دو روپیہ آٹھ آنہ کلدار۔

تذکرۂ شعرائے اردو

مولفۂ میر حسن دہلوی۔ میر حسن کے نام سے کون واقف نہیں۔ ان کی مثنوی بدر منیر کو جو قبول عام نصیب ہوا شاید ہی اردو کی کسی کتاب کو نصیب ہوا ہو۔ یہ تذکرہ اسی مقبول اور نامور استاد کی تالیف ہے۔ یہ کتاب بالکل نایاب تھی بڑی کوشش سے بہم پہونچا کر طبع کی گئی ہے۔ میر صاحب کا نام اس تذکرہ کی کافی شہادت ہے۔ اس پر مولانا محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی نے ایک بسیط نقادانہ اور عالمانہ تبصرہ لکھا ہے جو قابل پڑھنے کے ہے۔ قیمت فی جلد مجلد ایک روپیہ ۱۴ آنہ کلدار۔ غیر مجلد ایک روپیہ ۲ آنہ کلدار۔

تاریخ تمدن

سرٹامس بکل کی شہرۂ آفاق کتاب کا

ترجمه هے - الف سے ی تک تمدن کے هر مسئله پر کمال جامعیت سے بحث کی گئی هے اور هر اصول کی تائید میں تاریخی اسناد سے کام لیا گیا هے اس کے مطالعه سے معلومات میں انقلاب اور ذهن میں وسعت پیدا هوتی هے- حصۂ اول غیرمجلد ایک روپیه ۸ آنه مجلد دو روپیه کلدار حصۂ دوم مجلد ۲ روپیه کلدار —

مقدمات الطبیعات

یه ترجمه هے مگر انگلستان کے مشهور سائنس دار حکیم هکسلے کی کتاب کا جس کا نام کتاب کی کافی ضمانت هے- اس میں بظاهر فطرت کی بحث درج هے لیکن کتاب علم و فضل کا مرقع هے قیمت غیر مجلد دو روپیه کلدار- مجلد دو روپیه ۸ آنه کلدار —

القول الاظهر

امام ابن مسکویه کی معرکة الارا تصنیف فوزالاصغر کا یه اردو ترجمه هے - یه کتاب فلسفۂ الهیین کے اصول پر لکھی گئی هے اور مذهب اسلام پر انهیں اصول کو منطبق کیا گیا هے قیمت غیر مجلد ۸ آنه کلدار مجلد ایک روپیه کلدار —

القمر

قوانین حرکت و سکون اور نظام شمسی کی صراحت کے بعد چاند کے متعلق جو جدید انکشافات هوئے هیں ان سب کو جمع کر دیا هے طرز بیان دلچسپ اور کتاب ایک نعمت هے قیمت غیر مجلد ۱۰ آنه کلدار- مجلد ۱ روپیه کلدار —

قاعده و کلید قاعده

یه قاعده مدت کے غور و خوض کے بعد اور بالکل جدید طرز پر لکھا گیا هے جن اصول اور طریقه پر اس کی تعلیم هونی چاهئے ان کی تشریح کے لئے ایک کلید بھی تیار کی گئی هے- قاعده غیر مجلد ۲ آنه کلدار- کلید قاعده غیر مجلد ۴ آنه کلدار —

فلسفۂ تعلیم

هربرٹ اسپنسر کی مشهور تصنیف اور مسئلۂ تعلیم کی آخری کتاب هے غور و فکر کا بهترین کارنامه- والدین و معلم کے لئے چراغ هدایت هے- تربیت کے قوانین کو اس قدر صحت کے ساتهه مرتب کیا هے که کتاب الهامی معلوم هوتی هے- اس کا نه پڑهنا گناه هے- قیمت مجلد ۳ روپیه کلدار- غیر مجلد ۲ روپیه ۸ آنه کلدار —

دریاے لطافت

هندوستان کے مشهور سخن سنج میر انشاالله خاں کی تصنیف هے- اردو صرف و نحو اور محاورات اور الفاظ کی پهلی کتاب هے اس میں زبان کے متعلق بعض عجیب و غریب نکات درج هیں- قیمت غیر مجلد ایک روپیه ۸ آنه کلدار مجلد ۲ روپیه کلدار —

طبقات الارض

اس فن کی پهلی کتاب هے- تین سو صفحوں میں تقریباً جمله مسائل

قلم بند کئے ہیں۔کتاب کے اخر میں انگریزی مصطلحات اور ان کے مرادفات کی فہرست بھی منسلک ہے۔قیمت غیر مجلد ۲ روپیہ کلدار مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ کلدار—

مشاہیر یونان و رومہ

ترجمہ ہے۔سیرت نگاری اور انشاپردازی میں اصل کتاب کا مرتبہ دو ہزار برس سے آج تک مسلم الثبوت چلا آتا ہے۔ ادیبان عالم بلکہ شکسپیر تک نے اس چشمہ سے فیض حاصل کیا ہے۔وطن پرستی اور بے نفسی عزم وجواں مردی کی مثالوں سے اس کا ہر ایک صفحہ معمور ہے۔قیمت جلد اول غیر مجلد ۳ روپیہ کلدار۔مجلد ۴ روپیہ کلدار جلد دوم مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ کلدار—

اسباق النحو

ملک کے ادیب کامل مولانا حمیدالدین صاحب بی اے کی تالیف ہے اختصار کے باوجود عربی صرف و نحو کا ہر ایک ضروری مسئلہ درج ہے۔قیمت حصۂ اول غیر مجلد ۶ آنہ کلدار حصۂ دوم غیر مجلد ۴ آنہ کلدار—

علم المعیشت

اس کتاب کی تصنیف سے پروفیسر محمد الیاس صاحب برنی ایم اے نے ملک پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ معیشت پر یہ کتاب جامع و مانع ہے۔ مبہم و مشکل مسائل کو پانی کر دیا ہے اس کے اکثر باب نہایت عجیب و غریب ہیں۔اشتراکیت کا باب قابل دید ہے۔ حجم ۸۸۵ صفحے قیمت مجلد ۵ روپیہ ۸ آنہ کلدار—

تاریخ اخلاق یورپ

اصل مصنف پروفیسر لیکی کا نام علم و تبحر۔تحقیق و صداقت کا مرادف ہے۔ یہ کتاب کئی ہزار برس کے تمدن۔ معاشرت – اصول – اخلاق – مذاہب و خیالات کا مرقع ہے۔حصۂ اول مجلد ۳روپیہ کلدار حصۂ دوم مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ کلدار—

تاریخ یونان قدیم

یہ کتاب مطالب کے لحاظ سے مستند کتابوں کا خلاصہ ہے اور زبان کے لحاظ سے سلاست و شگفتگی کا نمونہ۔اس کا نقطۂ خیال خالصاً ہندوستانی ہے۔ایف اے کلاس کے طلبا جو یونان قدیم کی تاریخ سے گھبراتے ہیں اس کتاب کو انتہا درجہ مفید پائیں گے۔قیمت مجلد ۲ روپیہ کلدار—

انتخاب کلام میر

میر تقی میر تاج شعرائے اردو کے کلام کا انتخاب ہے۔مولوی عبدالحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو نے یہ انتخاب ایک مدت کی سعی و محنت کے بعد کیا ہے اور شروع میں میر صاحب کی خصوصیات شاعری پر ۴۰ صفحہ کا ایک عالمانہ مقدمہ بھی لکھا ہے۔قیمت مجلد ۲ روپیہ کلدار—

رسالۂ نباتات

اس موضوع کا پہلا رسالہ ہے۔علمی اصطلاحات سے معرا۔طلباء نباتات جس مسئلہ کو انگریزی میں نہ سمجھہ سکیں وہ اس رسالہ میں مطالعہ کریں قیمت مجلد ایک روپیہ چار آنہ کلدار—

دیباچۂ صحت

اس کتاب میں مطالبات صحت پر (مثلاً ہوا-پانی-غذا-لباس-مکان وغیرہ) مبسوط اور دلچسپ بحث کی گئی ہے- زبان عام فہم اور پیرایہ موثر و دلپذیر ہے ملک کی بہترین تصنیف ہے-اس کا مطالعہ کئی ہزار نسخوں سے زیادہ قیمتی ثابت ہوگا-حجم ایک ہزار صفحے-قیمت مجلد چار روپیہ کلدار—

قواعد اردو

ارباب فن کا اتفاق ہے کہ اردو زبان میں اس سے بہتر قواعد نہیں لکھے گئے- بسط و شرح کے علاوہ اس میں بڑی خوبی یہ ہے کہ فارسی قواعد کا تتبع نہیں کیا گیا ہے قیمت غیر مجلد دو روپیہ کلدار—

نکات الشعراء

یہ اردو کا تذکرہ استادالشعرا میر تقی مرحوم کی تالیفات سے ہے-اس میں بعض ایسے شعرا کے حالات بھی ملیں گے جو عام طور پر معروف نہیں-نیز میر صاحب کی رائیں اور زبان کے بعض بعض نکات پڑھنے کے قابل ہیں-مولانا محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی صدرالصدور امور مذہبی سرکار عالی نے اس پر ایک ناقدانہ اور دلچسپ مقدمہ لکھا ہے-قیمت مجلد دو روپیہ ۴ آنہ کلدار—

فلسفۂ جذبات

کتاب کا مصنف ہندوستان کا مشہور نفسی ہے-جذبات کے علاوہ نفس کی ہر ایک کیفیت پر نہایت لیاقت اور زبان آوری کے ساتھہ بحث کی گئی ہے- متعلمان نفسیات اسے مفید پائیں گے قیمت مجلد دو روپیہ ۸ آنہ کلدار غیر مجلد دو روپیہ کلدار—

وضع اصطلاحات

یہ کتاب ملک کے نامور انشاپرداز اور عالم مولوی وحیدالدین سلیم (پروفیسر عثمانیہ کالج) نے سالہا سال کے غور و فکر اور مطالعہ کے بعد تالیف کی ہے بقول فاضل مولف " یہ بالکل نیا موضوع ہے-میرے علم میں شاید کوئی ایسی کتاب نہ آج تک یورپ کی کسی زبان میں لکھی گئی ہے نہ ایشیا کی کسی زبان میں"- اس میں وضع اصطلاحات کے ہر پہلو پر تفصیل کے ساتھہ بحث کی گئی ہے اور اس کے اصول قائم کئے گئے ہیں-مخالف و موافق رایوں کی تنقید بھی کی گئی ہے اور زبان کی ساخت اور اس کے عناصر ترکیبی مفرد و مرکب اصطلاحات کے طریقے-سابقوں اور لاحقوں-اردو مصادر اور ان کے

مشتقات - غرض سیکڑوں دلچسپ اور علمی بحثیں زبان کے متعلق آگئی ہیں - اردو میں بعض اور بھی ایسی کتابیں ہیں جن کی نسبت یہ کہا جا سکتا ہے کہ زبان میں ان کی نظیر نہیں - لیکن اس کتاب نے زبان کی جڑیں مضبوط کردی ہیں اور ہمارے حوصلہ بلند کردئیے ہیں - اس سے پہلے ہم اردو کو علمی زبان کہتے ہوئے جھجکتے اور اس کی آیندہ ترقی کے متعلق دعویٰ کرتے ہوئے ہچکچاتے تھے - مگر اس کتاب کے ہوتے یہ اندیشہ نہیں رہا - اس نے حقیقت کا ایک نیا باب ہماری آنکھوں کے سامنے کھول دیا ہے - تعداد صفحات ۳۰۵ قیمت مجلد تین روپیہ ۱۲ آنہ کلدار —

نفح الطیب

یہ کتاب اسلامی عہد کی تاریخ اسپین کے معلومات کا خزانہ ہے - خلافت اسپین کے ہر مورخ کو اس کی خوشہ چینی کرنی پڑی ہے - علامۂ مقری کی نامور اور مشہور آفاق کتاب ہے جو پہلی دفعہ اردو میں ترجمہ ہوئی ہے - یہ کتاب عثمانیہ یونیورسٹی کے نصاب میں بھی داخل ہے صفحات ۴۰۲ قیمت مجلد چھہ روپیہ ۸ آنہ کلدار —

محاسن کلام غالب

ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری مرحوم کا معرکۃالآرا مضمون ہے - اردو زبان میں یہ پہلی تحریر ہے جو اس شان کی لکھی گئی ہے - یہ مضمون اردو کے پہلے نمبر میں طبع ہوا تھا - صاحب نظر قدردانوں کے اصرار سے الگ بھی طبع کیا گیا ہے - قیمت غیر مجلد ۸ آنہ کلدار —

ملل قدیمہ

ایک فرانسیسی کتاب کا ترجمہ ہے - اس میں بعض قدیم اقوام - سلطنت کلدانی - آشوری - بابل - بنی اسرائیل و فنیقیہ کی معاشرت - عقائد - صنعت و حرفت وغیرہ کے حالات دلچسپی اور خوبی کے ساتھہ دئیے ہیں - اردو میں کوئی ایسی کتاب نہ تھی جس سے ان قدیم اقوام کے حالات صحیح طور سے معلوم ہوسکیں اس لئے انجمن نے اسے خاص طور پر طبع کرایا ہے حالات کی وضاحت کے لئے جا بجا تصویریں دی گئی ہیں - صفحہ ۲۷۴ - قیمت مجلد دو روپیہ ۲ آنہ کلدار —

بجلی کے کرشمے

یہ کتاب مولوی محمد معشوق حسین خاں صاحب بی اے نے مختلف انگریزی کتابوں کے مطالعہ کے بعد لکھی ہے - برقیات پر یہ ابتدائی کتاب ہے اور سہل زبان میں لکھی ہے - ہمارے بہت سے ہم وطن یہ نہیں جانتے کہ بجلی کیا چیز ہے - کہاں سے آتی ہے - کیا کام آسکتی ہے - یہ کتاب ان تمام معلومات کو بتاتی ہے - لڑکے لڑکیوں کے لئے بھی مفید ہے - قیمت دو روپیہ ۴ آنہ کلدار —

———:o:———

حسب ذیل کتابیں بھی انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد دکن سے مل سکتی ھیں

(کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ھیں)



(دارالمصنفین اعظم گڈھ)

۱- سیرۃ النبی حصۂ اول ۳ روپیہ
۲- سیرۃ النبی حصۂ دوم ۳ روپیہ ۸ آنہ
۳- سیرۃ النبی حصۂ سوم ۲ روپیہ
۴- شعرالعجم مکمل ۵ حصے ۱۳ روپیہ
۵- سفرنامہ مولانا شبلی ۲ روپیہ
۶- علم الکلام ۲ روپیہ
۷- الکلام ۲ روپیہ
۸- کلیات شبلی ۱ روپیہ ۸ آنہ
۹- اسوۂ صحابہ مکمل دو حصہ ۸ روپیہ
۱۰- انقلاب الامم ۲ روپیہ
۱۱- برکلے ۱ روپیہ ۸ آنہ
۱۲- مکالمات برکلے ۱ روپیہ ۸ آنہ
۱۳- مثنوی بحرالمحبت ۱۲ آنہ
۱۴- تفسیر ابومسلم اصفہانی (عربی) ۲ روپیہ
۱۵- سیرالصحابیات ۲ روپیہ ۴ آنہ
۱۶- روح الاجتماع ۲ روپیہ
۱۷- ابن رشد ۴ روپیہ
۱۸- گل رعنا ۵ روپیہ
۱۹- سیرالانصار ۳ روپیہ ۸ آنہ

(مطبع کاویانی - برلن)

۱- موش و گربہ (فارسی) ۵ آنہ ۲ پائی
۲- زادالمسافرین (فارسی) ۸ روپیہ
۳- گلستان (فارسی) ۲ روپیہ ۸ آنہ
۴- تہاتر (فارسی) ۲ روپیہ ۸ آنہ
۵- تاریخ سنی ملوک الارض (عربی) ۲ روپیہ ۸ آنہ
۶- نصاب الصبیان (فارسی) ۱ روپیہ
۷- رہنمای پسران (فارسی) ۱ روپیہ ۸ آنہ
۸- تلغراف بی سیم (فارسی) ۱ روپیہ
۹- ہزار و یک سخن (فارسی) ۱۱ آنہ

(جامعہ ملیہ - علی گڈھ)

۱- الخلافت الکبریٰ ۵ روپیہ
۲- الصراط المستقیم ۲ روپیہ
۳- بصائر ۶ آنہ
۴- سیرۃ الرسول ۱ روپیہ ۸ آنہ
۵- خلافت راشدہ ۲ روپیہ
۶- خلافت بنی امیہ ۱ روپیہ ۸ آنہ
۷- خلافت عباسیہ ۲ روپیہ
۸- خلافت عباسیہ بغداد ۲ روپیہ
۹- مبادی معاشیات ۱ روپیہ
۱۰- انتخاب میر (از نورالرحمن صاحب) ۱ روپیہ
۱۱- قواعد عربی ۲ روپیہ
۱۲- عرض جوہر ۸ آنہ
۱۳- مجموعہ کلام جوہر ۶ آنہ
۱۴- اسلامی تہذیب و قومی تعلیم ۴ آنہ
۱۵- ازہار العرب ۸ آنہ

۱۶- انتخاب مضامین جوہر ۱ روپیہ
۱۷- ترکوں کی کہانیاں ۴ آنہ
۱۸- خطبہ شیخ الہند ۲ آنہ
۱۹- خطبہ حکیم اجمل خاں صاحب ۲ آنہ
۲۰- ہمارے نبی ۸ آنہ
۲۱- تاریخ ہند قدیم ۱ روپیہ
۲۲- اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر ۱۲ آنہ

(نظامی پریس - بدایون)

۱- قاموس المشاہیر جلد اول ۲ روپیہ
۲- نکات غالب مجلد ۱ روپیہ
۳- دیوان غالب مشرح مجلد دو روپیہ ۸ آنہ
۴- دیوان جان صاحب مجلد ۱ روپیہ ۸ آنہ
۵- دیوان درد ۱ روپیہ ۴ آنہ
۶- دیوان غالب (لائبریری ایڈیشن) ۱ روپیہ ۸ نہ
۷- خطوط سرسید قسم اول ۳ روپیہ
۸- خطوط سرسید قسم دوم ۲ روپیہ
۹- لیتھوگرافی مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ
۱۰- انتخاب زرین مجلد ۲ روپیہ
۱۱- مراثی انیس جلد اول مجلد ۱۰ روپیہ
۱۲- مراثی انیس جلد دوم قسم اول ۸ روپیہ قسم دوم ۴ روپیہ
۱۳- تذکرۃ الصلحا ۸ آنہ
۱۴- کنز التاریخ ۱ روپیہ ۸ آنہ

(دائرۂ ادبیہ - لکھنؤ)

۱- یادگار غالب ۳ روپیہ
۲- مکاتیب امیر مینائی ۲ روپیہ ۸ آنہ
۳- مکاتیب اکبر ۱ روپیہ
۴- میلائے سخن ۱ روپیہ
۵- حزن اختر ۸ آنہ
۶- درس عمل ۴ آنہ
۷- خواتین انگورہ ۱ روپیہ
۸- بیگمات بنگال ۲ آنہ
۹- اسلام کا اثر یورپ پر ۴ آنہ
۱۰- مشرقی ترکستان ۲ آنہ
۱۱- سیاحت زمین ۱ روپیہ
۱۲- سیاحت ہوا ۱ روپیہ

الناظر پریس - لکھنؤ

۱- تاریخ عرب ۷ روپیہ ۸ آنہ
۲- موازنہ انیس و دبیر ۳ روپیہ
۳- مقدمہ شعر و شاعری ۱ روپیہ ۴ آنہ
۴- اصول النسخ ۲ آنہ
۵- مسلمانان اندلس ۱ روپیہ ۸ آنہ
۶- اسرار رنگون ۱ روپیہ
۷- ہوم رول ۵ آنہ
۸- خوان دعوت ۱ روپیہ
۹- مصنوعی شوہر ۲ آنہ
۱۰- وکرم اروسی ۱ روپیہ ۸ آنہ
۱۱- مسلمانوں کی تہذیب ۲ آنہ
۱۲- الاحسان ۸ آنہ
۱۳- ارض نہرین ۴ آنہ
۱۴- تذکرۂ حزیں ۴ آنہ
۱۵- حیات نظامی ۴ آنہ
۱۶- خطاب ۴ آنہ

۱۷- میلاد نبوی ۴ آنہ
۱۸- تصویر درد ۴ آنہ
۱۹- شمع و شاعر ۲ آنہ
۲۰- فریاد اُمت ۳ آنہ

(دوسري قابل قدر کتابیں)

۱- رسائل شبلی ۱ روپیہ ۸ آنہ
۲- کتب خانہ اسکندریہ ۵ آنہ
۳- مسدس حالی ۱۲ آنہ
۴- جنگل کی پہلی کہانی ۵ آنہ
۵- بادل کے بچے ۱ روپیہ
۶- بانگ درا ۲ روپیہ
۷- یادگار غالب ۱ روپیہ ۸ آنہ
۸- مجموعہ نظم حالی ۸ آنہ
۹- اکبری اقبال ۳ آنہ
۱۰- الفاروق ۳ روپیہ
۱۱- اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر ۸ آنہ
۱۲- نظم شبلی ۴ آنہ
۱۳- نفس اللغة ۱ روپیہ
۱۴- ترانۂ شوق ۱ روپیہ ۸ آنہ
۱۵- خوبی سخن ۸ آنہ
۱۶- دیگر ممالک میں قطع تعلق ۱۰ آنہ
۱۷- آزادی اسلام ۴ آنہ
۱۸- مصطفی کمال پاشا ۱ روپیہ ۸ آنہ
۱۹- گوکھلے کی تقریریں ۱۲ آنہ
۲۰- سلف گورنمنٹ ۲ آنہ
۲۱- عالم خیال ۸ آنہ
۲۲- حیات خسرو ۸ آنہ
۲۳- نظام حیات انسانی ۸ آنہ
۲۴- فرہنگ فارسی جدید ۱ روپیہ ۸ آنہ
۲۵- فرہنگ عربی جدید ۱ روپیہ ۸ آنہ
۲۶- اسلامی حکومت ۲ آنہ

———:o:———

دیوان غالب جدید و قدیم

یہ وہ نایاب کلام ہے جس کی اشاعت کا اهل ملک کو بیحد انتظار تھا- اس میں میرزا غالب کا قدیم وجدید تمام کلام موجود ہے-میر صاحب کے قدیم کلام ملنے کی کسے توقع تھی یہ محض حسن اتفاق تھا کہ ھاتھہ آگیا اور اب ریاست بھوپال کی سرپرستی میں چھپ کر شائع ہوا ہے- مع مقدمہ ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری مرحوم مجلد ۵ روپیہ کلدار. غیر مجلد ۴ روپیہ کلدار (بلا مقدمہ مجلد ۳ روپیہ ۸ آنہ کلدار غیر مجلد دو روپیہ ۸ آنہ کلدار)—

مکاتیب

نواب محسن الملک اور نواب وقارالملک مرحومین کے غیر مطبوعہ خطوط کا قابل قدر- دلچسپ- پراز معلومات اور بہترین مجموعہ- مرتبۂ مولوی محمد امین صاحب مہتمم تاریخ ریاست بھوپال ۱ روپیہ—

المشتہر

انجمن ترقی اُردو- اورنگ آباد (دکن)

۸۹۱۶۲۱۰۰

اردو حصہ ۲۰

تہذیب حقائق